ابو سعید ابو الخیر

مکتبہ نبویہ ۔ لاہور

حضرت خواجہ الشیخ ابی سعید ابی الخیر فضل اللہ المیہنی اور انکے معاصرین کی نظر میں

مقاماتِ صوفیاء

تالیف :-

حضرت خواجہ محمد بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید میہنی قدس سرہم

ترجمہ :

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

نام کتاب ———— مقامات صوفیاء

کتاب فارسی ———— اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعیدؒ

تالیف ———— محمد بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی الخیر میہنیؒ

ترتیب و ترجمہ ———— پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

مقدمہ ———— حضرت علامہ جناب شمس بریلوی بالقابہ

موضوع ———— واقعات و مقامات صوفیہ قدیم

سالِ تالیف کتاب ———— ۵۹۹ھ

سالِ طباعت ترجمہ ———— ۱۹۸۵ء / ۱۴۰۶ھ

طابع ————

ناشر ———— مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور

قیمت مجلد ———— ۳۹/۰۰ روپے

———— کتابت :- چوہدری محمد سہیل اشرف کاہلوں معصوم گنج لاہور



فہرست موضوعات

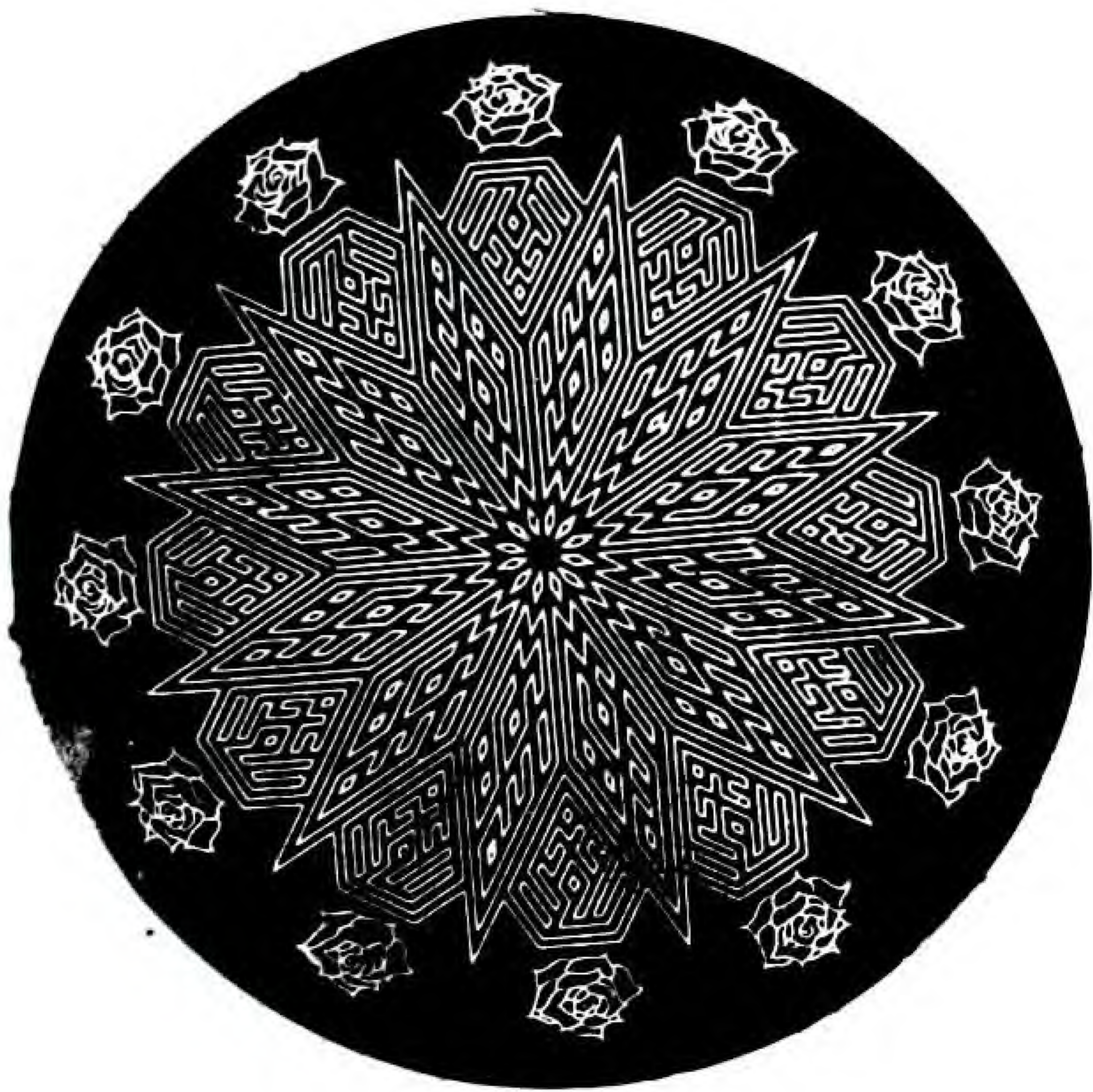
موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
مقدمہ :۔ از حضرت شمس بریلوی	۹	دھرتی کا احترام	۱۰۲
قرن چہارم و پنجم کے صوفیاء	۳۹	صوفیہ اور مسلکِ شافعی	۱۰۳
اسرار توحید کی اہمیت	۵۸	آئمہ اربعہ	۱۰۳
مقدمہ ۔ از ڈاکٹر ذبیح اللہ صفاء	۷۵	فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا	۱۰۵
مقدمہ :۔ از مولف علام	۶۸	اسمِ ذات کی جاں نوازیاں	۱۰۵
شیخ ابوسعید کے ابتدائی حالات زندگی	۹۴	وادیہائے محبت	۱۰۶
ولادت	۹۵	عشق کی تنہایاں	۱۰۸
اقلیم ولائیت کی جہانبانی	۹۷	پدر شیخ کے اندیشے اور عشق کی رازداریاں	۱۱۱
بندگی و مزدوری میں فرق	۹۸		
خدا سے باتیں	۹۹	اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۵
تحصیل علوم لغت وفقہ	۱۰۰	حق عبادت	۱۱۵
فقہی مسلک	۱۰۰	عشق کی نیرنگیاں	۱۱۶
مسلکِ شیخ کی پیروی	۱۰۱	صدیقی اور زندیقی	۱۱۹
مقامِ امام ابوحنیفہ	۱۰۱	شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۰
سنت نبوی پر عمل کی حیرتناک مثال	۱۰۳	مقبرۂ اولیاء	۱۲۲

موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
شیخ احمد علیہ الرحمہ	۱۲۳	برکتِ شیخ	۱۴۵
سکون قلب اور کتابیں	۱۲۴	عجیب چلہ کشی	۱۴۵
تلاشِ شیخ	۱۲۸	مسلمان آزار محتسب	۱۴۶
مسلکی اختلافات بے بنیاد ہیں	۱۲۹	وہ دیکھتے ہیں آپ کو پر دیکھتے نہیں	۱۴۸
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکے ست	۱۳۰	یہودی دامن اسلام میں	۱۵۰
خوشی اور غم	۱۳۱	کعبہ ہر رات طواف کرتا ہے	۱۵۷
عرفانِ ذات اور الوہیت حق تعالیٰ	۱۳۱	مزار بایزید بسطامی پر	۱۵۸
امتحان شیخ	۱۳۴	خواجہ ابوالحسن خرقانی کی مجلس	
طبیبِ جسم کو طبیبِ دل سے دوا مل گئی	۱۳۴	زر خالص گم ہو گیا	۱۶۵
اتباع سنت	۱۳۵	نیشاپور سے میہنہ تک	۱۶۷
اطاعتِ شیخ	۱۳۶	حضرت شیخ کی نیشاپور سے روانگی	۱۶۹
حق دوستی ادا کر دیا	۱۳۶	یہ صوفی کیسے ہیں؟	۱۷۱
ابراہیم نیال کوتوال نیشاپور	۱۳۷	بے نماز سو رہا تھا۔	۱۷۱
اخلاق خانقاہی	۱۳۸	رفتیم و شنیدیم و دیدیم و یافتیم	۱۷۲
سات۔ سات اور سات	۱۳۸	شیخ ابوسعید کے تین خلال	۱۷۵
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست!	۱۴۱	وضوء علی الوضوء - نور	۱۷۵
غفلتِ مرید اور بیداری شیخ	۱۴۲	عراق و خراسان آل سلجوق کے حوالے	۱۸۰
مرید امام اور شیخ مقتدی	۱۴۲	شیخ کی ایک نگاہ	
احترام اولیاء	۱۴۳	پیر کے مرید اور مرید کے پیر پر حقوق	۱۸۵
شوق پابوسی	۱۴۴	نگاہِ محبت کی اثر انگیزیاں	۱۸۶

موضوع	صفحہ
شیخ کی جبیں لوگوں پر کھلی رہتیں	۱۸۸
شیخ ابوسعید مَرو میں	۱۸۹
اہلِ محبت کی آمد	۱۹۱
نگاہ کا تازیانہ یا چقماق ترکمانہ	۱۹۱
صراف کے سو دینار	۱۹۳
قاضی سیفی کا قتل	۱۹۵
گندم کے ذخیرے میں برکت	۱۹۶
ڈاکوؤں کی بستی تائب ہوگئی	۱۹۷
نظام الملک طوسی خانقاہ شیخ میں	۲۰۰
دیواریں جھاڑا کریں	۲۰۲
گر شتر شوی از دستِ جاں بری	۲۰۴
آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف	۲۰۷
خُلق کے ثمرات	۲۰۷
ایک بال دنیا و آخرت سے محبوب ہے	۲۰۸
بخاری شریف کی آخری حدیث	۲۰۹
قوتِ برداشت کی تربیت	۲۱۱
حضرت ابوسعید کی زبانی حکایات	۲۱۴
اللہ کارساز ہے	۲۱۵
ادب اور احترام	۲۱۶
ابوعلی سینا حضرت شیخ کی مجلس میں	۲۱۷
خواجہ حسن مودب کی تربیت	۲۱۹
اسرار خداوندی کی حفاظت	۲۲۱
گھر میں تین چیزوں کا خیال رکھیں	۲۲۱
مرد کامل کے اوصاف	۲۲۳
بخشش کے لئے ایک قدم	۲۲۴
لیس فی جُبتہٖ سوی اللہ	۲۲۶
وضو کی دُعاء	۲۲۸
نماز میں درود پاک	۲۲۸
دل کی صفائی	۲۲۹
خاشۂ راہ	۲۲۹
دُنیادی تحفے	۲۳۰
سادات سے رواداری	۲۳۱
شیخ ابوسعید صحیح صوفی تھے۔	۲۳۱
آدابِ مجلس	۲۳۳
صبر و تحمل کی مثال	۲۳۴
شیخ گرجے میں	۲۳۴
گوہر خدمت خلق	۲۳۵
سورۂ الم نشرح	۲۳۵
بڑا بزرگ چھوٹا غصہ	۲۳۵
اصلی صوفی	۲۳۶

موضوع	صفحہ
ترکمانوں کا حملہ	۲۳۸
دل کی خوشی	۲۳۹
ازبرائے مصطفیٰ	۲۴۰
سردار باشس	۲۴۰
عزدرِ خرد	۲۴۸
شاہ سرخس	۲۴۸
سفرِ ہرات	۲۵۱
آدھے شلغم سے علاج	۲۵۲
ایک مغنیّہ	۲۵۵
والی خراسان کی اصلاح	۲۵۶
سلطان طغرل کا بھائی	۲۵۷
مارا بر کیسہ بند نیست باخلقِ خُدا جنگ نیست	۲۵۸
ملفوظات و اقوال	۲۶۳
حکایات	۲۶۵
عمّہ کا حجرہ	۲۹۵
نیلے مرقعے	۲۹۶
مخلوق کو کیوں پیدا کیا	۲۹۷
درویش کون ہے ؟	۲۹۹
صاحبِ ہمت	۳۰۳
احترام مسجد	۳۰۳
ہاتھ اور دل	
اقوال وگفتار	۳۰۷
دعائیں نیک تمنائیں	۳۴۱
حضرت خواجہ ابوطاہر قدس سرہٗ بیان کرتے ہیں	۳۴۲
دعائے احزاب	۳۴۴
مکتوبات عالیہ	۳۴۷
حضرت کے پسندیدہ اشعار	۳۵۱
حضرت کی زندگی کے آخری لمحات	۳۶۰
مرض الموت کے دوران وصایا	۳۶۸
احوال حالتِ نزع	۳۶۸
کرامات بعد از وصال شیخ قدس سرہٗ	۳۷۵
حضرتِ شیخ کا گھوڑا	۳۸۳
تربیّتِ مریدین	۳۸۴
امام قشیری مزار شیخ پر	۳۸۵
مزار شیخ کا تعین	۳۸۷
نازنینیانِ حق	۳۸۷
نظام الملک طوسی	۳۸۸
خواجہ ابوطاہر کی شیخ سے محبت	۳۹۰

موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
شیخ کا گورکن	۳۹۱	خواجہ ناصر قدس سرہٗ	۳۹۹
شیخ ابوالفضل شامی	۳۹۲	آوازِ دوست	۴۰۰
مَن تُربَتُ نَبَتَت	۳۹۲	خوارزم شاہ کا گھوڑا رُک گیا	۴۰۰
حج اور زیارت شیخ	۳۹۳	قبر سے قرآن کی آواز	۴۰۲
بانوفلہ رحمۃ اللہ علیہا	۳۹۶	تازہ روٹی	۴۰۵
برکاتِ نگاہِ شیخ	۳۹۸	خاتمۃ الکتاب	۴۰۶



مقدّمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصوّف
اور
کتاب اسرار التوحیدؔ

نگارش: حضرت شمس بریلوی بالقابہ

مسلک معرفت و طریقت کے لئے ایک جامع اور آسان لفظ "تصوف" عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صدیوں سے استعمال ہو رہا ہے، مسلک معرفت و طریقت کے تمام پہلوؤں پر یہ لفظ حاوی ہے اور دوسری صدی ہجری سے تا ایندم یہ نظریہ محبت الٰہی اپنے تمام عوامل کے ساتھ جاری و ساری ہے اور اسی طرح موضوع بحث ہی بنا رہا ہے اس پر اسلامی اور غیر اسلامی نظریہ دونوں طرح کو چھاپ لگی ہوئی ہے اور مغربی مفکرین نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب موشگافیاں کی ہیں۔ صدہا صفحات تو محض اس لفظ تصوّف کے

اشتقاق کے سلسلہ میں رقم کئے جا چکے ہیں اور اس کی اصل وماہیت کے بارے میں تو مخالفانہ آراء اور خیالات کا ایک طومار مرتب ہوگیا ہے، یہاں اتنا موقع نہیں کہ اب تمام مخالفانہ آراء کو پیش کر سکوں، اب یہاں مغربی مفکرین و مستشرقین کی صرف چند آراء کو پیش کرتا ہوں۔

مغربی مفکرین میں گولڈ تسیہر، نولڈیکی اور پروفیسر نکلسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان صاحبان فکر نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی اپنی تصانیف یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ ان مستشرقین کی فلسفی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تصوّف بذات خود کوئی مستقل اسلامی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کے تابع اور ماخذ مختلف مکاتب فکر اور مذاہب ہیں یعنی

۱۔ مسیحیت

۲۔ بدھ مت اور ہندومت

۳۔ فلسفہ ایران اور مانویت

پروفیسر نکلسن نے خاص طور پر اس موضوع پر کاوش کی ہے اور ۱۹۱۴ء میں اس موضوع پر اپنی تحقیقات کو "مسٹس ازم آف اسلام" کی صورت میں پیش کیا چونکہ وہ اسلامی علوم کا بھرپور مطالعہ نہیں کر سکے تھے اور صرف اپنے پیشرو مغربی مفکرین مستشرقین کے خیالات و آراء سے ان کو استفادہ کا موقع ملا تھا اس لئے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

"ذکر اور توکل کے نظریات قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔
لیکن اس امر میں شبہ نہیں کہ تصوف اس سلسلہ میں مسیحیت کا بڑی

حد تک رہین منت ہے"

جرمن مفکر گولڈ تسیہر (م ۱۹۲۱ء) کہتا ہے کہ

"اسلامی تصوف میں ایثار اور قناعت کی صفات، دولت اور سرمایہ داری پر فقر کو ترجیح، فضائل یا صفات خالص اسلامی نہیں ہیں بلکہ نصرانیت اور عیسائیت کے

مطالعہ کا نتیجہ ہیں اور ان کے نظریات سے شغف اور دلچسپی کا ماحصل ؛
ایک دوسرا جرمن مفکر نولڈکی (متوفی ۱۹۳۰ء) کا خیال ہے کہ
مسلمان صوفیاء نے ذکر کے جو طریقے ایجاد کئے اور عمل میں لائے وہ بھی
نصرانیت سے لئے گئے ہیں ۔ (تاریخ تصوف اسلام)
لیکن مغربی مفکرین نصرانیت و مسیحیت کا ماخذ اور منبع بتاتے وقت
یہ بھول جاتے ہیں کہ :-

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

نصرانیت و مسیحیت جو خود شرک تثلیث میں گرفتار رہی ہے کسی توحیدی مسلک یا عقیدے کا کیا منبع اور ماخذ بن سکتی ہے ! صرف یہی نہیں بلکہ ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ جب اسلامی علوم کے نور سے عرب و عجم ہی نہیں بلکہ سرزمین ہسپانیہ بھی جگمگا رہی تھی اس وقت یورپ جہالت کے اندھیرے میں علم و فکر کے راستے پر دو قدم بھی چلنے کی سکت نہیں رکھتا تھا ۔

ان مفکرین کے ان خیالات کے منابع اور ماخذ غیر مسلموں کے وہ معاندانہ خیالات اور ان کی تصانیف ہیں جو روما اور اندلس کی شکست خوردہ ذہنوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے پھیلائے لیکن افسوس کہ ہم جوان مغربی مفکرین سے ان بری طرح متاثر ہیں اور ان کی تہذیب و ثقافت اور ان کے تمدن کے سچے پرستار ہیں ، اس لئے ان کی ان آراء کو ہم بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں صرف یہی نہیں کہ ہماری فکر کی پرواز یہیں تک محدود ہے بلکہ ہم " زیب داستاں " کے لئے اس پر حاشیہ بھی چڑھاتے ہیں ۔

دور کیوں جائیں ہمارے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم (جو میرے خواہرزادے تھے) نے تاریخ تصوف اسلام لکھ کر ان مغربی مفکرین کی ... ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور تقریباً نصف کتاب تصوف کے غیر اسلامی ماخذوں کی نشاندہی پر صرف کر دی ۔ پروفیسر سلیم مرحوم ، تاریخ

تصوف اسلام کی فصل اول میں رقم طراز ہیں۔

"دنیا کے تمام محققین کا اتفاق ہے کہ "اپنشد" تصوف پر قدیم ترین تصانیف ہیں، چنانچہ پروفیسر دوائس نے اپنی مشہور تصنیف "کائنات اور فرد" جلد اوّل باب چہارم صفحہ ۱۵۶ میں اعتراف کیا ہے کہ "صوفیانہ عقائد کی پوری داستان ان کتابوں (اپنشدوں) میں قلم بند کر دی گئی ہے۔

فصل چہارم میں پروفیسر سلیم مرحوم نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

"شریمد بھگوت گیتا میں تصوف"

اس موضوع کے تحت انہوں نے ۴ صفحات بطور تشریح تحریر کئے ہیں۔ مختصر یہ کہ "تاریخ تصوف اسلام" کا نصف اوّل ان مباحث پر مشتمل ہے کہ تصوف "غیر اسلامی" ہے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مغربی مفکرین نے اسلامی تصوف کے ماخذ صرف مسیحیت و نصرانیت کو قرار دیا تھا لیکن مسلمان ناقدین اور مورخین تاریخ تصوف نے ویدانت اور اپنشدوں کو بھی تصوف کا ماخذ ٹھہرایا۔

تصوف اسلام کے سلسلہ میں مفکرین اور ناقدین کی چند آراء پیش کر دی ہیں ان آراء کی تردید ان کے بطلان پر اگر قلم اٹھایا جائے تو یہ چند صفحات ناکافی ہوں گے اس لئے تردید سے قطع نظر کرتے ہوئے میں آئندہ اوراق میں تصوّف کی اصل اور اس کی حقیقت کو پیش کروں گا اور بتاؤں گا کہ تصوف کا سرچشمہ اسلام اور صرف اسلام ہے، ان مفکرین و ناقدین کی آرائے ناقص کا بطلان خود بخود ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

ابتدائے اسلام جس کو صدر اسلام سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے، اسلامیات، اخلاقیات اقتصادیات اور سیاسیات ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت کے حامل نہیں تھے، اسلام کا سیاسی نظام اخلاقی نظام کے دائرے میں تھا اور اخلاقی نظام اس کے معاشرتی اور سماجی نظام

کے اجزائے ترکیبی تھے گویا اسلامی شریعت اور اسلامی ریاست کوئی الگ الگ چیزیں نہیں تھیں ناممکن تھا کہ اس کا سیاسی، ثقافتی اور سماجی نظام کسی رُخ سے بھی شریعت کے دائرے سے باہر ہو سکے! ہر ایک نظام زندگی پر شریعت کی پوری پوری گرفت تھی اور یہ تمام مختلف نظام ہائے زندگی شریعت کے تارا پورتے، جنگ وصلح طاعت وعبادت اور کسب معیشت کے دائروں کا مرکزی نقطہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا۔

بندگی اور عبادت الہٰی کے عواطف صرف ادائیگی فرض وسنت تک محدود نہ تھے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کا ہر سانس عبادت تھی۔ عبادت سے "ان کی اس طاعت و بندگی کا عنوان تھا۔

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اپنے پیشوا اپنے ہادی و رہنما محسن عالم و عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کو کامل اپنائے ہوئے تھے اس لئے اس ابتدائی دَور میں تصوّف نہ کوئی مسلک بن سکا اور نہ کوئی نظریہ عبادت، نہ اس کی ضرورت تھی کہ اس دَور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے شرف یابی سب سے بڑی کامیابی، عظیم فلاح اور سب سے بہتر و برتر فوز و فلاح تھی، یہی لقب سب سے زیادہ عزت وعظمت والا تھا!

اصحابِ صُفّہ جو تسلیم و رضا، صبر و توکل، قناعت اور ایثار کے ایک پیکر تھے اور تصوّف کا مرکزی نقطہ، گویا وہ اس مسلک کے سب سے پہلے عامل تھے۔ یہ حضرات اپنے محبوب ہادی برحق کے چشم و ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے، آپ کی اطاعت و انقیاد ان حضرات کی زندگی کا اوّلین مقصد تھا اور اُن کی زندگی کا نصب العین اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت ان کی ہر سانس کا مطلوب و مقصود! ہجرت کے بعد ایثار کی اعلیٰ ترین مثالیں نذر مال و متاع اور جاں سپاری کی شکل میں تاریخ کے صفحات پر جس طرح ثبت ہیں تاریخ عالم یعنی تاریخ مذاہب کے صفحات اس کی مثال سے خالی ہیں، غزوات و سرایات کا یہ سلسلہ غزوۂ تبوک

(سنہ ۹ھ تک قائم رہا۔ سنہ ۹ ہجری تک ایک مسلمان کی دُھن اس کی لگن۔ اس کی تمام تر مساعی کا محور صرف یہ تھا کہ وہ اپنا سب کچھ اسلام کے بلند ترین مقصد پر قربان کر دے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس وقتی اور بنیادی ضرورت کو پوری پوری تندہی اور جاں سپاری سے ساتھ انجام دیتے رہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات کا دور: دین کی تکمیل اور اسلامی اقتدار کی تزئین کے بعد جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کی قربت کو قبول فرمایا اور دَورِ صدیقی آیا تو فتنۂ مدّعیانِ نبوت مرتدین و منکرین زکوٰۃ نے جو شدت اختیار کی وہ اسلامی تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اس وقت اِن فتنہ سامانیوں کا انسداد سب سے عظیم اسلامی اور دینی ضرورت تھی، اس کے بعد دَورِ فاروقی سے جو اسلامی فتوحات کا یادگار عہد ہے، اسلامی زندگی عبارت رہ گئی۔ صرف دو باتوں سے نہیں... غیر مسلموں سے جہاد اور عبادت الہٰی! آپ کا ۱۲ سالہ دور (سنہ ۱۳ھ تا سنہ ۲۴ھ) جب ختم ہوا تو اسلامی سلطنت کے حدود جزیرہ نمائے عرب کی محدود وسعتوں سے نکل کر ایران، شام، عراق، مصر اور روم سے جا ملے مسلمانوں کو بین الاقوامی ارتباط سے دوچار ہونا پڑا۔ عیسائیوں، یہودیوں، آتش پرستوں اور ذمیوں سے میل جول بڑھا اسلامی سادگی نے اپنا چولا بدلا، سطوتِ فاروقی کے سامنے تو کسی کو یارائے دم زدن نہ تھا لیکن دَرپردہ اقتدار کی کش مکش نے بڑی خاموشی کے ساتھ سینوں میں اپنا گھر کر لیا اور اپنے ظہور کے لئے وہ وقت کی منتظر رہی چنانچہ شہادت فاروقِ اعظم نے جب اسلامی اقتدار کی فلک بوس عمارت میں شگاف ڈال دیا تو اس اقتدار کو سینوں سے باہر نکلنے کا موقع ملا جس کا نتیجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غم آفریں شکل میں نمودار ہوا۔ خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں شامیوں اور حجازیوں کے مابین عصبیت کی آگ خوب بھڑکی۔

خاندانی عصبیت کی وہ چنگاریاں جو اسلامی تعلیمات اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

ستودہ صفات کی حکمت عملی سے دب گئی تھیں پھر بھڑک اٹھیں۔خویش پروری، اقارب دوستی کے الزامات کو مقصد برآری کا نعرہ بنا کر یہ قوتیں آگے بڑھیں اور محسن اسلام و انسانیت امام دین و ملت، پیکر ایثار و حیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون بہا کر رہیں، ذرا غور تو فرمایئے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس حال میں شہید کیا گیا اور کس نے شہید کیا انہوں نے جن پر صحابی کے اصطلاحی لفظ کا اطلاق ہوتا تھا اور اس حال میں کہ خلیفہ مظلوم قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔

اقتدار کی اس کش مکش کا جو انجام ہونا تھا وہ ہو کر رہا باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ چین سے چار دن اسلام کی خدمت نہ کر سکے، آپ کی خلافت کا پنج سالہ زمانہ زیادہ تر بغاوتوں، سیاسی سازشوں کے استیصال اور خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گیا۔سیاست کا وہ شاطرانہ حربہ جو آج بھی ضرورت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے سب سے پہلے اسلامی تاریخ میں جنگ نہروان میں آزمایا گیا مسلمانوں کا وہ خوں جو شجر اعلائے کلمۃ الحق کی آبیاری میں صرف ہوتا تھا۔ اس وقت دشت شام و حجاز میں رائیگاں بہہ رہا تھا، ابھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارک پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی اسلامی اقدار و تعلیمات پر زوال کے بادل چھا گئے، اس پر آشوب وقت میں بھی اصحاب صُفّہ ان کے مخلص متعین اتباع دین وایمان کو سینے سے لگائے اس فتنہ آفرین اور فتنہ پرور ماحول سے الگ تھلگ گوشوں میں یاد الٰہی کو اپنا نصب العین اور حرز جاں بنائے بیٹھے رہے۔

تحقیق جہاں تک چھان بین کر سکتی ہے اور تاریخ کے اوراق الٹ سکتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی ابتدا یہی سے ہوتی ہے، کیا ان اصحاب کی یہ ایذا پسندی اور خلوت دوستی زندگی سے "فرار" کا عنوان پانے کی مستحق ہے۔میرے خیال میں ایسا کہنا بڑی ناانصافی اور تاریخی غلطی ہوگی۔!

خوارج کا ظہور اسلامی تاریخ کی بساط سیاست کا ایسا مہرہ ہے جس نے بڑے

بڑے ابدہ دراں کوشہ مات دیدیئے، جسے نظر انداز کر دینا حقیقت پسندی سے آنکھیں بند کر لینا ہیں، ان خوارج نے ایک تیر سے تین ہستیوں کو نشانہ بنانا چاہا خوبی قسمت کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو اس کا ہدف نہ بن سکے لیکن خلیفہ چہارم باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اور اس سانحہ عظیم کے بعد مسلمان ایک دوسرے سے دست وگریبان ہوئے ہیں تو کیسی خشیت الہٰی اور کیسا رحم! نہ نفرت کا خوف نہ باز پرس کا ڈر! اہل بیت کے خوش گلے تھے اور سیاست کی تیز تلوار!! آن کی آن میں حکومت واقتدار نے ان کی شہادت سے اپنی پیاس بجھائی۔

تصوف پر بے عملی جمود اور زندگی سے فرار کا لیبل لگانے والے اپنی تصویر کا یہ رخ دیکھنا شاید بھول جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے پتھر برسا کر دیوار ہائے کعبہ کو شک کرنے والے، غلاف کعبہ کو جلانے والے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش تین دن تک آویزاں رکھنے والے، کیا ان غریب اور خدا دوست مسلمانوں کی آواز پر لبیک کہہ سکتے تھے اور ان اسلامی اقدار واصول کی طرف رجوع کر سکتے تھے جو ان کو جبروت واقتدار اعلیٰ کی بلندی سے گرا کر اس سطح پر لے آئے جہاں امیر وغریب۔ اسود و احمر اور عربی وعجمی، آقا اور غلام ایک ساتھ ایک دل اور ایک زبان ہو کر اسلامی اقتدار اور اس کی عزت کی بحالی کے لئے ہر آن اور ہر نفس کوشاں رہتے تھے۔

خدا کی شان پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے اسی محل میں جس کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، سطوت بنی اُمیہ کے ایک نشان کے طور پر تعمیر کرایا تھا" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر بُریدہ کے علاوہ اِن والیان حکومت اور صاحبان اقتدار کے تین سر اور آئے اور ان سروں میں سب سے زیادہ پرشور مختار ثقفی کا سر تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد میں اقتدار کی جو بنیادیں تیار کی گئی ہیں بہت جلد مسلمانوں کے پاک خون سے لبریز ہو گئیں اور پھر اس پر اموی سلطنت کی وہ فلک بوس عمارت کھڑی ہوئی جس نے اپنے تو اپنے

غیروں کی نگاہوں کو بھی خیرہ کر دیا۔

اب تابعین کا اصلاحی دور شروع ہوا اور اموی حکومت کا عہد عروج! آپ اب تاریخ کے صفحات میں اس کا جواب تلاش کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کا نصب العین، دنیاوی امارت، عز و جاہ اور اعلیٰ اقتدار تھا اسلام کا بول بالا کرنا اور اسلامی اقدار کی سربلندی! یاد الٰہی، اطاعت و بندگی اور فضائل اخلاق اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات پر حاکمیت اور عاملانہ اقتدار: یہ تمام باتیں پہلے ایک مسلمان کا سراپا تھیں، اسلام کی اجتماعی زندگی کے روپ تھے لیکن اب ان کے راستے الگ الگ ہو گئے! ایک راستہ تھا اللہ کی محبت اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی اور پوری اطاعت احکام دین کا اور اعلاء کلمۃ الحق کا دوسرا راستہ تھا فتوحات ملکی، سیاسی اقتدار کا حصول، آمرانہ قوت اور پُرقار زندگی کا، ان دونوں نظریات میں جو بُعد المشرقین تھا۔ ظاہر ہے یہ دونوں نظریات جو آپس میں متضاد اور تبائین تھے ایک ساتھ کیسے قائم رہ سکتے تھے اور ایک دوسرے کا ساتھ کس طرح دے سکتے تھے اس لئے اس وقت کے مسلمانوں میں یہ دو مسلک، دو نظریات اور دو نصب العین میں ہو گئے ایک نصب العین کے پرستار اہل دین کہلائے یہ حضرات اصحاب صفہ کے جانشین تھے اور دوسرے نصب العین کی اقتدا کرنے والے باستثنائے چند جنہوں نے نسلاً بعد نسلٍ حکومت کی مسند پر اپنے قدم جمالئے اور تاریخ میں اموی، عباسی، غزنوی، سلجوقی خانوادوں کے شاندار ناموں سے تاریخ میں یاد کئے گئے۔

دوسری صدی ہجری میں مسلک اولیں کے پیرو تابعین و تبع تابعین ہی کے نام سے موسوم ہوتے رہے کہ اس عظیم الشان دینی اصطلاح سے فزوں تر اور کوئی نام ان کے لئے نہیں ہو سکتا تھا اور یہ نفوس قدسیہ حتی الوسع سیاسی اقتدار اور فتوحات ملکی کی ہوس کاریوں سے بہت دور دور رہے۔ ان حضرات نے جلوت کے بجائے خلوت کو ترجیح دی، سیاسی ریشہ دوانیوں میں سرگرم عمل ہونے کے بجائے توکل کو اپنا رفیق بنایا جب

انہوں نے دیکھا کہ اب مسجد میں ہی خالص عبادت گاہوں کی بجائے شاہی درباروں سے تبدیل ہوتی جا رہی ہیں کہ بنوک سناں صاحب اقتدار اپنا خطبہ وہاں پڑھواتا اور اپنے گن گنواتا ہے، مسجدوں میں خون ریزی اور غارتگری کو روا رکھا جا رہا ہے اور خوف خدا حائل نہیں ہوتا تو اس صورت میں انہوں نے اپنے گھروں کے گوشوں کو اپنا معبد بنایا اور وہاں بیٹھ کر اپنے شب و روز یاد الٰہی میں بسر کرنے لگے۔ اس عہد جہانگیری و جہاں ستانی میں جن لوگوں نے گوشہ ہائے عزلت کو اپنا انیس بنایا اور خون ریزیوں اور خون آشاہوں سے بچنے کے لئے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے چونکہ ان کی یہ حالت عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان دین داروں سے مماثلت قریبہ رکھتی تھی جو "اصحاب صُفّہ" کے نام سے موسوم تھے اور "صوف پوش" رہتے تھے اس لئے اِس گروہ کو 'صوفی' اور اس مسلک کو 'تصوف' کا نام دیا گیا کہ اس سے بہتر اور کوئی نام اور ان کے مسلک کا اور کوئی عنوان نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں اس نظریہ اور مسلک کی نشو و نما ہوئی، ملکی اور سیاسی حالات جیسے جیسے بگڑتے گئے اور اموی عباسی اور سلجوقی دور میں خون انسانی کی ارزانی ہوتی گئی اسی قدر اس مسلک کو فروغ ہوتا چلا گیا۔

بنی امیہ کے دور کی خونریزیوں اور ملکی انتشار کا اگر مختصر سا جائزہ آپ لینا چاہیں تو جنگ صفین، جنگ جمل، واقعہ کربلا، واقعہ حُرّہ، مختار ثقفی کا نعرہ یعنی قاتلانِ حسینؓ سے انتقام، عبدالملک کی فتوحات میں خون مسلم کو ارزانی، سلیمان بن عبدالملک کے فاتحوں محمد بن قاسمؒ، موسیٰ بن نصیر (فاتح اندلس) اور قتیبہ بن مسلم باہلی کا عبرت ناک انجام، حجاج بن یوسف کی سخت گیری اور مخالفین کی سرکوبی اور دوسرے اموی سلاطین کے ہاتھوں مسلمانوں کے جو سر قلم ہوئے تاریخی شہادتوں کے ساتھ ان کا شمار اگر ہو سکے تو کر لیجئے۔ اس کے بعد عباسی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے ابوالعباس سفّاح، نفری اموی تاجدار ابراہیم کی خانہ ویرانی، امین، ماموں کی جنگ جہانگیری، ماموں کے اقتدار کے حصول کے لئے خون مسلم کی ارزانی، مسئلہ خلق قرآن، دیندار

مسلمانوں کی تباہی اور پریشانی، ہارون سے لے کر مستعصم باللہ تک عباسی اقتدار کی بحالی کے لئے قتل، خونریزی اور کبد ومکر کی فراوانی اور پھر ان سب پر مستزاد فتنۂ تتار (تاتار) یہ تمام خونچکاں واقعات چند صدیوں کے درمیان ظہور میں آ گئے۔

اِن حالات میں جن دلوں میں خوف الٰہی، مسلمانوں کی باتوں کا احترام، اطاعت الٰہی اور پیروی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس موجود تھا ان کے سامنے دنیا اور متاع دین کا جو نقشہ کھنچا اور اُن کی آنکھوں کے سامنے جو تصویر آئی وہ ان ارشادات ربانی کی تفسیر بنی:۔

۱:۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنیا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْر

۲:۔ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

۳:۔ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۝

جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ کرام، حضرات تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اَدوار مقدس ختم ہو چکے تھے، تبع تابعین کا دَور چل رہا تھا اور ان میں سے اکثر وبیشتر حضرات گوشہ نشین ہو چکے تھے ورنہ ان کو بھی شکوہ سلطانی کا ساتھ دینا پڑتا، یا مسئلہ خلق قرآن پر ان کا سکوت اِن کی جان لے کر چھوڑتا یا تو وہ خلافت عباسیہ کے نمائندے بن کر گوشے گوشے میں خلافت عباسیہ کی دعوت دیتے اور انکی حکمرانی کی راہ ہموار کرتے یا ان کے مقابل آنے والی قوتوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے!!

ایسے پر آشوب دَور میں ان پاکباز اور نیک بندوں نے دینی و دنیاوی فلاح اسی میں سمجھی کہ اپنے اس مسلک کے نظریات کو وسعت دیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے عامۃ الناس کو اس سیاسی تصادم سے بچا کر ایسے گوشوں تک لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کے بجائے تہذیب نفس اور قناعت موجود تھی، جہاں تفسک دماء کے عوض حیاتِ انسانی کا احترام موجود تھا، جہاں شاطرانہ چالوں اور مقصد برآری کے لئے مکر وکبد کے حربوں

کے بدلے فضائل اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی، زر و مال کے حصول کے لئے نت نئے حربوں کے استعمال کے بجائے توکل اور صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا جس طرح یہ نظریہ "تصوف" کے نام سے موسوم ہوا اسی طرح یہ مامون و محفوظ گوشے خانقاہ یا صومعہ کے نام سے موسوم ہوئے، یہاں پر دینداری، اتباع شریعت، خدا ترسی، صبر و رضا و توکل اور قناعت کا جو عہد لیا جاتا تھا وہ "بیعت" کہلاتا، یہ بیعت کوئی نئی چیز نہیں تھی خلافت راشدہ کے بعد ہی اس بیعت کا سلسلہ جاری رہا اموی یا عباسی خانوادے کا جو حکمران تخت نشین ہوتا وہ عمائد سلطنت اور عام رعایا سے اپنی اطاعت و جاں نثاری اور وفاداری کا عہد لیتا اس کو بھی بیعت کہا جاتا تھا، وہ بھی ایک بیعت تھی جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے، "تحت الشجرہ" اپنے رفیقوں اور جاں نثاروں سے لی تھی! خلافت راشدہ میں بھی خلیفۂ راشد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی بیعت لیتا رہا لیکن اب بیعت میں بھی ایک عظیم فرق آ گیا تھا پہلے بیعت ہوتی تھی دین کے لئے امویوں اور . . . عباسیوں کی بیعت ہوتی تھی دنیا کے لئے!

بستیوں سے اور دراز ان گوشوں میں بھی جو بیعت ہوتی تھی وہی تمام تر دین کے لئے ہوتی تھی، دنیا کا یہاں دخل نہیں تھا چنانچہ ان بزرگانِ دین اور ارباب تعین نے "تصوف" کی جو تعریفات کی ہیں، یہاں بھی چند تعریفات پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ ارباب تصوف کی بیعت کا مدار اور مرکزی نقطہ کیسا تھا!

سرخیل ارباب تصوف حضرت معروف کرخی ۲۰۰ھ فرماتے ہیں کہ ,, حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا "تصوف" ہے۔

حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں صرف اللہ کو پسند کیا ہے۔"

حضرت سہل بن عبداللہ تستری تصوف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

"صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی ہو اور تفکر سے پُر ہو، قربِ خدائے عزّوجل میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی نظروں میں خاک اور سونا برابر ہو۔"

حضرت ابوالحسن نوری (م ۲۷۵ھ) کا اس سلسلہ میں ارشاد ہے:۔

"صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہے اور آفتِ نفس سے صاف اور ہوا و حرص سے خالص ہو گئی ہو یہ لوگ صفِ اوّل میں خداوند تعالیٰ سے قربت حاصل کئے ہوئے ہیں، غیر اللہ سے بھاگتے ہیں یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ کسی کے مملوک، اور

"تصوف مولیٰ کی دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے۔"

حضرت سیّد الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرارِ پنہاں سے گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے۔"

"صوفی وہ ہے جس کا دل اور دنیا سے متنفر اور فرمانِ الٰہی کا مطیع و منقاد ہو اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح تسلیم و رضا، حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اندوہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا فقر اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا شوق اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق ہوں۔"

ان تصریحات اور حقائق کے پیشِ نظر یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامی تصوف عیسائی رہبانیت یا عیسائی تصوف سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کے ماخذ اور منابع غیر اسلامی یعنی ویدانت، اپنشد ایرانی فلسفۂ نو فلاطونیت ہیں! جو حقائق اور مختصراً جو چند تعریفات آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں اُن کے پیشِ نظر یہی کہنا پڑے گا کہ تصوّف ایک خالص اسلامی نظریہ ہے اس کا منبع اور ماخذ شریعت اور اس کی تعلیمات قطعی اسلامی ہیں یا اس کی تعریفات میں جو معتقدات مشترک ہیں وہ یہ ہیں:

"زہد، ایثار، قناعت، فقر، توکل، خشیت الٰہی ذکر الٰہی، محبتِ رسول اور عشق الٰہی ورع، قرآن و الم، خضوع و خشوع، اتباع شریعت و خدمت خلق صبر و شکر، بذل اموال اور ایثار"

مذکورہ معتقدات پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان میں کونسا عقیدہ ایسا ہے اور کونسی تعلیم وہ ہے جس کو غیر اسلامی کہا جاسکتا ہو یا اس کا منبع اور ماخذ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو قرار دیا جا سکتا، مماثلت ایک دوسری چیز ہے، مماثلت کو ماخذ یا منبع نہیں کہہ سکتے، جبکہ کسی غیر الہامی مذہب نے فضائل و مکارم اخلاق کی یہ تعلیم دی ہی نہیں، اسلام کے یہی وہ بنیادی اصول اور معتقدات بھی تو ہیں جن کے باعث اسلام کو اس قدر جلد کامیابی اور قبولیت حاصل ہوگئی، اگر دوسرے غیر الہامی مذاہب کے بھی اصول اور معتقدات ہوتے تو اسلام کے پاس وہ کون سی متاعِ دلربا تھی جو غیروں کے دل موہ لیتی تھی۔

شارع علیہ السلام کی مہمات مقدسہ سے خلفائے راشدین کی پاکیزہ زندگیوں تک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان مقدس ہستیوں میں یہ اخلاق فاضلہ جو بعد کو تصوف کے بنیادی اصول بن گئے، رچے بسے تھے یا نہیں!

ترکِ دنیا:- سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ آپ اپنا دنیا کے مال و متاع، دنیا کی آسائشوں اور آرائیشوں سے بالکل متمتع

نہیں ہوتے تھے ورنہ زندگی کے روز و شب فقر و تنگدستی میں کیسے گزرتے آپ کے لئے کسروی اور خسروی شان و شوکت اور شاہانہ سامان موجود تھے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ نے دنیا کو کبھی نہیں اپنایا۔

حیات طیبہ کا مشہور واقعہ ایلاء، اس پر شاہد ہے، ازواج مطہرات سے آپ نے ایک ماہ کے لئے محض اس لئے علیحدگی اختیار فرمائی تھی کہ انہوں نے اجتماعی طور پر آپ سے نان و نفقہ کی کشادگی اور آسائش، دنیاوی طلب کی تھی، اس زمانے میں آپ نے تنہائی اختیار فرمائی تھی اور صحبتِ اصحاب سے کنارہ کش ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خدمت گرامی میں باریاب ہوئے تو اس وقت آپ کھال کے گدے پر اس طرح استراحت فرما تھے کہ جسم مبارک پر کھردرے گدے کے نشانات پڑ گئے تھے اس شہنشاہ عالم کے حجرۂ اقدس میں دنیاوی اثاثہ صرف یہ گدا، ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا، تاریخ اسلام میں یہ داخلہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول موجود ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے اس حال پر تاسف فرماتے ہوئے گریہ درگلو ہو کر عرض کیا کہ حضور! قیصر و کسریٰ تو دنیا کے عیش و آرام سے متمتع ہو رہے ہیں اور شہنشاہ عالم اس طرح رنجت کش ہیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تم یہ کافی نہیں سمجھتے کہ ان کافروں کے لئے دنیا کا آرام اور ہمارے لئے آخرت کی آسائش موجود ہے، اس سلسلہ میں آپ کا یہ ارشاد گرامی (حدیث شریف) ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے:۔

کن فی الدنیا کانّک غریبٌ اَو عابرِ السبیل (مشکوٰۃ شریف)

تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم ایک مسافر ہو یا راستہ چلنے والے

دنیا کے سلسلہ میں قرآن حکیم کے احکام اس سے قبل پیش کر چکا ہوں جس میں اس کو محض لہو و لعب، ایک متاع قلیل اولاد و اموال کو فتنہ کہا گیا ہے، ارباب تصوف نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ طیبہ کو اپنے لئے ایک نمونہ بنا کر ہمیشہ فقر و فاقہ، تنگدستی

اورعسرت میں زندگی بسر کی اگرچہ متاع واموال دنیا کے ان کے سامنے ڈھیر لگے ہوئے تھے مہمانوں کے لئے دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے ہوتے تھے لیکن خود نان جویں پر گزر کرتے تھے، تاریخ تصوف اور تذکرہ ہائے اصحاب تصوف میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ بخوف طوالت رقم نہیں کر رہا ہوں۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ دنیاوی لذائذ سے اس بے تعلقی کا نام رہبانیت نہیں ہے۔ بلکہ اس ترک دنیا کا مقصد و مطلب یہ تھا کہ دنیا سے کم سے کم تعلق رکھا جائے تاکہ یاد خدا میں حائل نہ ہو۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن　　　نے قماش و نقرۂ و فرزند و زن (مولانا رومی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دنیا سے تعلق رکھتے تھے، ازواج و اولاد کے تعلقات موجود تھے لیکن وہ دنیادار یا دنیا پرست نہیں تھے وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ تھلگ تھے وہ جانتے تھے کہ :-

آئی ہے بے حیا مرا ایمان خریدنے
دنیا کھڑی ہے دولت دنیا لئے ہوئے　(حفیظ جالندھری)

خلافت راشدہ کے بعد اس دنیا نے دولت دنیا کے لئے جن فتنوں کا آغاز کیا۔ اُن کی تشریح کے لئے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں حصول دنیا کے لئے جو فتنے اٹھے ان فتنوں نے دنیا کو وہ بھیانک تصویریں ایمان پرور نگاہوں اور قلب ہائے مسلم کے سامنے پیش کی کہ ان حضرات نے سلامتی ایمان کے لئے اس سے قطع تعلق ہوں نجات سمجھی لیکن دنیا پرستوں نے اس پر رہبانیت کا لیبل لگا دیا حالانکہ یہ حقیقت نہیں تھی۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ترک دنیا اور تصوف کو.. لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا حالانکہ وہ ایک دور کی شدید ضرورت تھی! لیکن بعد کے ادوار میں بھی سلامتی دین و ایمان کے لئے اس دنیا سے قطع تعلق ہی کو بہتر سمجھا گیا، ارباب تصوف

اور اصحاب فقر نے دولت کمانے کے لئے ارباب دل کے دروازے نہیں کھٹکھٹائے بلکہ مزدوری کی، لوہاری، معماری، نجاری، کفش دوزی، زین سازی، لباس شوئی کے پیشوں کو اپنایا، اور ان پیشوں سے جو کچھ یومیہ اُجرت حاصل ہوتی، اس میں بھی پڑوسیوں، ناداروں اور مسافروں کو شریک کرلیا اور چند نعمتوں کو اپنے لئے کافی سمجھ کر دوسروں پر خرچ کردیا۔ یہ حضرات اگر چاہتے تو شاہانِ وقت ان کے قدموں پر دولت کے ڈھیر لگادیتے اور اس کے لئے بس اتنا کرنا پڑتا کہ ایک ظالم، فاسق فاجر، عیش پرست، بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے لیکن اِن خدادوست ہستیوں نے یہ گوارا نہیں کیا، تو یہ ہے تصوف کی دنیا ترک بنا کا مفہوم اور اس کی حقیقت!!

حُبِّ الٰہی:-

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت الٰہی کا جو درس اُمّت کو دیا وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت سے عبارت تھی، آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات عبادات میں مصروف رہتے، رات بھر کے قیام سے یہ عالم ہوتا کہ آپ کے پائے متورم ہو جاتے تھے چنانچہ حضرت باری اپنے محبوب کی شدت محبت و اطاعت پر ارشاد فرمایا

يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (پارہ ۲۹)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے ہادی برحق کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرتے اور ان کی زندگی کے لمحات و آنات ہی طاعت و بندگی الٰہی میں بسر ہوتے! خود باری تعالیٰ نے اُن کی طاعت و بندگی کو سراہا اور ان صالحین اور نیک بندوں کے بارے میں ارشاد فرمایا

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورہ فتح پارہ ۲۶)

تم ان کو رکوع اور سجدہ کرتے دیکھو گے، وہ اپنے رب کا فضل اور
اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور اطاعت میں ہر دم مصروف رہتے تھے اُن کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور اس بارے میں حکم الہیٰ بھی نازل ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس وقت اپنا دوست رکھے گا جبکہ تم اس کے محبوب کی اطاعت کرو گے!

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (پارہ ۳)

اے رسول! ان سے فرمادو، اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری متابعت کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔

خلفائے راشدین اور اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) آپ کی اتباع کامل میں ہر دم منہمک رہتے تھے آپ کے وصال کے بعد ہی صحابہ کرام اور تابعین حضرات کا نصب العین یہی رہا، سنت نبوی کی پیروی میں اس قدر شغف رہنا کہ ادنیٰ سی ادنیٰ سنت کو بھی ترک کرنا وہ جذبۂ محبت کی توہین سمجھتے تھے، یہی وہ حضرات تھے جن کے دینی کمالات اور اوصافِ حمیدہ کو فرقان حمید میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْحَامِدُوْنَ الْعَابِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْنَ
لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ( )

اِن حضرات کو جنت کی بشارت ان کی حیاتِ ہی میں دے دی گئی تھی اور رب نے

ہر دَور میں اور آج بھی یہ بشارت ان نیک بندوں کے لئے موجود ہے، اس ارشاد باری کے تحت صوفیائے کرام کی زندگانی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان کی انابت کا کیا عالم تھا، وہ حمد الٰہی میں کس طرح اپنے صبح و شام بسر کرتے تھے، ان کی عبادت کی کیا شان تھی کس طرح وہ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے، اُن کے رکوع وسجود کی کیا کیفیت تھی، وہ امر بالمعروف میں کس طرح بیباک اور کس قدر نڈر تھے۔ "نہی عن المنکر" میں ان کی جرأت اور دلیری کا کیا عالم تھا اور وہ حدود الٰہی کا کس قدر اہتمام اور کیا کچھ انصرام کرتے تھے۔ صحابہ کرام حضرات تابعین اور بزرگان ملت وارباب تصوف نبی اولیاء کی کتب سیرت کا مطالعہ کیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اُن کی حیات کے لمحات دانات کی کس طرح بھرپور تطبیق ہوتی ہے اور ان کی زندگیاں ان کمالات انسانی کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھیں یا نہیں جب دَور فتن آیا تو جب بھی اس پر آشوب زمانے میں عبادت الٰہی میں ان کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ

اور کچھ اس کے سوا ہوش کی روداد نہیں
تو مجھے یاد ہے کچھ اور مجھے . . . یاد نہیں (شمس بریلوی)

استغراق:- حُب الٰہی میں جب محویت و استغراق بڑھ جاتا ہے تو ایسی کیفیت اور حالت طاری ہو جاتی ہے کہ صاحب حال کو نہ اپنی خبر ہوتی ہے اور نہ خبر والوں کی خبر، حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استغراق و محویت کو نہایت ایجاز کے ساتھ اس طرح گلستان میں پیش کیا ہے۔

"نشنیدہ ای کہ سیّد عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گفت لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ ٥ و نہ گفت علی الدوام، وقتے۔ جبرئیل و میکائیل نپرداختے و دیگر وقت با حفصہ و زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ساختے"

اسی سلسلہ میں حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم استغراق میں تھے آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم کون ہو؛ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا کہ میں عائشہ ہوں، آپ نے فرمایا، عائشہ کون؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی! ارشاد ہوا کون ابوبکر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست! حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمدؐ کون! غور فرمائیے کہ یہ فرمانے والی ذات گرامی خود محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سُن کر خاموش ہوگئیں اور آپ سمجھ گئیں کہ آپ پر اس وقت کوئی خاص کیفیت طاری ہے، یہی استغراق ہے ::

یادالٰہی میں یہ استغراق آپ کے فیض صحبت سے خلفائے راشدین کو جس طرح حاصل تھا اس کے بیان کے لئے چند صفحات ناکافی ہیں کتب سیر میں یہ واقعات تفصیل سے موجود ہیں انہی حضرات کے فیض صحبت سے مستفید ہونے والے حضرات کو بھی یہ استغراق عبادت میسّر ہوا، حضرات تابعین کے بارے میں اس استغراق کے بہت سے واقعات کتب سوانح میں مرقوم ہیں ان کے بعد درجہ بدرجہ یہ وصف اِن حضرات میں بھی پیدا ہوتا رہا جو اس مسلک کو اختیار کرتے رہے جس کا نام تصوّف ہے، "تاریخ تصوّف اور تذکرۃ الاولیاء میں تفصیل ہے ایسے واقعات موجود ہیں اور آپ کے مطالعہ سے گزر چکے ہوں گے۔

فقر:- قرآن حکیم میں فقر کی واضح تعلیم اور یہ کھُلا حکم موجود ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ
وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

"یعنی اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سزاوار حمد و ستائش ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے اسی احتیاج کا نام فقر ہے، فقر انسان کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو اس میں بہت سے فضائل اخلاق مثلاً توکل، صبر اور ایثار کے اوصاف پیدا کر دیتی ہے، حرص و آز سے محفوظ رکھتا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصف پر اظہار فخر فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اَلْفَقْرُ فَخْرِی فقر میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔"

اس فقر کے معنی غربت و تنگدستی نہیں ہیں جس کے باعث انسان کو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑے بلکہ فقر سے مراد دل کا اِستِغنا ہے جس کے سامنے دولت کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ہم کو فقر کا بہترین سبق ملتا ہے، آپ کے سامنے دولت کے انبار لگے تھے، صحن مسجد میں غنائم کے ڈھیر لگے ہوتے لیکن آپ جب تک مستحقین پر اس دولت کو تقسیم نہیں فرما دیتے تھے آپ کو قرار اور تسکین حاصل نہیں ہوتی تھی، جو کچھ مال غنیمت سے حاصل ہوتا وہ ضرورت مندوں پر اسی وقت خرچ کر دیا جاتا درآں حالیکہ کاشانۂ نبوت میں بسا اوقات پیالہ بھر دودھ اور مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہ ہوتا، اکثر کئی کئی دن گزر جاتے کہ کاشانۂ نبوت میں کھانا پکانے کے لئے آگ ہی روشن نہ ہوتی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بے سر و سامانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے تھے۔

خلفائے راشدین بھی فقر کے دلدادہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فقر مشہور ہے آپ کی تنگدستی کا یہ عالم تھا عقد کے وقت اپنی زرہ فروخت کر کے ولیمہ کا سامان بہم پہنچایا، دوسرے اصحاب، تابعین، تبع تابعین میں اللہ کے برگزیدہ بندے اس متاعِ عزیز کی حفاظت کرتے رہے لیکن فقر محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اب رفتہ رفتہ مفقود ہوتا جا رہا تھا حرص و آز نے اپنے چنگل پھیلا دیئے تھے بیت المال جو صرف مسلمانوں کا تھا اب اس پر حاکم وقت کو کُل اختیار و اقتدار حاصل تھا اور وہ اس کو اپنی خواہشات کی تکمیل پر بے دریغ خرچ کرتا تھا البتہ اس وقت ہی اللہ تعالیٰ سے کچھ برگزیدہ بندے ایسے تھے جو رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو اپنائے ہوئے تھے، چونکہ فقر دنیاوی خواہشات مثلاً حرص و آز، جبر و تشدد اور تن آسانی سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے صوفیائے کرام نے اس وصف کو مسلک تصوف کا ایک ستون قرار دیا اہل اللہ اور اکابر صوفیہ نے دولت دنیا کے انبار دل کو جس طرح ہیچ سمجھا اور اپنے فقر کو اس سے ملوث نہیں کیا اس کی تفصیلات کتب سیر و سوانح میں موجود ہیں:

صبر: فقر کے وصف سے فضیلت صبر پیدا ہوتی ہے یعنی انسان کو جو کچھ مال و متاع سے میسر ہے اس کو کافی وافی سمجھے اور حرص و آز کے سیلاب پر بند باندھے رہے، راہِ حق میں اس کو جو ایذا اور تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملتا ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کے حصول کے لئے اس طرح دعا فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا ۝

اے اللہ! مجھ کو شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا بنا دے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام میں دشمنوں کی ایذا رسانی پر جس طرح صبر فرمایا اس کی تفصیل سیرت پاک کی کتابوں میں موجود ہے، صحابہ کرام نے آپ کی اتباع اور آپ کی صحبت سے بہرہ اندوز ہو کر اعلاء کلمۃ الحق" میں جو زحمتیں اٹھائیں اور شدائد کو جس خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور ایذا سے دشمن پر جس طرح صبر کیا وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں صحابہ کرام کے بعد تابعین حضرات نے اور پھر اولیاء کرام نے حق گوئی اور جابر حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں جن شدائد کا سامنا کیا اس کی توفیق ان کو صبر ہی کی بدولت ملی، یہی سبب ہے کہ صبر "تصوف" کے مسلک کا ایک اہم رکن ہے۔

اب دوسرے اوصاف یعنی فضائل اخلاق مثلاً ، ایثار، توکل، خوف و رجا حق گوئی وغیرہ پر نظر ڈالئے۔ یہ تمام اوصاف حمیدہ اور فضائل اسلام کے اخلاقی نظام میں شامل ہیں اِن فضائل اخلاق کے بغیر ضابطہ اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی، ان اوصاف حمیدہ اور فضائل اخلاق کا کامل نمونہ تو خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی جس کو قرآن حکیم نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ بیشک آپ اخلاق کی بلندیوں پر (فائز) ہیں

محمد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل کو قرار دیا ہے، حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔

بعثت لاتمم المكارم الاخلاق ۝ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

چنانچہ وہ تمام فضائل جو کمالِ انسانیت کے لئے ضروری ہیں ان کا کامل اور جامع نمونہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔

آپ کے فیضان صحبت سے یہ اخلاق حسنہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام میں بمنزلہ کمال موجود تھے، اصحاب صُفّہ تو صبر و توکل اور استقامت کا پیکر تھے انہی حضرات کے فیض صحبت سے یہ اثر ان اصحاب میں ہی دَر آیا جنہوں نے ان سے اکتساب فیض کیا تھا جس طرح روحانی کمال کے لئے صحبت الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، استغراق، مراقبہ مجلس عبادت وغیرہ کو لازم قرار دیا ہے اسی طرح۔ تکمیل بشریت و انسانیت کے لئے یہ فضائل اخلاق ضروری قرار دیئے گئے ہیں چنانچہ دَورِ تابعین و تبع تابعین میں ان کمالات انسانی اور روحانی کا نام مسلک تصوف رکھا گیا اور اس مسلک پر گامزن ہونے والے حضرات "صوفی" کے لقب سے نامزد ہوئے اس مسلک پر قدم رکھنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ مرید مجاہدات کے ذریعہ اِن فضائل گوناگوں سے اپنے آپ کو آراستہ کرے۔ مرشد کی باطنی توجہ اس کی دستگیری اور رہنمائی کے لئے موجود ہوتی تھی، مرشد اپنے مُرید اس وقت اپنی۔۔

نیابت اور قربت کا اہل نہیں گردانتا تھا جب تک وہ اِن فضائل سے آراستہ نہیں ہوجاتا تھا، یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں ان تمام فضائل اخلاق کی وضاحت کروں اور ارباب طریقت کے احوال سے ان فضائل کی تطبیق پیش کروں، میں یہاں چند ارشادات پیش کر رہا ہوں جن میں فضائل اخلاق کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان بندوں کو سراہا گیا ہے جنہوں نے فضائل اخلاق کو اپنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَوٰتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝

بے شبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خضوع وخشوع کرتے ہیں اور جو لغو باتوں پر دھیان نہیں دیتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (عفیف و پاکدامن ہیں)

ذیل کی آیات پر غور کیجئے ایک مومن کی نشانیاں کس قدر صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اس میں ہے جو اللہ پر ذات پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور خدا کی محبت میں اپنا مال، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو (مساکین کو) مسافروں کو مانگنے والوں اور غلاموں

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

کے آزاد کرانے میں خرچ کیا اور نماز ادا کی، زکوٰۃ دیتا رہا اور وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کیا اور جو مصیبت میں تکلیف اور کافروں سے لڑائی میں ثابت قدم رہا یہی وہ ہیں جو راستباز ہیں اور وہی تقویٰ والے ہیں (سورۃ)

استقامت، راست بازی، ایثار، صدقہ اور ایفائے عہد کے ساتھ ہی ساتھ نمازیں حضورِ قلب اور ارکان ایمان کی اہمیت کو باری تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمادیا تاکہ مسلمان اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔

الغرض فضائل اخلاق سے آراستہ بندوں کو باری تعالےٰ نے خوب سراہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ اہلِ ایمان کی نشانیاں ہیں اور صاحبان تقویٰ اِن اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

نظریہ تصوف میں طریقت و معرفت، اِن تمام کمالاتِ روحانی اور فضائل انسانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اب آپ اللہ اور بزرگان دین کی پاکیزہ زندگیوں کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ قرآن حکیم کے اس نظام اخلاق پر پورے اترے ہیں یا نہیں حضرت ابوذر غفاری، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت شعبان ثوری مسلک تصوف کے عماد ہیں، اِن حضرات کے بعد مسلک تصوّف کی جلوہ سامانیوں نے اطراف و اکناف حجاز، مصر و عراق و عجم اور شام کو نورِ ایمان سے منور فرمایا، انہی اوصاف اور کمالات روحانی کے باعث عوام و خواص میں اس نظریہ معرفت یا تصوف نے بہت جلد قبولیت حاصل کرلی، ارباب معرفت و تصوف نے لاکھوں بھٹکے ہوئے بندوں کو بادیہ ضلالت سے نکال کر سیدھے راستے پر لگادیا۔

دوسری صدی ہجری سے شروع ہونے والی یہ روحانی تحریک خوب پھولی پھلی اور بہت جلد لاکھوں انسان اس تحریک سے وابستہ ہوگئے اس تحریک اور اس نظریہ روحانی

سے وابستگی کوئی بچّوں کا کھیل نہیں تھا بلکہ یہ ایک بڑی کٹھن اور دشوار گزار منزل تھی لیکن یہ تحریک اور یہ نظریہ کچھ ایسی روحانی کشش رکھتا تھا کہ اس راہ کی زہرہ گداز دشواریوں کے باوصف بڑے ذوق وشوق سے اس راہ پر خطر میں ارباب عشق ومحبت اور طالبانِ مولا نے اپنے قدم رکھ دیئے تھے، مرشد کی طرف سے سخت ریاضتوں اور مجاہدوں پر مامور ہونے سے باوصف، محبت کے یہ متوالے، باغ وبہار دنیا سے نکل کر سنسان اور ویران گوشوں میں آ بیٹھتے اور پھر خلوتِ میں، ذکرِ الٰہی قیام اللیل اور صوم ہائے داؤدی کی ادائیگی اس پر مستزاد لیکن راہ الفت میں جان کی بازی لگانے والوں کو یہ سب کچھ گوارا تھا۔

دوسری، تیسری صدی ہجری میں "تصوف" صرف ایک عملی منہاج تھا، اس پر علمی موشگافیوں کے دبیز پردے ابھی تک نہیں پڑے تھے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس کی علمی حیثیت بڑھتی گئی اور آخر کار جلد ہی اس پر فاسقانہ رنگ غالب آ گیا، تصرف میں نظریہ وحدت الوجود کو جگہ مل گئی، اس نظریہ کی آمیزش سے تصوف کے مسلک کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بلند پایہ تصنیف "فتوحات مکیۃ" اور "فصوص الحکم" اسی نظریہ وحدت الوجود کی ترقی یافتہ اور جامع ترجمان ہیں لیکن شیخ اکبرؒ کو نظریہ وحدت الوجود کا بانی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ اس کے عظیم شارح اور ترجمان ہیں البتہ اس نظریہ کو علمی شکل میں جس شان سے شیخ اکبرؒ نے پیش کیا اس طرح اب تک یہ نظریہ روشناس خواص نہیں ہو سکا تھا۔

نظریہ وحدت الوجود چوتھی صدی میں موجود تھا اور حضرت شیخ الطریقت ابوسعید ابوالخیرؒ اس نظریہ کے علمبردار تھے ان کو یہ نظریہ سلسلہ بہ سلسلہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے حاصل ہوا تھا اس موضوع پر آئندہ صفحات میں مزید تفصیل پیش کروں گا!

فرد کی زندگی اور ماحول میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ماحول کے تار و پود اقتدارِ اعلیٰ کے ہاتھوں سے تیار ہوتے ہیں مثل مشہور ہے الناس علیٰ دین مُلوکِھِم، یہ دین

ملوک کیا ہے حکومت اور اقتدار کے مقتضیات، اسے احکام کی بے چون وچرا، پذیرائی اور اس اقتدار اعلیٰ کی پذیرائی، حکومت کے اشاروں پر اپنی زندگی کے رخ کو موڑ دینا ہے، تاریخ کے ہر دور میں ایسی تبدیلیاں آپ کو نظر آئیں گی، خلافت راشدہ کا صالح ماحول دیکھئے اور پھر اس کے بعد بنی اُمیہ کے دور میں شخصی سلطنت اور اس کے جبروت کی کارفرمائیاں دیکھئے۔ عباسی سلطنت میں تن آسانی اور عیش کوشی کے رنگین مرتبے آپ کے سامنے آئیں گے، فنون لطیفہ کی پرورش اور عوام میں اس کی قبولیت صدائے نا ؤ د نوش اور طاؤس و رباب کی جھنکاروں سے بغداد ہی کی نہیں بلکہ تمام قلمرو عباسیہ کی رانیں فردوس گوش جنت نگاہ کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کرینگی، بغاوتیں، شورشیں، قتل وغارتگری اس دور کے حیرت انگیز مشاغل ہیں، بزم کے ساتھ ساتھ رزم کا جائزہ لیجئے تو حصول اقتدار کی کش مکش، باپ کے ہاتھوں بیٹے کا قتل اور بیٹے کی کیل تپیدہ مظلوم وستم رسیدہ باپ کی آنکھوں میں آپکو نظر آئے گی۔ محل شاہی میں لونڈی اور غلاموں کی بہتات اور ان کے ہاتھوں میں شاہ وقت کا بازیچۂ اطفال بن جانا تاریخی حقیقتیں ہیں، نفس پروری اور عشرت کوشی کا اس سے اندازہ کر لیجئے کہ خلافت عباسیہ میں سوائے ابن الرشید کے تمام سلاطین یا امراء المسلمین کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کنیزوں کو ام ولد ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، ان کے نام تاریخ نے آج تک محفوظ رکھے ہیں۔ ان رنگینیوں اور عیش کوشیوں کے تحت جو سماج موجود میں آیا اور جس ماحول نے تشکیل پائی وہ طاؤس و رباب کی جھنکاروں سے گونج اٹھا نا و نوش کی صدائیں ہر کوچہ و برزن سے بلند ہونے لگیں امتداد زمانہ ان رنگینیوں میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عذاب الٰہی سیل تاتار بن کر نازل ہوا اور صرف بغداد ہی نہیں بلکہ اکثر ممالک اسلامیہ کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجادی اور لاکھوں مسلمانوں کے خون سے تاتاریوں کی تیغ خون آشام نے اپنی پیاس بجھائی غرضیکہ اسلامی اقدار، اسلامی اصول اور شعائر مذہبی سے بے پرواہی اور تن آسانی کی یہ تند ہوائیں دوسری صدی ہجری سے چلنا شروع ہوئیں اور معتصم بالتدنسل

تا تار کی بربادی تک اس قدر تند رَو ہوگئیں کہ ان کے سامنے عزم وتجات، جرات و شجاعت کا ٹھہرنا ہی مشکل ہوگیا۔

ایسے شکست خوردہ ماحول میں کچھ علمائے حق فریب خوردہ اور دل ہمت مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرتے رہے لیکن وہ بیدار نہیں ہوئے، صوفیائے کرامؒ نے متاع محبت وایمان کو سینے سے لگائے ہوئے ایسے پُرآشوب ماحول سے نکل جانے ہی کو غنیمت سمجھا اور شہروں اور بستیوں سے کوسوں دور ویرانوں کو انہوں نے اپنا مستقر اور مسکن و مستقر بنایا اور یہاں وہ ذکر الٰہی کی خلوتیں آباد کرتے رہے اور دنیائے اسکو رہبانیت سے تعبیر کیا۔ ان کو اس کی پرواہ نہیں تھی دنیا جو کچھ کہتی ہے کہا کرے۔

قرن سوم وچہارم ہجری کے ارباب طریقت اور اصحاب تصوف کے حلقوں میں "وحدت الوجود" کے نظریہ اور افکار کی قبولیت نے اس درجہ ترقی کی کہ صوفیائے کرام نے صرف اتصال و قرب خداوندی کو اپنا نصب العین بنالیا اور اس نصب العین کے سوا دوسرے اقدار شرعی کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی یہاں سے فقہا اور صوفیاء کے درمیان ایک نزاع شروع ہوگیا۔ اس لئے کہ اصحاب شریعت کی نظر میں، "وحدت الوجود" کا نظریہ توحید اسلام کے منافی تھا، لیکن اس دَور کے تمام صوفیا اس نظریہ کے علمبردار نہیں تھے۔ ان دونوں صدیوں میں ایک طرف تو صوفیائے کرام کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کی حرارت عشق حقیقی، اور شوریدگی درجہ کمال پہ پہنچ گئی تھی اور ان کا تصوّف کامل عیار اور پختگی کی صفت سے آراستہ تھا اور ایک طبقہ صوفیا کا ایسا تھا جو سیر و سلوک نہج گفتار اور طرز رفتار میں قرن دوم کے صوفیائے کرام سے مشابہت خاص رکھتا تھا، صوفیائے کرام کے یہ دونوں طبقے تصوف کے اصول ومبانی میں مشترک تھے لیکن باہمہ ہر گروہ کا ایک خصوصی طرز اور انداز موجود تھا، یعنی ہر گروہ کی خصوصیات کو اپنائے ہوئے تھا جس کے باعث وہ دوسرے گروہ سے ممتاز و متمیز تھا، اس طرز کی پختگی نے یہ مقام حاصل کرلیا کہ آج تک مختلف سلاسل اور طبقات صوفیہ میں یہ خصوصیت

برقرار ہے۔

اس قرن میں شیخیت، پیر و مرشد کے اقتدار اعلیٰ، کے نظریہ نے بڑا فروغ حاصل کیا، ہر گروہ کامل طور پر ایک پیر یا ایک مرشد کی رہنمائی اور سرپرستی کے تحت آگیا اس طرح مرشد یا پیر کا اپنے مریدوں پر کاملاً تسلط ہو گیا جو ان کے تمام اعمال کا نگران بن گیا۔ اور اس طرح "آداب مرشد و مرید" میں تصوف کی تعلیمات کا ایک موضوع بن گیا۔ العوارف المعارف" میں جو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور زمانہ تصنیف ہے اس کو ایک مستقل عنوان بنایا گیا ہے، محض آداب المریدین جو مشائخ کرام نے تصانیف مرتب فرمائی ہیں۔ الغرض یہ نظریہ خوب پھولا پھلا، بالکل اسی طرح جیسے فقہ اسلامی میں اجتہاد کے بعد تقلید!! اب میں قرن سوم کے مشاہیر صوفیائے کرام اور ان کی سنوات وفات کو پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین مقدمہ کے علم میں آجائے کہ قرن سوم ہجری میں کیسے کیسے ارباب صفا اور اصحاب طریقت موجود تھے۔

۱۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	سال وفات سنہ ۲۰۰ھ
۲۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۱۵ھ
۳۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۷۷ھ
۴۔ حضرت حاتم بن صفوان، اصم رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۲۷ھ
۵۔ حضرت شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۴۳ھ
۶۔ شیخ الطریقت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۴۵ھ
۷۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۵۳ھ
۸۔ حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۵۸ھ
۹۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۶۱ھ
۱۰۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ	" " سنہ ۲۷۰ھ

۱۱۔ حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ	سال وفات ۲۸۳ھ
۱۲۔ حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ	" " ۲۸۸ھ
۱۳۔ حضرت شیخ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ	" " ۲۹۵ھ
۱۴۔ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	" " ۲۹۶ھ
۱۵۔ حضرت شیخ ممشاد بنوری رحمۃ اللہ علیہ	" " ۲۹۹ھ

شیخ الطریقت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب اللمع، بھی تیسری صدی ہجری کے مشاہر صوفیہ میں سے ہیں لیکن چونکہ آپ چوتھی صدی ہجری میں درجہ کمال کو پہنچے اور آپ کی مذکورہ تصنیف بھی چوتھی صدی ہجری کی ہے اس لئے آپ کا ذکر، قرن چہارم ہجری میں کیا جائے گا۔ یہاں آپ کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ صاحب کتاب اللمع نے اخیر کتاب میں یعنی وسط قرن چہارم تک دو سو صوفیائے کرام کا ذکر کیا ہے، میں نے صرف مشاہیر اصحاب تصوّف کا ذکر کیا ہے جو قرن سوم میں گزرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنے وقت کا سرخیل ارباب تصوف، صاحب ارشاد و ہدایت گزرا ہے اور عصر حاضر کے سلاسل صوفیہ میں ان کی ذات گرامی کسی نہ کسی سلسلہ المذہب کا ایک حلقہ زریں کی شکل میں آج بھی شامل ہے ان حضرات میں بعض صاحب تصنیف بھی ہیں جیسے شیخ حارث محاسبی اور سید الطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہما، ان تصانیف کی تفصیل آئندہ سلسلہ بیان میں کہیں پیش کروں گا۔

قرنِ چہارم اور پنجم

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں "تصوف" نظری اور عملی طور سے ایک مستقل طرز بندگی اور حصولِ قربِ الٰہی کے واسطہ کی اساسی حیثیت سے نمودار ہو چکا تھا صوفیائے کرام کے سلاسل یا اخراب پیدا ہو چکے تھے، ان مختلف سلاسل کے طریقے اور لوازم سلوک ایک دوسرے سے تباین اور مختلف تھے، اس وقت تک دنیائے تصوف میں بارہ مشہور فرقے یا اخراب پیدا ہو چکے تھے[۲] ان میں سے دو گروہ مردودِ عوام و خواص تھے اور دس مقبول و محبوب !!

ہر ایک طائفہ کے سرخیل کا تعلق تیسری صدی ہجری کے ان مشاہیر ارباب طریقت سے تھا جن کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں، اِن دس طائفوں یا اخراب تصوف میں معاملات مجاہدات، مشاہدات اور ریاضت میں تو اختلاف ہے لیکن اصول میں سب متحد ہیں، اصول و فروع شرع میں باعتبار عمل اور اعتقادات طوائف متفق ہیں ان بارہ فرقوں یا اخراب میں سب سے پہلا طائفہ محاسبیہ ہے۔

۱۔ محاسبیہ:۔ یہ طائفہ شیخ الطریقت ابو عبداللہ حارث محاسبی متوفی ۲۱۲ھ سے منسوب ہے، یعنی شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اس طائفہ کے سرخیل تھے، خراسان کے اکثر و بیشتر صوفیائے کرام اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ صوفیہ عراق کے نظریات اس طائفہ سے مختلف ہیں۔

۲۔ قصّاریہ:۔ یہ دوسرا طائفہ ہے۔ اس طائفہ کے پیشوا اور سرخیل شیخ الطریقت

---

[۱]:۔ قارئین کرام میں نے اس مقدمہ میں جہاں جہاں لفظ قرن استعمال کیا ہے اس سے مراد صد ہجری ہے، اس کو عبوری صدی پہ معمول نہ کیا جائے۔

[۲]:۔ برصغیر پاک و ہند ابھی اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوا تھا۔

ابوصالح صمدون رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس طائفہ کا طریقہ اور مسلک "تصوف" میں "ملامت" کا اظہار اور اس کی نشر و اشاعت ہے، اس طائفہ کا بنیادی خیال یہ ہے کہ اس راہِ طریقت میں صوفی کے لئے حجابِ عظیم اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اس کی ذات مظہرِ عجب و نخوت بن جائے اور خلق میں مقبول نہو جائے یعنی خلقِ خدا اس کی رفتار و گفتار کو پسند کرنے لگے اور لوگ اس کو تعریف کرنے لگیں، یہ طائفہ ملامتیہ کے لقب سے مشہور رہے سلسلہ ملامتیہ کا مشہور ترین طبقہ، قلندریہ ہے۔

۳۔ تیسرا طائفہ طیفوریہ ہے :۔ یہ شیخ الطریقت بایزید بسطامیؒ (بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی) اس کے سرخیل ہیں، اس طائفہ کا طریقہ، غلبہ و سُکر ہے، واضح ہو کہ "غلبہ حق اور سُکر درستی" جنس کتب سے نہیں ہیں کہ انسان جب چاہے اس کو اپنا لے!!

حضرت بایزید بسطامیؒ کا مسلک "سُکر" سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے طریق "صحو" کے بالکل برعکس اور مخالف ہے، حضرت جنیدؒ اور ان کے متبعین کی نظر میں، سکر محلِ آفت ہے، سُکر میں تشویشِ احوال ناگذیر ہے، صحتِ جسمانی کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے اور صاحبِ سُکر، اپنی خودی اور وجود کے سررشتہ کو ہی گم کرتا ہے صاحبانِ سُکر کے شطحیات مشہور ہیں جن کے الفاظ ظاہری شرعًا قابلِ مواخذہ ہیں :۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے اقوال از قسمِ شطحیات مشہور و معروف ہیں۔ شیخ منصور حلاج بھی صاحبِ سُکر تھے۔

۴۔ چوتھا طائفہ، جنیدیہ ہے اس کے سرگروہ اور رئیس طائفہ شیخ الطریقت سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد نہاوندی، بغدادی ہیں۔ اس طائفہ کی اساس طریقت، مراقبۂ باطن، تزکیۂ قلب، تزکیۂ نفس، فضائلِ اخلاق کو اپنانا اور ہر موقع پر طریقت و شریعت کے مابین تطابق و توافق پیدا کرنا ہے، اس طائفہ کے مسلک کا بنیادی اصول "صحو" "معہ سُکر" ہے۔

۵۔ پانچواں طائفہ "نوریہ" ہے، اس کے سرخیل شیخ الطریقت ابوالحسن احمد بن محمد النوری ہیں (م ۲۹۵ھ) ہیں آپ کے مسلک میں عزلت اور خلق خدا سے کنارہ گیری پسندیدہ خصلت نہیں ہے آپ نے اس کی مذمت کی ہے آپ نے اور آپ کے متبعین نے معاشرت اور صحبت ابنائے جنس کو اپنایا ہے اور اس کو پسندیدہ خصلت شمار کیا ہے، آپ کے مسلک میں "ایثار" کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ شیخ نوریؒ "شیخ اقام" اور شیخ حمزہؒ کے سلسلہ میں کتب تصوف اور کتب تاریخ میں ایثار کا ایک عجیب وغریب واقعہ موجود ہے جس نے خلیفہ یا شاہ وقت کو اب لوگوں کے قتل سے باز رکھا (تفصیل کے لئے دیکھئے کشف المحجوب)

۶۔ چھٹا طائفہ یا حزب صوفیہ "سُہَیلیۃ" ہے یہ طائفہ شیخ الطریقت سہیل بن عبداللہ تستری (م ۲۸۳ھ) سے منسوب ہے۔ شیخ طریقت سہیل بن عبداللہ تستریؒ کا طریقہ، اجتہاد مجاہداتِ نفس اور ریاضت سے یعنی اس گروہ کے افراد مجاہدہ اور ریاضت نفس اور نفس کے خلاف عمل کو سالک کی راہ نجات اور غایت مطلوب تک رسائی کا ذریعہ اور موجب سمجھتے ہیں یہ حضرات ریاضت، مجاہدہ اور خلافت نفس کو ایک سالک کے تمام وظائف اور اعمال پر مقدم سمجھتے ہیں۔

۷۔ ساتواں طائفہ "حکیمیۃ" ہے یعنی پیرواں ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ[۱] حکیم ترمذی تیسری صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ میں سے ہیں آپ کے مسلک کی بنیاد "نظریہ ولایت" ہے آپ نے ولایت کو طریقت کی بنیاد گردانا ہے اور دیگر تمام صوفیائے کرام نے ولائیت کو تصوف کی اساس جانا ہے اور آپ نے اس کو "حقیقت طریقت" سمجھا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ:-

"مراحل سلوک کا، کسی دل کی رہنمائی کے بغیر قطع کرنا کسی طرح ہی مفید نہیں ہو سکتا"

---

[۱]: صاحب سنن ترمذی ایک دوسری شخصیت ہے، لفظ ترمذی سے بعض حضرات صاحب سنن ترمذی سمجھنے لگتے ہیں، اس لئے یہ وضاحت کی گئی ہے۔

۸: آٹھواں طائفہ خرازیہ ہے یہ طبقہ شیخ الطریقت ابوسعید خراز دم ۲۸۹ھ) کا ہے، شیخ ابوسعید خراز ہی تیسری صدی ہجری کے شاہراداب تصوّف سے ہیں، آپ کے مسلک کی اساس "فنا و بقا" ہے، یہ موضوع مسائل تصوف یا موضوعات طریقت ہیں سب سے زیادہ اہم اور رقیق ترین موضوع ہے، یہ گروہ اپنے نظریہ کی صداقت کا استدلال اس ارشاد ربّانی سے کرتا ہے۔

کُلّ من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

اور

ما عندکم ینفد وما عِند اللہ باق

مسلک خرازیہ کے نظریہ کی اساس یہی ارشادات باری تعالیٰ ہیں "فنا و بقا" کے نظریہ کی توضیحات و توجیہات میں آپ کے متبعین نے عجیب و غریب نکتہ آفرینیاں کی ہیں، اس طائفہ کے تمام متبعین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "بندے کے تمام اوصاف فنا ہو جانا چاہیئے تاکہ بقائے تام حاصل ہو سکے۔

۹۔ نواں طبقہ یا طائفہ "خفیفیہ" کا ہے جس کے سرخیل شیخ الطریقت عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین ہیں ان کے مسلک اور نظریہ تصوف کی اساس "غیبت و حضور" ہے، حضور سے مراد دلالت یقین پر "حضوری قلب" ہے تاکہ حکم غیبی حکم عتینی بن جائے اور غیبت (بفتح اوّل) سے مراد حق تعالیٰ کے سوائے، تمام موجودات سے دل کی غَیبت ہے یہاں تک کہ سالک کو اپنی ذات سے ہی غیبت حاصل ہو جائے، اس کی علامت رسومات سے اعراض ہے۔ حضرات مشائخ میں سے بعض حضرات نے "غیبت" پر "حضور" کو مقدم رکھا ہے اور بعض نے اس کے برعکس، "غیبت و حضور" اور "سکر و صحو" میں فرق ہے۔ "سکر و صحو" میں دونوں اوصاف کی نہیں پائی جاتی ہے اور "غیبت و حضور" میں تمام اوصاف فنا ہو جاتے ہیں پس یہ مرتبہ "سکر و صحو" سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۱۰۔ دسواں طائفہ "سیاریہ" ہے اس طائفہ کو شیخ الطریقت شیخ ابوالعباس سیاری سے نسبت ہے، صاحب کشف المحجوب ان کو پیشوائے "مرو" بتاتے ہیں، آپ صاحب کشف المحجوب کے معاصرین میں سے ہیں، طائفہ سیاریہ کے مسلک طریقت کی بنیاد "جمع و تفرقہ" ہے، جمع و تفرقہ کے معنی عرفا کی نظر میں یہ ہیں کہ جو کچھ سالک کی ذات سے منسوب ہے وہ "تفرقہ" ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ کے مواہب و عطایا سے ہے وہ "جمع" ہے۔ بندے کے مکاسب اس کے وظائف زندگی پر قیام کے جو نتائج ہیں یہ سب کے سب "تفرقہ" ہیں، مواہب الٰہیہ اس کے الطاف و احسان اور فضل خداوندی ہے، یہ سب "جمع" ہے۔

مندرجہ بالا ان طوائف یا فرقوں کو عوام و خواص میں قبولیت اور پسندیدگی حاصل ہے اور جو دو فرقے مطرود و مردود ہیں وہ حلولیہ اور دینوریہ ہیں یہ دونوں فرقے حصول یا امتزاج اور نسخ ارواح کے قائل تھے، ان کو عوام و خواص میں کبھی بھی قبول حاصل نہیں ہوا جس طرح ارباب شرع نے ان کو رد کیا اسی طرح اصحاب طریقت نے بھی ان کو مردود گردانا۔ یہ دونوں فرقے "فرق ضالہ" میں شمار کئے گئے اور اب دنیا سے مٹ چکے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری تک صوفیائے کرام کے یہ مشہور و معروف طوائف تھے جن کا میں نے آپ سے تعارف کرایا، اس قرن سے پہلے طریقت سے مراد تھی اخلاقیات و تہذیب اخلاق، اور قوائے روحانی کی پرورش، اور خواہشات طبعی پر بھرپور قدرت کا حصول، باطن کا تصفیہ، زاہدانہ زندگی اور طلب تصرف میں دنیاوی علائق سے اعراض، یہ صورت حال قرن سوم تک برقرار رہی، اس قرن تک نظریہ تصوف میں انفرادیت ... کارفرما تھی۔

قرن چہارم اور اس کے بعد آنے والے قرنوں میں طریقت میں یہ انفرادی شان باقی نہیں رہی بلکہ وہ طوائف، احزاب یا مختلف گروہوں کی شکل میں نظر آنے لگی، زاہدانہ زندگی اوصاف سے متصف فرد کی شخصیت کو مرشد یا شیخ کی حیثیت سے تسلیم کرنا تو کوئی نئی

بات نہیں تھی یہ سلسلہ طریقت میں اس نظریہ کے قیام سے منسلک چلا آرہا تھا لیکن ایک شیخ کے بہت سے مریدین کا ایک مخصوص جماعت یا طائفہ سے خود کو منسوب کرلینا تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ یہ پیردان طریقت مختلف قوموں یا فرقوں میں بٹ گئے اور مسلک طریقت کے متبعین نے اپنے اپنے مخصوص گروہ اور جماعت کے لئے مختلف نظام تربیت دیئے مختلف نظریات قرب الہیٰ کے حصول اور تزکیہ باطن کے لئے قائم کئے جیساکہ آپ ۱۰ طوائف کے تعارف میں مخصوص نظریہ کی پیروی اور ایک خاص حال ومقام کو اپنانے کے سلسلہ میں مطالعہ کرچکے ہیں کہ ایک طائفہ نے فنا و بقا کو نصب العین ٹھہرایا، ایک دوسرے طائفہ نے جمع و تفریق کو اپنے مسلک کا محور بنایا ایک جماعت نے، غیبت وحضور، کو اپنا کر منزل قرب کا راستہ طے کرنا شروع کیا!

جب طریقت کے نظریہ پر معاشرت کا رنگ چڑھا لیتی ایک صاحب باطن اور خدا رسیدہ شخصیت نے اپنے زہد و اتقاء مجاہدہ اور نفس کشی سے لوگوں سے دور رہتے ہوئے بھی شہرت کی بلندیوں کو چھولیا تو وہ ایک شیخ طریقت اور مرشد بنکر انفرادیت سے اجماعیت کے دائرے میں داخل ہوگیا اس وقت مرشد کی اطاعت وفرماں برداری بھی آداب طریقت کا ایک جزو لانیفک بن گئی، مرشد اور شیخ کے حقوق کی رعائیت حد سے زیادہ کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ جب ایک فرد طریقت کے راستہ پر قدم رکھ کر ایک مرید کی حیثیت سے ایک شیخ سے بعیت کرلیتا تھا تو اس کے معنی یہ تھے کہ اس نے کامل طور پر خود کو مرشد کی سپردگی میں دیدیا! پھر وہ ریاضت ومجاہدہ، عزلت نشینی یا بادیہ پیمائی پر مامور کیا جاتا ہر طائفہ طریقت میں مریدین کا یہ نظام بھی جداگانہ نوعیت کا تھا، ان میں بھی یکسانیت نہیں تھی ہر طائفہ اور ہر گروہ کا نظام مریدین جداگانہ تھا جس طرح اس عملی زندگی میں طوائف مرتبہ میں تنوع اور رنگارنگی تھی۔ اسی طرح مسائل نظری میں بھی ان فرقوں کے مابین یکرنگی مفقود ہوگئی۔ جیساکہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں ہر فرقہ یا شیخ کے مریدین و متبعین کے لئے طریقت کے احوال گوناگوں اور

مقامات بوقلموں سے ایک مقام یا ایک حال کو پیر طریقت نے سلوک کا محور یا اساس قرار دیدیا۔

کسی شیخ نے توکل کو اپنی طریقت کی اساس قرار دیا، کسی نے مقام، رضا، کو نصب العین قرار دیا، کسی نے نظریہ دلایت، کو سلوک کا مبنیٰ ٹھہرایا اور کسی نے "ایثار" کو اس راہ میں اپنا مطمع بنایا اور اس شیخ کے متبعین و مریدین یہ کہہ کر اس پر پورے انہماک سے کاربند ہو گئے کہ:

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر بنود ز راہ و رسم منزل ہا

دنیا سے تصوف میں چوتھی صدی ہجری مختلف طوائف سریہ کے خصوصی نظریات پر اجمالا لکھا جا چکا ہے اور ہر ایک فرقہ کی انفرادی خصوصیت کو ہی نمایاں کر دیا گیا ہے اب آپ کی توجہ ایک ایسی قدر مشترک کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو تصوف کے تمامی طوائف میں پائی جاتی ہے اور اس میں انفرادیت کا رنگ نہیں ہے بلکہ ہر طائفہ تصوف نے اس کو اپنایا ہے اور آج بھی کہ "مسلک تصوف" پر بارہ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں وہ اسی طرح اپنے ابتدائی رنگ اور نہج کے ساتھ موجود ہے، یہ ہے "سند شجرہ

کرسی نامہ:- یا کرسی نامہ، ہر طائفہ اپنے سلسلہ کے مشائخ مرشدین کو چند واسطوں کے ایصال کے ساتھ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے، امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ واسطے کرسی نامہ یا شجرہ میں بڑھتے گئے ہیں اور اب تو بیسیوں اسمائے گرامی بطور وسائط کرسی نامہ میں مشترک ہوتے ہیں، پہلے صرف چند نام ہی ہوتے تھے اور شیخ کا سلسلہ نسبت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا تھا۔

سند یا کرسی نامہ کا طریقہ اس طریقے سے بالکل مشابہ ہے کہ علمائے حدیث، حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے اپنے رواۃ کا سلسلہ سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ جس میں کذب کا شائبہ نہیں ہوتا، صوفیائے برصغیر اور ایران کے اکثر و بیشتر سلاسل کا منتہی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ کی ذات گرامی ہے، بعض سلاسل امیر المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں، برصغیر ہند و پاک کا نقشبندی سلسلہ آپ ہی کی ذات گرامی

پر ختم ہوتا ہے، ان سلاسل کی درمیانی کڑیوں کے باور کرنے میں کوئی استحالہ بائیس و پنج کی گنجائش نہیں ہے! متعدد سلاسل کے یہ تمام واسطے ایک تاریخی حقیقت ہیں البتہ کسی واسطہ سے تقدم یا تاغر کا احتمال ممکن ہے۔ ان سلاسل کی اسناد کا بہ صدق ہدایت اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ طریقت کی تعلیم کسی زمانہ میں بھی غیر اسلامی نہیں رہی ہے اور ہر سلسلہ کے واسطے ایسی بلند پایہ شخصیتیں ہیں جو شریعت میں بھی بلند مقام کی حامل رہی ہیں ؛

تصوّف قرن پنجم میں

جس طرح قرون سابقہ سیاسی اور عمرانی ہرج و مرج کی داستانیں اپنے روز و شب کے دامن میں سمیٹے ہوتے ہیں ان فرقوں میں ہونے والی جنگوں، قتل و جدال غارتگری کی قوتیں داستانیں تاریخ کے صفحات پر آج بھی درج ہیں، اس طرح قرن پنجم بھی سکون و امن ماحول کا پیام لے کر نہیں آئی بلکہ خلافت عباسیہ کے حکمرانوں کی فتنہ سامانیوں سے ہر روز ایک نئی تباہی کا عوام کو سامنا کرنا پڑتا۔ بغداد کبھی امن و امان کا گہوارہ، علم و فضل کا مرکز، شان و شکوہ کا مرقع تھا اب تباہیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا استقلال و استحکام سلطنت نام کی کوئی چیز اب باقی نہیں تھی، عباسیوں کا عروج یکصد سالہ تیسری صدی ہجری ہوں دم توڑ چکا تھا، خلافت عباسیہ یا ملوکت عباسیہ کا آغاز ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں ہوا اور اس کے خاتمے کا سال ۶۵۶ھ ہے، سلطنت عباسیہ کا دور عروج ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک ممتد ہے یعنی سفاح کی تخت نشینی سے واثق باللہ ابن معتصم باللہ تک، عباسی حکومت کا یہ زوال کچھ غیر متوقع نہیں تھا، ہارون الرشید کے بعد ابن مامون کے مابین تخت سلطنت کے حصول کے لئے خونریز جنگ، امین کی شکست! اس جنگ میں ہزاروں بندگان خدا کا خون بہہ گیا۔ فتنہ خلق قرآن اور مسلمانوں کی بے بسی امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ پر جبر و تشدد اور زوال بر بعکہ نے اس عروج سلطنت عباسیہ کو

زوال آشنا بنا دیا اور اسی صدی میں حصول تخت تاج کے لئے باپ کا بیدریغ قتل یعنی منتصر بالله نے اپنے باپ المتوکل بالله کو قتل کر کے تخت سلطنت حاصل کر لیا، ترکوں کا حکومت پر اقتدار اور عباسی بادشاہ کا ان کے اشارہ چشم و ابرو پر عمل کرنا مہتدی بالله کے دور کی شورشیں جن میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ گیا، فرنگیوں کی بصرہ پر یلغار اور مسلمانوں کی تباہی، باطنیوں اور قرامطہ کا زور پکڑنا، اہل سنت وجماعت پر ظلم کی فراوانی، ابو طاہر قرامطی کے ہاتھوں مکہ معظمہ میں حجاج کرام کا بیدریغ قتل ۳۲۳ھ میں دیالمہ کا عروج، ترکوں کے اقتدار کا زوال، شیعہ سنیوں میں خونریز فساد، معز الدولہ کی پشت پناہی اور شاہیر اہلسنت کا قتل عام!

۳۵۶ھ میں تمام دمشق پر قرامطہ کا قبضہ ہزاروں سنیوں کا تہ تیغ ہونا.. اقلیم مغرب، مصر اور عراق کا شیعوں کے قبضے میں چلا جانا ۳۹۸ھ میں پھر بغداد میں شیعہ سنی فساد اور عظیم خونریزی! ایران کا عباسیہ حکومت کے قبضے سے نکل جانا اور سلجوقیوں کا اکثر صوبہ ہائے فارس پر قبضہ جس کے نتیجے میں ہزاروں سپاہیوں کا خون بہہ گیا۔

یہ تھے تیسری اور چوتھی صدی کے شہر آشوب کا ایک اجمالی خاکہ، ۴۱۲ھ میں قائم بامر الله تخت نشین ہوا اور دشمنوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے میں ہزاروں مسلمان کام آگئے ۴۵۱ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود بن سبکتگیں اور والی خراسان کے مابین عظیم جنگ کا برپا ہونا۔ سلطان ابراہیم کو کامیابی اس جنگ میں بھی ہزاروں سپاہی تہ تیغ ہوئے۔

طغرل بک سلجوقی کے انتقال کے بعد اس کا برادر زادہ الپ ارسلان والی خراسان، اس کا جانشین ہوا، الپ ارسلان کے دور میں شیعوں کی چیرہ دستیاں کمزور پڑ گئیں ۴۶۰ھ میں اس نیک و عادل اور رعیت پرور سلطان الپ ارسلان کا انتقال ہوا اور اس کا فرزند ملک شاہ سلجوقی سربرآرائے سلطنت ہوا۔ نظام الملک بدستور وزارت عظمیٰ پر فائز رہے۔ باغیوں کا زور بالکل نہیں ٹوٹا تھا اور ملک میں جگہ جگہ شورشیں برپا کرتے رہتے تھے اور تفرقہ کاران ہی کے ہاتھوں ہی نظام الملک طوسی کا قتل واقع ہوا اور ملک میں عظیم پیمانے پر فتنہ و فساد اور قتل

وغارتگری کا دَور دورہ شروع ہوگیا۔ ۴۹۲ھ میں باطنیوں نے عراق میں ہر قوت پکڑی اور وہاں اُن کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک ممالک اسلامیہ میں جو خلفشار، بد امنی اور قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوا، اس کو بیان کرنے کے لئے سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہے، میں نے تو ان فتنہ سامانیوں کے صرف عنوانات پیش کئے ہیں اور وہ بھی بہت ہی اختصار کے ساتھ، مستند تاریخوں کے اوراق ان خونیں واقعات کی تفصیلات کے ساتھ ہیں ان دو شہر آشوب صدیوں میں خلق خدا کے دلوں سے سکون رخصت ہوچکا تھا، جان و مال اور عزت وناموس، ایک آن کے لئے بھی محفوظ نہ تھے، دنیا دولت دنیا کے حصول کے لئے بیدریغ خون بہارہی تھی، مسلمانوں کا خون پانی کی طرح ارزاں تھا۔ اس خونریزی اور ابتلائے عظیم میں صرف صوفیائے کرام کے قلوب ایسے تھے جن کو سکون اور طمانیت میسّر تھی، دنیا دولت دنیا کے لئے خون بہارہی تھی لیکن یہ حضرات اس پر آشوب دنیا اور دنیا پرستوں سے دور اور بہت دور ویران گوشوں میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے، اس وقت جبکہ ملکی سیاست کے شاطر جوع الارض سے مجبور ہوکر نت نئی چالیں چل رہے تھے، یہ اللہ والے گوشہ ہائے قناعت میں مراقب اور ذکر الٰہی میں اپنے روز و شب گزار رہے تھے، ان کو ان فتنہ سامانیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ حضرات متاع محبت الٰہی کو اپنے سینوں سے لگائے طریقت اور معرفت کی راہ پر گامزن تھے، ان حضرات کی خانقاہیں اور گوشہ ہائے عزلت شکستہ خاطر اور افسردہ دل مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش وا کئے ہوئے تھے جو یہاں آتا وہ ان کے دامن کرم میں آکر آرام وسکون کی سانس لیتا ہے وہ اسباب تھے جن کے باعث ان دو صدیوں میں تصوّف نے ترقی کی اور طریقت ومعرفت کے متنوعہ نظریات ہمارے سامنے آئے، میں تیسری اور چوتھی صدی کے نظریات معرفت، طریقت کو نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرچکا ہوں، اب پانچویں صدی ہجری میں۔ تصوف کے ارتقائی مراحل اور ترقی پذیر نظریات کو

ملاحظہ کیجئے۔

قرن پنجم :۔ قرن پنجم کے صوفیائے کرام کے سلاسل اور ان کے مختلف طوائف، اپنے اپنے مخصوص نظریات، احوال و مقامات اور طریق مجاہدہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان تمام طوائف اور احزاب کو کسی ایک حکم کلی کے تحت نہیں لایا جاسکتا ہے جب اس قرن کے صوفیائے کرام کے اقوال و آثار کا گہری نظر سے جائزہ لیا جاتا ہے اور ایک جماعت کے نظریات کا دوسرے گروہ کے نظریات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر طائفہ کے اپنے مخصوص نظریات ہیں اور ایک خاص طرز مجاہدہ ہے ؛ اور ایک مخصوص روحانی تعلیم ہے یہاں تک کہ بعض طبقات کے مابین افکار و خیالات میں بعد المشرقین ہے مثلاً شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شطحیات کے اعتبار سے نہیں بلکہ شوریدگی حال اور مستی کی بدولت اس وقت کے طوائف صوفیہ سے بالکل الگ تھلگ ہیں وہ دنیا سے کنارہ گیری عزلت نشینی اور استغراق عبادت میں کوئی دوسرا گروہ ان کا مماثل اور ہمسر نہیں ہے۔

شیخ الطریقت حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ قرن پنجم میں وحدت الوجودی نظریہ کے عظیم مبلغ ہیں وہ ایک عارف سرمست ضرور ہیں لیکن اہل دنیا کی صحبت سے نفور نہیں ہیں بلکہ وہ صحبت پسند ہستیوں میں ممتاز ہیں۔ سماع و شوریدگی و حال و وجد کے دلدادہ ہیں اسی صدی کے ایک اور بزرگ باباطاہر عریاںؒ ہیں وہ سراپا ایک عاشق سوختہ سامان ہیں انہوں نے اپنے شور باطن کو اپنے سراپا سوز رباعیات کے ذریعہ ظاہر کیا ہے، انہوں نے اپنی رباعیات میں تصوف کی اصل دولت، عشق و محبت کو لطیف ترین اور حقیقی پیرایۂ بیان میں ادا کیا ہے انہوں نے اپنی رباعیات کے دلوں میں آتش شوق کو شعلہ بار بنادیا ہے

قرن پنجم کے ایک اور بزرگ شیخ الطریقت شیخ احمد غزالی دبرادر حجۃ الاسلام محمد غزالیؒ ہیں، آپ کی کتاب، سوانح، آپ کے شوریدگی حال اور اس کی ترجمان ہے، آپ باباطاہر عریاں کی طرح شوریدگی و مستی میں محبت سے نفور نہیں ہیں۔

شیخ الطریقت حضرت ابوالقاسم قیشریؒ صاحب رسالہ القشیریہ کا تعلق بھی اس قرن سے ہے آپ ایک اعتدال پسند پیر طریقت ہیں حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور حضرت باباطاہر عریاں جیسی شوریدگی اور مستی آپ کے اندر نہیں ہے، آپ نے اس راہ میں اعتدال کے راستہ کو اپنایا ہے۔" رسالہ قشیریہ" میں آپ کے اقوال باطنی تعلیم کے سلسلہ میں آپ کے اس اعتدال سے شاہد ہیں۔

شیخ الطریقت حضرت علی بن عثمان الہجویری الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف "داتا گنج بخش لاہوری" ہیں جن کا تعلق قرن پنجم سے ہے مسلک تصوّف میں ایک اعتدال پسند بزرگ ہیں، شوریدگی و مستی سے آپ احتراز رکھتے تھے، صوفیہ کرام میں آپ ایک بلند مقام رکھتے ہیں، آپ کی مشہور زمانہ کتاب "کشف المحجوب" تربیت نفس اور اصولِ طریقت میں ایک شیخ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ۔ آپ کی ذاتِ گرامی تشرح اہل ظاہر صوفیؒ کی ہے ہر چند کہ ابتدائے حال میں شوریدگی کے باعث برسوں آپ ویرانوں میں پھرتے رہے اس کے بعد مزاج میں اعتدال پیدا ہوا، آپ علوم شریعت کے ایک بحر ناپیدا کنار تھے، آپ کی تعلیمات پر فقیہانہ رنگ کا غلبہ ہے شوریدگی سے آپ کے افکار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ "احیائے العلوم" اور کیمیائے سعادت" میں آپ ایک صوفی سے زیادہ ایک مصلح اور ایک معلم اخلاق کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، آپ نے تصوّف کو تہذیب اخلاق اور اتباع سنّتِ احمد مختار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مرقع بنا کر پیش کیا ہے۔

شیخ الاسلام احمد نامقی جامی المعروف بہ "زندہ پیل" بھی آواخر قرن پنجم کی ایک بزرگ ہستی اور شیخ الطائفہ ہیں، ان کے یہاں طریقت سے مراد، گنہگاروں کو گناہوں سے تائب کرانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر استقرار و قیام یعنی محاسبہ ہے اسی طرح اس قرن پنجم میں اور ایسے متعدد اصحاب طریقت ہیں جن کے یہاں یہ نظری اختلاف

یا انفرادی خصوصیت موجود ہے جب آپ ان حضرات کی مکمل سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے، یہ فرق آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گا۔[۱]

اس قرن پنجم میں ارباب طریقت اپنی ذات اور اپنے نظریات تصوف نیز اپنے مریدین کو ان مجادلات و مناظرات اور مذہبی تعصب سے بالکل دور رکھا۔ اس صدی میں اصحاب ظاہر کا ایک شیوۂ رفتہ بن گئے تھے البتہ انہوں نے یہ کوشش ضرور کی کہ وہ مسلک تصوّف کو جس پر بعض ماخذین نے غیر مذہبی نظریات کا حامل ہونے کی تہمت لگائی ہے، اس تہمت سے بری اور پاک ثابت کریں اور تصوف کو مذہبی رجحانات و نظریات سے قریب ترین نظریہ کی صورت میں پیش کریں جیسا کہ اصل میں وہ ہے چنانچہ اس قرن کے اصحابِ قلم صوفیہ نے ایسی کتب کی تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی جس میں ہر ایک عرفانی موضوع یا اصل طریقت کو محض قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسناد سے شریعت کے عین مطابقت ثابت کیا اس طرح ان حضرات نے بعض ماخذین تصوف کے اس اعتراض کو باطل کر دیا۔ کہ تصوف کا مبنیٰ اور ماخذ حکمت اشراق فلسفہ نو افلاطون اور "بدانت ہے" اور میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کی یہ ساعی بڑی برمحل اور بروقت تھیں ورنہ آئندہ قرنوں میں تصوّف پر ایسے اعتراضات کا ایک دفتر مرتب ہو جاتا، اور ابن جوزی کہ "تلبیس ابلیس" نامی جیسی نامعلوم کتنی تنقیدیں اس مسلک پر کی جاتیں اور اس کو غیر اسلامی ثابت کرنے کی کوششیں جاری رہتیں۔

اس قرن میں تصوف کے اُصولی مسائل یا نظریات میں کوئی ابداع یا طرح نو کارفرما نظر نہیں آتی لیکن تنوّع ضرور پیدا ہوا اور مسائل عرفان و طریقت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا

---

[۱]: ملاحظہ کیجئے، حلیۃ الاولیاء از محدث و صوفی ابونعیم اصفہانی بجار جلد، رسالہ قشیریہ از شیخ ابو القاسم قشیریؒ، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخشؒ، حالات و سخنان شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، اسرار التوحید سوانح حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، و نبات الاحیان از فلکان، اخبار الاخیار از حضرت محدثؒ دہلوی نفحات الانس از حضرت جامیؒ۔

چکا ہے۔ بڑی پختگی پیدا ہو گئی اور ایسی پختگی اور استحکام کہ انقلابات زمانہ اس کو اپنے نصب العین سے سر مو ہی نہ ہٹا سکے اور قرونِ مابعد میں بزرگان طریقت کے روحانی اعمال و اشغال نے اس میں مزید استحکام پیدا کر دیا۔

قرن پنجم میں تصوف کے موضوع پر ایک نکتہ اور قابل تفریح و تشریح ہے کہ اس قرن میں نظریہ تصوف، نے شعر میں نفوذ پیدا کر لیا، قرن پنجم کو شاعری پر نظر ڈالیے یہ نفوذ آپ کو بھرپور طریقے پر کار فرما نظر آئے گا اور یہ اثر اتنا بڑھا کہ قرونِ مابعد میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شاعر ہو گا جس کی شاعری، مضامین عرفان و معرفت سے خالی ہو یہ نفوذ کسی ایک زبان کی شاعری سے مختص نہیں ہے بلکہ عربی و فارسی، ترکی یہاں تک کہ اُردو زبان میں ہی اس کے بہترین نمونے موجود ہیں ہر چند کو اُردو شاعری گیارہویں صدی ہجری کی پیداوار ہے اور اس کا تعلق صرف برصغیر پاک و ہند سے ہے۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی صدیوں میں جبکہ تصوف شاعری میں نفوذ کر چکا تھا، فارسی شعراء میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا کہ انھوں نے قرن چہارم کی مصطلحات بلکہ صوفیانہ زبان کو بعینہ اپنی شاعری میں جگہ دی لیکن یہ فرق ضرور پیدا ہوا کہ اب یہ الفاظ اور مصطلحات جو محض مجازی تمثیل اور استعارات و کنایات کے دوسرے پہلو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے تھے، اس منزل پہ پہنچ گئے کہ ایسے اشعار کا سمجھنا عوام کے فہم سے خارج چیز بن کر رہ گیا، ان اشعار کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک تصوف کے احوال و مقامات سے آگاہی نہ ہو

وحدت الوجود کے مسائل اور مصطلحات نے ہی عربی اور فارسی میں اسقدر نفوذ کیا کہ ان دونوں زبانوں کی شاعری میں اس کے اثرات نمایاں نظر آنے لگے، اردو شاعری

میں بھی ان مضامین کو اور مصطلحات کو فارسی شاعری کی تقلید میں جگہ مل گئی۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ایک نکتہ کی طرف بحث کی توجہ اور مبذول کراؤں گا کہ قرن پنجم کے صوفیائے کرام، بحیثیت مجموعی ہفتاد و دو ملت کے تنازعات و مجادلات سے بالکل الگ تھلگ رہے، وہ صرف اپنے نظریات کی تکمیل یعنی حب الٰہی، ذکر الٰہی اور خدمت خلق ہی میں مصروف رہے اسی وجہ سے وہ سلاطین زمانہ، امراء و اعیان اور عوام و خواص کی نظر میں مورد احترام اور مستحق ستائش سمجھے جاتے رہے! سلاطین زمانہ ان کا احترام اس طرح بجالاتے کہ امراء و اعیانِ سلطنت حیران رہ جاتے، کتب تاریخ تصوف اور تاریخ ملوکیت و سیاست میں متعدد ایسی حکایات اور احترام کے واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی پاکیزہ زندگی سلاطین زمانہ اور امرائے عظام کی نظر میں کس قدر مورد احترام و اکرام رہی ہے مثلاً سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہو " کے سفر میں شیخ طریقت شیخ ابوالحسن خرقانی کی خانقاہ میں حاضر ہونا اور شیخ سے طالب دعا ہونا، یا سلطان طغرل سلجوقی کا باباطاہر عریاں سے ہمدان میں ملاقات کرنا اور طالب نصائح ہونا۔ اس قبیل کے متعدد واقعات، کتب تاریخ میں منضبط ہیں یہاں ان کی تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ اِن حضرات کی مثالی زندگی نے سلاطین و اعیان سلطنت کو ان کی طرف متوجہ کیا، خود اِن حضرات نے ان کے تقرب کی کبھی خواہش نہیں کی جبکہ علمائے کرام ہمیشہ اس تقرب کے خواہاں رہے، چونکہ صوفیائے کرام زہد و قناعت اور دنیا سے ہے خلوت کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے اس لئے ان کو اس تقرب کی ضرورت نہیں تھی دوسرے یہ کہ یہ حضرات دوسرے فرقوں سے بحث و جدل میں کبھی نہیں پڑے ان کا مسلک تمام فرقوں کے ساتھ صلح اور صفا،، کا تھا ایک دوسرے کی بدگوئی و تفسیق و تکفیر سے یہ ہمیشہ محترز رہے اور نہ انہوں نے حکومت وقت کے خلاف سازش یا علم بغاوت بلند کرتے ہیں کبھی تعاون کیا جس کے ہر وقت مواقع موجود رہتے تھے، ان حضرات کو مراقبہ اور یاد الٰہی کے سوا ان پوچ اور لچر کاموں کے لئے نہ فرصت تھی اور نہ ضرورت ۔

قرن پنجم کے ایسے باکمال عرفاء اور صلحاء میں یہ حضرات بہت بلند اور نمایاں مقام رکھتے ہیں، ہر چند کہ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر میں مختلف نظریات تصوف" کے ضمن میں مختصراً کر چکا ہوں لیکن یہاں اس عنوان کے تحت ان کا ذکر کا اعادہ ہو جائے گا۔ تاکہ سر رشتہ سخن ہاتھ سے نہ جائے:

قرن پنجم کے تحت جن صوفیائے کرام کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے قرن پنجم میں صرف چند سال حیات مستعار کے گزارے، بعض ایسے حضرات ہیں کہ قرن پنجم کے آخری سالوں میں ان کی ولادت ہوئی لیکن ان کی تربیت قرن ششم میں ہوئی لیکن چونکہ انہوں نے قرن پنجم کو پایا ہے اس لئے ان کا شمار بھی قرن پنجم میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطریقت حضرت ابو علی دقاق رضی اللہ نے ۴۰۵ھ میں وصال فرمایا لیکن آپ کو پانچویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام ہی میں منسوب کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو علی دقاق قدس سرہ العزیز، شیخ طریقت استاذ ابو القاسم قشیری صاحب رسالہ قشیریہ، شیخ طریقت اور ان کے استاد ہیں۔ استاد ابو القاسم قشیری رضی اللہ علیہ کو ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے!

شیخ الطریقت پیر ابو الفضل سرخسی قدس اللہ سرہٗ: آپ قرن پنجم کے مشہور شیخ الطریقت ہیں، آپ حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ کے پیر طریقت ہیں، حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ کی تربیت آپ ہی نے فرمائی۔ شیخ الطریقت نے شہر سرخس میں ۴۰۰ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی نیشاپوری صاحب "طبقات الصوفیہ" آپ عارف بزرگ حضرت ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ العزیز کے پیر طریقت ہیں شیخ ابو الفضل سرخسیؒ کے وصال کے بعد حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ جب حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ آپ کی خدمت میں منازل عرفاں طے کر چکے تو حضرت عبد الرحمٰن سلمیؒ نے اپنے دستِ خاص سے آپ کو خرقہ پہنایا اور اجازت قربت مریداں سے نوازا، اس طرح حضرت ابو سعید

ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کے پیر شیخ بیعت پیر ابوالفضل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، اور پیر خرقہ حضرت شیخ ابوعبدالرحمن سلمی نیشاپوری ہیں. اس سلسلہ میں مزید توضیح۔ بفرع "اسرار التوحید" میں موجود ہے جس کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ شیخ الطریقت ابوعبدالرحمن سلمی قدس اللہ سرہٗ نے ۴۱۲ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ ابوعبداللہ داستانی قدس اللہ سرہٗ۔ آپ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے معاصرین اور اقران سے ہیں آپ نے ۴۱۸ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت ابوعلی سیاہؒ آپ شیخ ابوعلی دقاق کے اقران و معاصرین سے ہیں آپ نے ۴۲۴ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہٗ۔ آپ اصحاب شکر میں بلند مقام کے حامل ہیں، طریقت و سلوک میں آپ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے مدرسۂ فکر کے متبعین میں سے ہیں ۴۲۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

شیخ ابواسحاق ابراہیمؒ بن شہریار گازرونی، آپ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے اقران و اصحاب سے ہیں ۴۲۶ھ میں آپ کا سال وفات ہے۔

محدث عظیم حافظ ابوالنعیم اصفہانیؒ صاحب حلیۃ الاولیاء (چار ضخیم جلدوں میں) آپ نے ۴۳۰ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر قدس اللہ سرہٗ آپ کی ولادت محرم ۳۵۷ھ میں شہر سرخس میں ہوئی اور شعبان ۴۴۰ھ میں شہر میہنہ میں تراسی سال کی عمر میں وصال فرمایا "آپ کے تفصیلی حالات" "اسرار التوحید میں ملاحظہ کیجئے، شیخ الطریقت شیخ ابوعبداللہ شیرازی المعروف بہ ابن باکویہ و باباکوہی، آپ کا وصال ۴۴۲ھ میں ہوا۔

شیخ الطریقت شیخ ابوالقاسم گورگانی (یا گرگانی) قدس اللہ سرہٗ آپ نے ۴۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے اصحاب و اقران سے ہیں۔

شیخ بابا طاہر عریاں رحمۃ اللہ علیہ:۔ طریقت میں آپ کا بلند مقام ہے آپ کو رباعیات منازل طریقت اور حقائق عرفان کے ترجمان ہیں ۴۵۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، صحیح سال وفات کا تعین نہیں ہو سکا ہے

شیخ الطریقت استاذ ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہٗ آپ کی تصنیف رسالہ قشیریہ تصوف کی بلند پایہ کتابوں میں شامل ہے اور مشہور زمانہ ہے آپ کا سال وفات ۴۶۵ھ ہے۔

شیخ الطریقت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری الغزنوی قدس اللہ سرہٗ "کشف المحجوب" کے مصنف ہیں فارسی زبان پر تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب ہے، آپ شیخ القاسم قشیریؒ کے معاصرین سے ہیں آپ نے شہر لاہور میں قریباً ۴۷۰ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت ابوعلی فارمدی قدس اللہ سرہٗ آپ شیخ الطریقت ابوالقاسم قشیری اور شیخ ابوالقاسم گرگانی کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے ہیں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت ہیں ۴۷۷ھ آپ کا سال وفات ہے۔

شیخ الطریقت خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ مولف کتاب طبقات الصوفیہ و منازل السائرین آپ کا وصال ۴۸۱ھ میں ہوا۔

شیخ الطریقت شیخ ابوبکر نساج، آپ شیخ احمد غزالیؒ کے استاد طریقت و مرشد ہیں، آپ ہی شیخ ابوالقاسمؒ گرگانی کے تربیت یافتہ ہیں، ۴۸۷ھ آپ کا سال وصال ہے۔

حجۃ الاسلام شیخ ابوحامد محمد غزالی قدس اللہ سرہٗ، صاحب، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت التہافتۃ الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، آپ کثیر التصانیف، شیخ طریقت ہیں آپ کا سال ولادت ۴۵۰ھ ہے اور سال وفات ۵۰۵ھ ہے، زندگی کا قریب قریب تمام تر حصہ قرن پنجم میں گزرا، اس لئے آپ کا شمار قرن پنجم کے صوفیائے کبار میں کیا جاتا ہے۔ ۵۰۵ھ

حضرت ابوالمجد مجدود ابن آدم سنائی غزنوی قدس اللہ سرہٗ:۔ صاحب حدیقۃ الحقیقت (جو فارسی زبان میں موضوع معرفت پر شاہکار مثنوی ہے) آپ کی پیدائش امام غزالی کی طرح قرن پنجم

کے وسط میں ہوئی اس لئے آپ کا شمار بھی صوفیائے قرن پنجم میں کیا جاتا ہے۔

شیخ الطریقت مجدالدین ابوالفتوح احمد غزالی قدس سرہ بھی پانچویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں شامل ہیں، آپ کی تصنیفات میں "سوانح العشاق" "الذخیرۃ فی العلم البصیرہ" زیادہ مشہور ہیں اور طباعت پذیر ہو چکی ہیں۔ آپ کے مکتوبات بھی ہیں جو۔۔ مکاتیب عین القضاہ ہمدانی کے نام سے مشہور ہیں، رسالہ عینیہ اور تازیانہ سلوک بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں لیکن، سوانح العشاق اور "الذخیرہ" فی العلم البصیرہ" زیادہ مقبول ہیں آپ نے ۵۲۰ھ میں انتقال کیا۔

شیخ الاسلام احمد نامقی جامی قدس اللہ سرہٗ المعروف بہ زندہ پیل بھی قرن پنجم کے مشائخ طریقت میں سے ہیں آپ کی ولادت ۴۴۱ھ میں ہوئی قرن پنجم کے اواخر میں آپ نے تمام مراحل طریقت و سلوک طے کر لئے تھے، آپ پر امر بالمعروف نہی عن المنکر کا غلبہ تھا۔۔۔ اس لئے لوگوں کے احتساب میں پیش پیش رہتے تھے۔

یہ تھے قرن پنجم کے شاہ ارباب سلوک اصحاب طریقت، مذکورہ اصحاب طریقت و مشائخ کرام علاوہ بھی اس صدی میں دوسرے اصحاب طریقت گزرے ہیں، یہاں صرف مشاہیر کا ذکر کیا گیا ہے، تمامی حضرات کا ذکر اس مختصر مقدمہ میں ممکن نہیں تھا۔ آپ نے یہ بات مطالعہ کی ہو گی کہ اس قرن پنجم میں مشائخ کرام کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ ہے، تصوف کی بہترین اور بلند پایہ کتب جتنی اس صدی میں تصنیف کی گئیں قرون مابعد میں تصنیف نہیں ہوئیں، جیسا کہ سابقہ اوراق میں عرض کر چکا ہوں "تصوف" کے اصول و مبانی میں قرن پنجم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جبکہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ رہی، تصنیف و تالیف میں زیادہ تر شغف اصحاب صحو، کو رہا، ہر ایک شیخ طریقت نے قلم نہیں اٹھایا، حضرت شیخ الطریقت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے ابتدائے حال میں قلم اٹھایا تھا اور اپنی بعض تصانیف کے سلسلہ میں پیش نظر رکھی تھیں لیکن ایک روز عالم شور و مستی میں اپنے مسودے اور ان تمام قلمی کتابوں کو جو آپ کے پاس تھیں زمین میں دفن کر دیا، دفن کرتے وقت آپ ان کتب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے جاتے تھے:۔

نعم الدّلیل انتَ والاشتغال بالدّلیل بعد الوصول محالٌ

بے شک خدا شناسی کہ تم ایک ایسی دلیل ہو لیکن وصل الی اللہ کے بعد تم میں مشغول ہونا ایک امر محال ہے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر نے یہی سبب ہے کہ آپ کی یادگار کوئی تصنیف نہیں ہے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی :- آپ کی ذات سے منسوب جو یہ دو کتابیں ہیں یعنی " سخنان ابوسعید ابوالخیر اور" اسرار التوحید"، یہ آپ کے ملفوظات اور آپ کی سوانح حیات ہیں، اس سلسلہ میں مزید وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمہ ان ہی دو کتابوں کا ایک تحقیقی جائزہ ہے۔

اسرار التوحید

دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے اواخر تک تصوّف کی نظریاتی تاریخ اور ہر قرن میں اس نظریہ کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیاں اور ان کے مضمرات و متقضیات آپ کے سامنے اختصار کے ساتھ پیش کر دیئے ہیں تاکہ جب آپ پانچویں صدی ہجری کے مشہور شیخ طریقت حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز کی مفصل اور مدلل سوانح حیات اسرار التوحید کا مطالعہ کریں تو دوران مطالعہ پیش آنے والے واقعات تصوف، مختلف نظریات اور ہر عصر و قرن کی خصوصیات پر آپ کی پوری پوری نظر ہو اور آپ اس صد سالہ دور کی ادبی، علمی اور فکری تاریخ کے علاوہ سیاسی تاریخ سے بخوبی واقف ہوں۔

چونکہ اسرار التوحید میں شیخ الطریقت خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کی زندگی اور باطنی احوال کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ کتاب آپ کو وفات کے قریبًا ایک سو سال بعد مرتب ہوئی ہے اور مرتب و مولّف اس خاندان کا ایک فرد ہے اپنے بزرگوں کی زبانی جو کچھ شیخ الطریقت کے بارے میں سنا اس پر یقین نہ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں،

اس لئے ان روایات کو پورے وثوق کے ساتھ کتاب کے مندرجات میں شامل کرلیا گیا۔

اس لئے میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں کچھ بھی عرض نہیں کروں گا کہ اسرار التوحید اس سلسلہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے البتہ بعض روایات کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی میں نے جسارت کی ہے علاوہ ازیں، شیخ قدس اللہ سرہٗ کے سلسلہ میں لکھی جانے والی دونوں مشہور کتابوں کا آپ سے تعارف بھی کرا رہا ہوں یعنی حالات وسخنان ابوسعید ابوالخیر" اور اسرار التوحید جس کا ترجمہ میرے فاضل دوست پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے بڑی خوبی سے کیا ہے، عبارت کی روانی و دل نشینی کی خوبی کہیں ضائع نہیں ہونے دی ہے اور ان ہی کی فرمائش پر اس بارے میں شمس بریلوی نے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے باوجود علالت کے مجھے محترمی فاروقی صاحب کے ارشاد کی تعمیل کرنا پڑی کہ

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اب میں حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ان دونوں بلند پایہ سوانحعمریوں کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تالیف کے اعتبار سے یہ نکہ۔۔۔۔ حالات وسخنان ابوسعید ابوالخیر۔ کو اولیت حاصل ہے اس لئے میں نے بھی اس تقدم زمانی کو پیش نظر رکھا ہے۔

حالات وسخنان ابوسعید ابوالخیر":- جیساکہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ نے تصنیف و تالیف پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ آپ کے حالات اور سوانح آپ کے طریقۂ تصوف پر یہ دو کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ دونوں کتابیں چھٹی صدی ہجری میں تصنیف ہوئی ہیں یعنی آپ کے وصال سے تقریباً ایک سو سال بعد:- حالات وسخنانِ ابوسعید ابوالخیر" کے موئف کمال الدین محمد بن ابی روح لطف اللہ بن ابی سعید ہیں جو شیخ قدس اللہ سرہٗ کے قریبی اصفاء و بزرگان سے ہیں، یہ کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے، ان ابواب کی تفصیل اس طرح ہے:-

باب اوّل ا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ابتدائی زندگی اور اس کے سوانح:-

باب دوم :۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کی ریاضیات اوران کا تنوع اور کیفیت :۔

باب سوم :۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کی کرامات :۔

باب چہارم :۔ حضرت شیخ کے ارشاداتِ گرامی اوران کی گراں مائگی اورافادیت :۔

باب پنجم :۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے وصایا اورآپ کی وفات :۔

یہ کتاب معمولی ضخامت کی ہے' یہ روسی مستشرق ژوکسکی کے اہتمام سے ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں پیٹرز برگ سے شائع ہوئی، اس کے متن کی تصحیح پر خاص توجہ کی گئی ہے۔ فارسی زبان میں کسی شیخ طریقت کی قدیم ترین سوانح حیات ہے، اس کتاب کی تاریخی اہمیت کے علاوہ ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ قدیم سادہ نثر فارسی کی محدود ے چند کتابوں میں سے ایک بلند پایہ کتاب ہے غالباً اب تک اس کا اُردو ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے۔

اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابوسعیدؒ :۔ یہ کتاب عموماً اسرار التوحید کے نام سے مشہور ہے اسے شیخ محمد منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید ابوالخیرؒ کی تالیف ہے۔ اس کی تالیف ۵۸۰ھ میں ہوئی یعنی حالات وسخنان ابوسعید ابوالخیرؒ کی تالیف کے چند سال بعد اس کو مرتب کیا گیا! اس کے موٴلف ہی شیخ ابوسعیدؒ کے احفاد نبیرگان (پڑپوتے) سے ہیں اور حالات و سخنان ابوسعید ابوالخیرؒ کے موٴلف شیخ محمد بن منور کے اعمام کی اولاد سے ہیں۔

کتاب اسرار التوحید، شیخ طریقت ابوسعید ابوالخیرؒ کی ایک مفصل اور جامع سوانعمری ہے اوراس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ "حالات وسخنان ابوسعید ابوالخیر" کے بعد صرف یہی ایک جامع سوانح حیات ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، اس کتاب کو بھی روسی مستشرق ژوکسکی نے تصحیح کے بعد ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۶ھ میں پیٹرز برگ سے شائع کیا ہے اور آقائے بہمن یار نے اس پر ایک مفید مقدمہ لکھ کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے، آقائے بہمن یار نے اس پر حواشی بھی تحریر کئے ہیں، آقائے بہمنیار کے مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ اسرار التوحید تہران سے شائع ہوئی ہے پیش نظر ترجمہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب مکتبہ نبویہ لاہور۔ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس

اور شگفتہ ہے اور اُردو زبان کے تمام محاسن کا حامل ہے۔

کتاب اسرار التوحید تین ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

باب اوّل :۔ حضرت شیخ الطریقت کے ابتدائی حالات پر مشتمل ہے۔

باب دوم :۔ حضرت شیخ کی اواسط حیات کے وقائع اور حالات اسباب چار فصلوں پر مخصوص ہے۔

فصل اول میں شیخ کی کرامات اور آپ سے منسوب حکایات ہیں۔

فصل دوم میں وہ حکایات ہیں جن سے حکمت و معرفت کے فوائد مستنبط ہوتے ہیں

فصل سوم میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کے ارشادات و ملفوظات پر مشتمل ہے۔

فصل چہارم شیخ کے ارشادات کی اہمیت اور ان کلمات وارشادات کی رفعت وان ارشادات کے بعد شیخ کے دعاوی، مکتوبات اور شیخ کے اشعار ہیں۔

باب سوم :۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کے ظاہری زمانہ حیات کے دقائع اسباب بھی تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں آپ کے وصایا ہیں۔

فصل دوم میں شیخ طریقت کی وفات محفل سالہ ہے۔

فصل سوم شیخ الطریقت کی وفات کے بعد آپ کی کرامات پر مشتمل ہے۔

کتاب اسرار التوحید اپنی تاریخی اہمیت کے علاوہ ایک شیخ طریقت کی فارسی زبان میں پہلی سوانح عمری ہے جو اس قدر تفصیل سے لکھی گئی ہے اس سوانح حیات میں شیخ سے متعدد معاصرین کا بھی مختصراً ذکر ہے جس کے باعث اس کی تاریخی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔
اسرار التوحید بہت سی مفید جغرافیائی معلومات پر بھی مشتمل ہے، علاوہ ازیں پانچویں صدی ہجری

کی اجتماعی زندگی پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے، یہ تالیف ہی اپنے طرزِ بیان و زبان کی شیرینی اور سادگی کے باعث قدیم نثرِ فارسی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "اسرار التوحید" کے طرز پر پانچویں صدی ہجری تک کسی شیخِ طریقت کے سوانحِ حیات معرضِ تحریر میں نہیں آئے تھے یہ دونوں کتابیں (سوانحِ شیخ ابوسعید ابوالخیر) جو یکے بعد دیگرے تالیف ہوئیں اس انفرادیت کی حامل ہیں لیکن "اسرار التوحید" اپنی جامعیت کے اعتبار سے اوّل الذکر کتاب سے زیادہ بلند پایہ اور اہمیت کی حامل ہے۔

مشائخ کی کرامات:۔ مشائخ طریقت کے سلسلہ میں عقیدت مندوں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی نسبت ایسی حکایات اور روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں جس سے شیخ کی عظمت میں اضافہ کے بجائے اس کے منصب شیوخیت پر حرف آتا ہے۔ اور جب ایسی حکایات اور روایات کی کسی کتاب میں کثرت ہو جاتی ہے تو وہ پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہے۔ "اسرار التوحید" میں ایسی متعدد حکایات موجود ہیں لیکن کم ہیں "ان میں بعض حکایات ایسی ہیں جو شیخ الطریقت کے ارفع و اعلیٰ مقام کے منافی ہیں مثلاً یہ حکایت جس کو "محمد بن منور" مؤلف کتاب "اسرار التوحید" نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"الحکایت: ہم در آں وقت شیخ ما در "قاین" بود، امامے بود دیگر در آں سخت بزرگوار او را امام خواجہ محمد قاینی گفتندے، چون شیخ ما آنجا رسید او بنزدیک شیخ آمد بہ سلام... بیشتر اوقات در خدمت شیخ بودے و ہر دعوتے کہ شیخ را بردندے، او بموافقت شیخ حاضر آمدے و بسماع نشستے، بروزے بعد از دعوت سماع می کردند، شیخ ما را حالتے پدید آمدہ بود و جملہ جمع در آں حالت بودند کہ وقت خوش پدید آمد، موذن بانگ نماز پیشیں گفت و شیخ ہمچناں درحال بود و جمع در وجد و رقص می کردند با نعرہ می زدند درمیانِ آں حالت امام محمد قاینی گفت، نماز ما شیخ ما گفت کہ ما در نماز ایم و ہمچناں در رقص بودند، امام محمد قاینی ایشاں را گذاشت و بہ

نماز قضا شد" (اسرار التوحید باب تہران صفحہ نمبر ۱۸۶)

حیرت ہے کہ صاحب "اسرار التوحید" نے یہ روائیت بغیر غور و فکر کے "اسرار التوحید" میں درج کر دی جبکہ شیخ طریقت ابو سعید ابوالخیرؒ علوم دینیہ اور احکام شریعت کے پاسدار بھی تھے، وہ کس طرح اس وجد و رقص اور سماع کو "نماز" سے تعبیر کر سکتے تھے اور وہ یہ فرماتے کہ "ہماری نماز یہی ہے"۔

اس قبیل کی حکایات جب بزرگانِ طریقت سے منسوب کی گئیں تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ معاندین و مخالفین، تصوف، کو بہت کچھ کہنے کا موقع مل گیا۔ ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" ایسی ہے حکایات کو بزرگانِ طریقت سے منسوب کرنے کے نتیجہ میں معاندانہ انداز میں لکھی گئی۔ عصر حاضر میں، "تاریخ تصوف اسلام" کے مؤلف میرے خواہر زادے پروفیسر یوسف سلیم چشتی (مرحوم) نے اپنی کتاب میں شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ سے منسوب ایسی ہی لچر اور غیر مصدقہ روایات کا سہارا لے کر تنقید کی ہے۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کی دوسری سوانح عمری "حالات وسخنانِ شیخ ابو سعید ابوالخیر" میں بھی بعض ایسی ہی غیر مصدقہ روایات کو شیخ الطریقت سے منسوب کیا گیا ہے مثلاً وہ ایک مستند حوالہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ:۔

"از جدم شیخ الاسلام ابوسعید را شنیدم کہ یک روز شیخ را سخن می رفت دانشمندے فاضل حاضر بود، آہستہ گفت کہ ایں سخن کہ شیخ گفت در ہفت سبع قرآن ہیچ جائے نیست، شیخ گفت ایں سخن در سبع ہشتم است:۔ آں دانشمند گفت سبع ہشتم کدام است؟ گفت ایں ہفت سبع آنست کہ یَا اَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ؛ و سبع ہشتم آنست کہ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی شما پندارید کہ سخن خدائے تعالیٰ معدود و محدود است، آں در حصر و عدد نیاید و منقطع نہ گردد ہر لحظہ از رسولے بدل بندگاں می رساند چنانکہ پیغمبر علیہ السلام خبر داد۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ لَا یَنْظُرُ اِلَّا بِنُوْرِ اللّٰہِ"

پس گفت مرا تو راحت جانی معائنہ، نہ خبر کرا معائنہ باید، خبر چہ سود کنند"
(حالات وسخنان ابو سعید ابوالخیر باب ژوفسکی صفحہ ۵۰)

یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ ایسی حکایات کسی شیخ سے منسوب کر دینے سے شیخ کے مرتبہ میں اضافہ ہوگا اور لوگ اس کو شیخ کامل سمجھنے لگیں گے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ خواص اور ارباب علم وفہم میں اس سے سوءظن پیدا ہوتا ہے، پس ایسی حکایات کو شیخ الطریقت سے منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

ہر چند کہ شیخ الطریقت حضرت ابو سعید ابوالخیر کا مسلک "وحدت الوجود" ہے جیسا کہ اس سے قبل صراحت کی جا چکی ہے، اُن کے متعدد ارشادات اور ملفوظات سے اس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے حضرت شیخ کا اس سلسلہ میں صرف ایک ارشاد یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

"چند گاہ ایں بود کہ حق را می جستم، گاہے بودے کہ یافتمے و گاہ بودے کہ نیافتمے، اکنوں چناں شدم کہ ہر چند خود را می جویم نمی یابم، ہمہ او شدم زیرا کہ ہمہ اوست"
(اسرار التوحید صفحہ ۲۵، باب تہران)

حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کے ارشادات وملفوظات کے سلسلہ میں، صاحب مقدمۂ "اسرار التوحید" نے بہت کچھ لکھا ہے جس کا ترجمہ قارئین کرام مطالعہ فرمائیں گے، میرا یہ مقدمہ چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے لہٰذا میں اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض نہیں کروں گا، صرف ایک نکتہ ابھی اور پیش کرتا ہے اور وہ ہے شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کی شاعری:- عام طور پر آپ کو ایک نغز گو معرفت طرازشاعر سمجھا جاتا ہے، اس برصغیر پاک وہند میں شیخ ابو سعید ابوالخیر کی شہرت کا طنطنہ گونجتا رہا۔ اور عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں یہ مجموعہ رباعیات داخل درس رہا لیکن تحقیق کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ رباعیات شیخ الطریقت کی نہیں ہیں بلکہ جب آپ وابستگان طریقت سے مصروف گفتگو ہوتے تو اثنائے کلام میں آپ وضاحت سخن یا زور کلام پیدا کرنے کے لئے اپنے بزرگان طریقت سے سُنا ہوا۔

دوسرے بزرگوں کا کلام پیش فرما دیتے تھے، آپ کے ملفوظات کا املا کرنے والے حضرات یا بعد میں اس کلام کا مطالعہ کرنے والے اصحاب حال وارباب طریقت نے اس کو آپ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کر دیا حالانکہ سوانح نگار حضرات نے اس خصوص میں وضاحت کے ساتھ کہدیا ہے کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ شعر گوئی سے شغف نہیں رکھتے تھے، صاحب اسرار التوحید" لکھتے ہیں کہ

"درویشے بودہ است در نیشاپور کہ او را "حمزۃ التراب" گفتندے روزے از تواضع کہ در او بود شیخ ما را رقعۂ نوشت، بر سر رقعہ تواضع وو نوشت کہ، "خاک تراب قدم" شیخ ما بر ظہر رقعہ بہ نوشت،

گر تو خاکی، خاکِ ترا، خاک شدم   چوں خاکِ ترا خاک شدم پاک شدم"

اسی سلسلہ میں صاحب" اسرار التوحید" کہتے ہیں کہ:۔

"جدِّ دعاگوئے خواجہ بوسعید آوردہ اند کہ جماعتے گمان برند کہ بیت ہائے کہ درمیان سخن بر زبان مبارک شیخ رفتہ است، او گفتہ است نہ چناں است کہ او را چنداں استغراق در حالتِ مشاہدۂ حق بودے کہ او را پروائے تفکر در بیت نبود در ہمہ عمر الا ایں یک بیت کہ بر پشت رقعہ حمزہ نوشتہ است

و ایں دیگر در بیت (رباعی)

جاں! بزینِ خاہراں خارے نیست   کش با مَن و روزگارِ مَن کارے نیست
با لطف و نوازش و خیالِ تو۔۔۔۔ مرا   در دادن صد ہزار جاں عارے نیست

دگر ہر چہ بر زبان او رفتہ است، ہمہ آں بودہ است کہ از پیران خویش یاد داشتہ است"

(اسرار التوحید چاپ تہران صفحہ ۱۶۷-۱۶۶)

یہاں میں شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کی ذات گرامی سے منسوب چند رباعیات کو پیش کر رہا ہوں حالانکہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے بلکہ اثنائے کلام اور تلقین و موعظت کے

وقت آپ اپنے مشائخ سے سُنا ہوا یہ کلام، ملفوظات میں شامل فرما دیا کرتے تھے تاکہ ان میں زور و شور اور سوز و ساز پیدا ہو جائے!

چند رباعیات

مارا بجز ایں جہاں، جہانے دگر است — جز دوزخ، فردوس، مکانے دگر است
قلاشی و عاشقیش، سرمایۂ ماست — قرآئی و زاہدی، جہادے دگر است

مو راہ یگانگی نہ کفر ست و نہ دیں — یک گام زخود بروں نہ و راہ بہ بیں
اے جانِ جہاں تو راہِ اسلام... گزیں — با مار سیہ بہ نشین و با خود... بہ نشیں

خواہی کہ کسے شوی، زہستی کم کُن — ناخوردہ شراب وصل، مستی کم کُن
با زلف بتاں دراز دستی کم کُن — بُت را چہ گنہ، تو بت پرستی کم کُن

اے دوست ترا بجملگی گشتم من — حقا کہ دریں سخن نہ زرق است نہ فن
گر تو ز وجودِ خود، بروں جُستی چاک — شاید صنما! بجائے تو ہستم... مَن

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ سے ایک رباعی اور منسوب ہے، بعض ارباب سلوک و اصحاب طریقت نے اس کی شرحیں بھی تحریر کی ہیں۔

رباعی یہ ہے:-

حور بنظارہ نگارم صف زد — رضوان ز تعجب کف خود بر کف زد
یک خالِ سیہ بر آں رخانِ مطرف زد — ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

حضرت شیخ الطریقت جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گرانقدر ملفوظات موسوم بہ لطائف اشرفی میں اس کے معانی بسط و تفصیل تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں، میری نظر سے وہ تفصیل گزر چکی ہے۔ خواجہ عبیداللہ، بن محمود شاتبی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اس رباعی کی شرح لکھی ہے اور بہت تفصیل سے، اس رباعی کی شرح کو انہوں نے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا ہے اور اس رسالہ کا نام، رسالہ موریئہ، رکھا ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا یہ تمام کلام شیخ الطریقت سے منسوب کرایا گیا ہے ورنہ یہ آپ کا طبع زاد کلام نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔

"کتاب اسرار التوحید"، کے ابواب اور فصول کی تشریح گذشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں ان ابواب اور فصول کے مطالعہ سے شیخ الطریقت کے سوانح احوال، آپ کی ریاضت اور آپ کے مقام کے سلسلہ میں تمام تر معلومات سے آپ بہرہ ور ہو سکتے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں قلم نہیں اٹھایا ہے بلکہ ۔ ۔ ۔ شیخ کے مسلک تصوف کو قرن دوم سے قرن پنجم ہجری تک متعین کر دیا ہے اور اس تین سو سالہ دور میں اس نظریہ میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی وضاحت کر دی ہے اور حضرت شیخ الطریقت کے معاصرین اور اس عصر تک ظہور میں آنے والے طوائف الصوفیہ، کا ذکر کیا ہے بعد کہ یہ مقدمہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا موجب ہو گا۔ فقط :۔

ناچیز
شمس بریلوی

۶۱ بی / ۱۱
فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

اسرار التوحید سے مقامات صوفیاء تک

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

یہ کتاب الشیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المعروف بہ ابوسعید مِیہنی نوراللہ مرقدہ وقدس سرہٗ (محرم ۳۵۷ھ، شعبان ۴۴۰ھ) کے احوال ومقامات پر ایک قدیم دستاویز ہے جسے شیخ کے نواسے محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید مِیہنی نے شیخ کی وفات کے ایک سوتیس سال (۵۷۰ھ) بعد سپُردِ قلم کیا تھا۔ ایک عرصہ تک یہ کتاب نوکِ قلم اور تسوید خطی سے مزیّن ہو کر اہل ذوق کو فروغ عرفان سے نوازتی رہی ہے۔ تصوّف کے خانوادوں کے کتاب خانے اس کتاب کے مختلف قلمی نسخوں کے امین رہے ہیں۔ اور اہل تصوّف نے اپنی نگارشات میں اس کتاب کو ایک قابل قدر حوالہ کی حیثیت سے جگہ دی ہے ہمارے سامنے فارسی کی مطبوعہ کتاب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابوسعید کا ایک مستند نسخہ ہے۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے اپنے اہتمام میں ترتیب دے کر ۱۹۸۲ء میں تہران۔ ایران سے شائع کیا تھا۔ اور زیر نظر اُردو ترجمہ کی عمارت انہی بنیادوں پر اٹھائی گئی۔

۲۔ الشیخ ابوسعید ابوالخیر المیہنی رحمۃ اللہ اپنے دور کے بلند پایہ صوفی تھے تصوّف کی اکثر کتابوں میں آپ کو دنیائے تصوّف کے اوّلین اور متقدمین صوفیاء اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ ابوالحسن الہجویری الغزنوی رحمۃ اللہ المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کشف المحجوب میں پورا باب سپردِ قلم کیا ہے۔

شیخ کا دَور علم وعرفان کا اسلامی دنیا میں ایک شاندار دَور مانا گیا ہے۔ دنیائے اسلام میں جہاں مختلف علوم وفنون کی ہمہ جہت ترقی ہوئی وہاں تصوف وعرفان کی ضیاء باریوں نے چار دانگ عالم کو منور کر دیا تھا۔ انہی ایام میں ایک طرف محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں شعرا اور ادبا قصائد ومناقب میں بے مثال کارنامے سرانجام دے رہے تھے تو دوسری طرف ایوان تصوف میں

ابوالحسن خرقانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری اور امام احمد غزالی جیسے بلند پایہ صوفیاء علم و عرفان کی شمعیں روشن کئے ہوئے تھے یہ حقیقت ہے کہ محمود غزنوی کے دربار کے بعض علماء فقہا نے شیخ ابوسعید اور ان کے حلقۂ نشین صوفیاء پر ان کے بعض اختلافی نظریات کی وجہ سے تنقید و تسفیک کی۔ وہاں نیشاپور اور طوس کے جلیل القدر علماء ملکشاہ اور سنجر سلجوقی کے زیر سایہ شیخ کی خانقاہ سے توحید و عرفان کے امور سے آگاہی حاصل کرنے میں مشغول تھے آپ اس روحانی میراث کے تقسیم کار تھے۔ جو بایزید بسطامی سے ہوتی ہوئی ابوعبداللہ داستانی اور ابوالحسن خرقانی کو پہنچی تھی۔ اسرار التوحید کی اپنی ہی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ اکثر مسائل تصوف کی تشریح کے لئے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر المیہنی رحمۃ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ صاحب چہار مقالہ نے شیخ ابوسعید کی اس ملاقات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اس دور کے عظیم فلسفی بوعلی سینا سے ہوئی تھی۔ اس ملاقات کے بعد بوعلی سینا نے اعتراف کیا تھا کہ "ہرچہ من می دانم شیخ می بیند"

صاحب اسرار التوحید نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ ایک بار بوعلی سینا اپنے شاگردوں کو لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کی مجلس وعظ میں خاموش بیٹھے سنتے رہے حضرت شیخ نے بوعلی سینا سے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں ہیں؟ بات کیوں نہیں کرتے۔ نہایت ادب سے جواب دیا: "ایک مطلب کو بیان کرنے کے لئے دو ترجمانوں کی ضرورت نہیں ہوتی"

صاحب نور العلوم نے حضرت ابوالحسن خرقانی اور شیخ ابوسعید۔ ابوالخیر کی اس ملاقات کا شدومد سے ذکر کیا ہے۔ جس میں شیخ ابوسعید حضرت خرقانی کو ملنے آئے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ احمد کو اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ شیخ کے استقبال کے لئے کئی منازل آگے بھیجا تھا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصر صوفیاء اور علماء کے برعکس ذکر بالجہر کے ترجمان تھے اور محفل ذکر و سماع کو برپا رکھتے۔ مریدوں کو تلقین سماع فرماتے۔ اور سماع۔ وجد اور رقص کو اس حد تک لازم قرار دیا کرتے تھے۔ کہ بعض اوقات ضروری مشاغل چھوٹ جاتے۔ ابوالحسن

خرقانی اور امام ابوالقاسم قشیری کو ابتدائے کار میں شیخ کے رقص و سماع سے شدید اختلاف تھا مگر ایک وقت آیا کہ دونوں حضرات شیخ کے سماع کو مباح قرار دینے لگے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ سے علماء و صوفیا نے دریافت کیا۔ کہ یہ رقص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ رقص وہ کرے کہ اگر وہ پاؤں زمین پر مارے تو اسے تحت الثریٰ تک ہر چیز نظر آجائے۔ اور اگر آستین اٹھائے۔ تو اس کی نگاہ عرش پر پڑے۔ اگر اسے یہ کیفیت حاصل نہیں تو اسے چاہیئے کہ بایزید بسطامی۔ جنید بغدادی۔ اور شبلی کے چشمہ سے پانی پیئے اور رقص نہ کرے۔ شیخ اپنے احباب کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر لوگ پوچھیں کہ تم رقص کیوں کرتے ہو تو انہیں بتا دیجئے کہ ہم تو اپنے پیر و مرشد کی موافقت اور اتباع میں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے خراسان کے صوفیاء میں رقص و سماع کو رواج دیا۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی۔ کہ فقہا اور علماء ان کی مخالفت میں کیا کیا فتویٰ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب نے اپنی مشہور تصنیف "جستجو در تصوفِ ایران" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المعروف بوسعید مہنہ یا پیر مینہہ ادبیات عرفانی میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو ایران کی سرزمین میں بڑی شہرت ملی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے سماع۔ قوالی۔ غزل کو خراسان کے صوفیاء میں رواج دیا۔ آپ کے اس اقدام پہ علماء و صوفیا کو اس قدر اختلاف تھا۔ کہ آپ کی شکایت محمود غزنوی کے دربار میں کی گئی۔ دربار سے اتنے شدید احکامات جاری ہوئے کہ آپ کو اور آپ کے درویشوں کو زندیق اور فاسق کہا جانے لگا۔ اسرار التوحید کی روایات کی روشنی میں آپ مینہہ (جو ابیورد اور سرخس کے درمیان واقع ہے) چار شعبان ۴۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ ہزار ماہ زندگی گزاری۔ اس طرح آپ کی ولادت محرم ۳۵۷ھ کو ہوئی آپ کے والد ابوالخیر مینہہ میں عطاری کا کام کرتے تھے۔ یہ پیر عطار صوفیاء کی مجلس میں شریک ہوتے۔ اپنے بیٹے کو ان پاکیزہ مجالس میں لے جاتے مجالس سماع میں بھی حاضری دیتے۔ انہی مجالس سماع کا اثر تھا۔ کہ شیخ ابوسعید سماع کے رسیا تھے حضرت شیخ کی ابتدائی تعلیم ابوالقاسم کے بشر یاسین (م۔ ۳۸۰ھ) مکتب میں ہوئی پھر ایک مجذوب لقمان سرخسی نے آپ کی طبیعت پر اثرات مرتب کئے آپ

ان دنوں علم حدیث وفقہ کی تحصیل میں مصروف تھے آپ اسی مجذوب کے ساتھ مرو میں رہے اور پیر ابوالفضل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے شناسائی ہوئی۔ جو ابونصر سراج قدس سرہٗ کے فیض یافتہ تھے۔ اس طرح حضرت ابوسعید بوعلی فقہیہ سرخسی کے مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خانقاہِ ابوالفضل میں بھی حاضری دیا کرتے تھے آپ نے ان ایام میں سخت ریاضتیں کیں۔ شب بیداری کی منازل سے گزرے اور زہد وعبادت کا یہ دَور کئی سالوں پر محیط رہا۔ ایک عرصہ کے بعد آمل میں آکر شیخ ابوالعباس قصاب کی صحبت میں رہے۔ اور وہاں سے ہی خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور ریاضت شاقہ سے سلوک کی منازل طے کرتے رہے اسی اثنا میں آپ نے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ظاہری علوم و فنون سے کنارہ کش ہو گئے اپنی کتابوں کو زمین میں دفن کر کے اس پر ایک درخت لگا دیا۔ اور اس طرح درویشوں کو کتابی علوم سے ہٹا کر مجاہدہ وریاضت کی منازل طے کرانے لگے طوس اور نیشاپور میں آپ کی مجالس لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئیں۔ ان مجالس کی خصوصیت یہ تھی۔ کہ آپ دوسرے صوفیاء کے طریق سے ہٹ کر مجلس ذکر وسماع میں ذوق وشوق کو فروغ دینے میں مصروف رہے قوال غزل و اشعار سناتے۔ درویش رقص ووجد کرتے اور حضرت شیخ پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرتے۔ ان مجالس کو جہاں اہل ذوق نے پسند کیا۔ وہاں شہر کے علماء وآئمہ نے ناراضگی کا اظہار کیا خصوصاً علماء احناف وکرامتیہ تو شیخ کی اس روش کو نہایت مکروہ خیال کرتے تھے۔ معتدل صوفیا بھی جن میں حضرت ابوالقاسم امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے شیخ کی مجالس سماع ورقص کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اس شور و احتجاج کے باوجود شیخ نے اپنے اطوار میں ذرہ بھر تبدیلی قبول نہ کی وقت کے ساتھ ساتھ بعض صوفیاء اور علماء شیخ کے ہم نوا ہونے لگے اور عوام الناس بھی حضرت شیخ کی کرامات اور خوش گفتاری سے متاثر ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں آنے لگے۔ ایک وقت آیا۔ کہ نیشاپور۔ طوس۔ مرو اور میہنہ جیسے شہر شیخ اور ان کے مریدوں کی شہرت سے گونج اٹھے۔ آپ کی مجالس سماع کی شہرت خراسان کی سرحدوں سے آگے پھیلتی گئی اور ساتھ ہی آپ کی کرامات اور حکیمانہ گفتگو زبان زدِ عام ہونے لگی حضرت ابوالحسن خرقانی اسی شہرت سے متاثر ہو کر حج کو جاتے جاتے رک گئے شیخ الرئیس بوعلی سینا غزنی سے چل کر نیشاپور پہنچے

شیخ سے ملاقات کی۔ اور واپسی پر سلسلہ خط و کتابت ایک عرصہ تک جاری رہا۔

شیخ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد اور جانشینوں نے آپ کے طریقۂ تصوف کو ایک عرصہ تک جاری و ساری رکھا۔ آپ کی کرامات اور مقامات کی تشریحات لکھی گئیں۔ زیر نظر کتاب فی مقامات ابی سعید اسرار التوحید جسے ہم مقامات صوفیاء کے نام سے اُردو میں شائع کر رہے ہیں۔ آپ کے حالات و اقوال پر ایک قریب ترین مآخذ ہے۔ شیخ اشعار اور رباعیات میں شہرت رکھنے کے باوجود کوئی دیوان مرتب نہ کر سکے۔ اور اس قدر حکیمانہ ذہن کے باوجود کوئی نثری تصنیف یادگار نہ چھوڑ سکے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میری کرامات اور احوال کو عام نہ کیا جائے فرماتے "حکایت نویس نہ بنو۔ بلکہ زمانہ کی داستان بنو"۔

حضرت شیخ ابو سعید نے عربی۔ فارسی اشعار سے ہمیشہ اپنی مجالس کو مزین رکھا یہ اشعار متقدمین صوفیاء کا نتیجہ فکر ہوتے یا طبع زاد۔ آپ صوفیانہ رباعیات کے موجد مانے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے زمانے میں رباعیات ابو سعید ابو الخیر کے نام سے ایک مجموعہ شائع ہوا ہے۔ جس میں اکثر و بیشتر اشعار آپ کے علاوہ دوسرے اساتذہ سخن کے بھی جمع کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کے اقوال اور واقعات کو ایک دوسری کتاب حالات و سخنان ابو سعید میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان واقعات میں شیخ کی زندہ دلی اور خوش روی جھلکتی ہے۔ ان واقعات میں بڑے پُرلطف اور دل نشین نکتے بیان کئے گئے ہیں۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر آپ کے بعد آنے والے صوفیا کی ممدوح اور مرغوب شخصیت رہے ہیں آپ کے اقوال۔ لطائف۔ نکات صوفیا کی مجالس کی رونق بنے اور آپ کے حکیمانہ اقوال نے کئی صدیوں تک علمی ذہنوں پر اپنا نقش قائم رکھا اور اس دریا سے نہریں جاری ہوتی رہیں اور اس شمع سے چراغ روشن ہوتے رہے۔ حضرت امام ابو القاسم قشیری (شیخ کے معاصر) حضرت ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری الغزنوی لاہوری۔ شیخ احمد غزالی (برادر امام غزالی)، شیخ فرید الدین عطار۔ مولانا جلال الدین رومی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صوفیاء آپ کی تعلیمات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اور آپ کے اقوال کی جھلکیاں ان بزرگوں کے اقوال و اشعار میں جھلکتی دکھائی دیتی ہیں۔

کتاب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابو سعید کے کئی ایک نسخے ہمارے سامنے آئے انقلاب ایران

کے بعد اسلامی لٹریچر کی از سرِ نو اشاعت ہونے لگی۔ تو جہاں ہمیں تصوف کی بے پناہ کتابوں سے دیدۂ دل کو منور کرنے کا موقع ملا۔ وہاں یہ کتاب ہمیں ان کتابوں میں ملی جو ہمارے فاضل دوست جناب سید مصطفیٰ موسوی نے ژرشت سے بھیجی تھیں۔ اس کتاب کی شہرت تو ایک عرصہ سے اہل علم کے حاشیہ ذوق پر اپنا نقش ثبت کر چکی تھی۔ مگر جب اس کتاب کا تازہ ایڈیشن پاکستان پہنچا تو ہمارے کرم فرما دوست جناب سید اسرار بخاری ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ربوہ نے اسے اُردو لباس میں مزین کرنے کا اعلان کیا۔ بخاری صاحب صوفیاء اسلام کی تعلیمات سے اتنے شناسا ہیں کہ وہ مجلس میں اہل اللہ کے اقوال اس حلاوت آمیز روانی سے بیان کرتے جاتے ہیں جیسے ابھی ابھی ان پاکیزہ مجالس سے اٹھ کر ہمارے سامنے آ بیٹھے ہیں وہ اس سے پہلے تصوف کی مشہور کتاب "کتاب اللمع" کا ترجمہ کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ کام شروع کیا۔ کئی صفحات کا ترجمہ کیا۔ مگر آخر کثرتِ کار اور ان کی تدریسی مصروفیات نے ان کے راہوار قلم کو زنجیر بن کر ترجمہ کی شاہراہ پر چلنے سے روک دیا۔ یہ حادثہ اہل علم اور اہل محبت کی دنیا میں اکثر آتا ہے۔ کہ چلتے چلتے قدم رک جاتے ہیں۔ بارہا التجا کے باوجود فاضل مترجم وقت نہ نکال سکے اور کئی ماہ کی تعویق کے باوجود آپ کے تدریسی مشاغل نے اجازت نہ دی۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا۔ کہ ہم اس قند قلم مترجم کی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

یہ کام میرے لئے نہایت مشکل تھا۔ مطالب تصوف کی سنگلاخ وادی کو طے کرنا میرے جیسے ہیچمداں کے لئے بڑا دشوار تھا۔ مگر بخاری صاحب کے ذوق ترجمہ کی کچھ چاشنی نوک قلم سے لگائے افتاں خیزاں رواں ہوا۔ الحمدللہ یہ منزل طے ہوئی اور آخرین ابواب کے ترجمہ کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود ایک عظیم صوفی کی نگارشاتِ فکر کو اُردو لباس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قبولِ نظر ہو تو زہے نصیب! ورنہ اچھے لوگوں سے لغزشوں کو معاف کرنے کی توقع پر قدم بڑھانے کا حوصلہ رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے جلیل القدر مؤلف۔ مترجم۔ اور کرم فرما فاضل جناب شمس بریلوی دامت برکاتہم العالیہ کا احسان ہمیشہ یاد رہے گا۔ کہ انہوں نے کمال لطف و محبت سے ہماری درخواست پر

کتاب کے لئے ایک مبسوط مقدمہ سپرد قلم کیا۔ جسے ہم ابتدائے کتاب میں ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں یہ مقدمہ جہاں حضرت شیخ ابو سعید ابی الخیر کی ذات والاصفات پر ایک منفرد تعارف ہے۔ وہاں شیخ کے معاصرین بلکہ تصوف کے مختلف سلاسل اور مقتدر صوفیاء کے کارناموں کا بھرپور تذکرہ ہے۔ قارئین کتاب اس مقدمہ کو ایک قابل قدر اضافہ محسوس کریں گے۔

مکتبہ نبویہ نے جہاں مختلف موضوعات پر علمی کتابوں کی اشاعت میں نام پیدا کیا ہے وہاں علوم تصوف و تذکار صوفیہ پر متعدد کتابیں شائع کر کے اہل محبت سے داد وصول کی ہے۔ زیر نظر کتاب مقاماتِ صوفیاء بھی اہل نظر اور اہل ذوق کی خدمت میں وہی مقام پائے گی جو مکتبہ نبویہ کی دوسری مطبوعات کو ملا ہے۔ ہم جہاں سید مصطفیٰ موسوی، پروفیسر اسرار بخاری ایم اے اور جناب شمس بریلوی بالقابہ کے ممنون ہیں وہاں مکتبہ نبویہ کے اراکین کے سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے اس دور گراں باری میں زر کثیر خرچ کر کے صدیوں قدیم صوفیاء کی تعلیمات کو شائع کیا۔

؎ المنۃ للہ کہ در میکدہ باز است!



مقدّمہ

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفاء - تہران - ایران

قارئین آپ کی خدمت میں پیش کی جانے والی کتاب کا نام "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیہنی" ہے۔ اسے ادب فارسی میں امہات کتب کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اور یہ فارسی ادب کے اساتذہ کی زبان میں ضبط تحریر میں لائی گئی تھی۔ تحریر کی روانی۔ جملوں کی شگفتگی اور فصاحت و بلاغت میں اس کتاب کو بڑی شہرت ملی۔ اس کا سن تالیف چھٹی صدی ہجری کے آخری ایام میں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فارسی ادب میں مصنوعی عبارت آرائی کا آغاز ہو چکا تھا تاہم اس کی تحریر میں تصنع کا اثر کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ پُر مطالب کلمات۔ سادہ فارسی تراکیب۔ اور عمدہ ترکیبات کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلی نظر آئیں گی۔ واقعات اور سرگزشت کی مختلف کڑیوں کو اس حسن و خوبی سے ترتیب دیا گیا ہے کہ قارئین کتاب کی نظریں جذب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ عربی کے کلمات اور تراکیب بہت کم ملتی ہیں۔ اور رائج الوقت فارسی کی چاشنی سطر سطر سے ٹپکتی ہے۔

اسرار التوحید تین بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کی زندگی کے ابتدائی حالات ہیں۔ دوسرے باب میں جوانی کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اور تیسرے میں زندگی کے آخری ایام کا ذکر ہے تین بابوں میں خصوصاً دوسرے باب میں حضرت شیخ قدس سرہٗ کے اقوال۔ فارسی اشعار اور ملفوظات نقل کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اس زمانے کی فارسی زبان کی نظم و نثر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ دراصل فارسی زبان پانچویں صدی کے آغاز میں ایک خصوصی تبدیلی کی نشاندہی کرتی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں ایک شخص کی زندگی کے حالات درج ہیں۔ بایں ہمہ اس وقت کے سیاسی اور روحانی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ تاریخ تصوف پر تحقیق کرنے والوں کے لئے ایک بہترین مطالعہ ہے۔

ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر بن احمد مینہی قدس سرہٗ جن کے حالاتِ زندگی اس کتاب کا سرمایہ عزیز ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء۔ محدثین میں شمار ہوتے تھے خراسان میں آپ نظریہ وحدت الوجود کے ترجمان تھے۔ آپ کی ولادت ۳۵۶ھ مینہ میں جو خاوران کے دیہات میں سے تھا۔ ہوئی۔ آپ کی وفات ۴۴۰ھ میں اسی گاؤں میں ہوئی۔ آپ کے والد عطاری کا کام کرتے تھے۔ مگر صوفیاء کی مجالس میں نہایت عقیدت سے حاضری دیتے تھے۔ حضرت ابو سعید انہی مجالس صوفیاء سے متاثر ہوئے اور تربیت پاتے رہے۔ اور آپ اپنے والد کے ساتھ رہ کر تصوف کے ابتدائی حالات سے واقف ہوئے۔ ہوش سنبھالا۔ تو ظاہری علوم شرعیہ کی تحصیل کے لئے مینہ مرو اور سرخس کے مدارس سے وافر حصہ پایا۔ سرخس میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن سرخسی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ آمل میں آکر حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا۔ اس عرصہ میں حضرت شیخ نے ریاضت اور سلوک میں کئی منازل طے کیں۔ اور ایک عارفِ کامل کی حیثیت سے ابھرے۔ پھر مینہ میں اپنی خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح کچھ عرصہ نیشاپور میں رشد و ہدایت کو عام کیا۔ آپ کا طرز بیان۔ کشف اور کرامات معاشرے کے مختلف طبقات پر اثر انداز ہوئے۔

ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بزرگ مشائخ میں سے تھے ۔ آپ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور ادبیات وعظ میں شہرہ آفاق ہوئے ۔ ان علوم پر عبور حاصل کرنے کے بعد آپ کے ذوق لطیف جدتِ طبع ۔ حدتِ ذہن ۔ لطفِ بیان اور بصیرت افروز باتوں نے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور وہ آپ کے قدموں میں سر ہی نہیں ہدیہ دل بھی پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے ۔ آپ کی مجالس وعظ شاعروں کے ابیات اور اشعار سے پُر ہوتیں ۔ فارسی ادب کے بہترین قطعات ۔ عمدہ اشعار ۔ اور برجستہ رباعیات آپ کی زبان سے پھول بن کر جھڑتیں ۔ لوگ ان موتیوں سے جھولیاں بھرتے اور وجد و نشاط میں جھوم جھوم جاتے ۔

حضرت شیخ ابو سعید لبا اوقات اپنے اشعار بھی سناتے ہم از رہ تحقیق کہہ سکتے ہیں کہ ایسے اشعار آپ سے پیشتر صوفیا کی زبان سے نہیں سنے گئے تھے ۔ گویا آپ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے اسرار تصوف کو شعری زبان سے بیان کرنے کا آغاز کیا ۔ اندریں حالات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں سنائی ۔ اور عطار کے پیشرو تھے ۔ آپ کے اثر یافتہ صوفیا نے بھی رباعیات اور اشعار میں صوفیانہ اسرار بیان کرنے شروع کئے ۔ اس کتاب کے ایک حصہ میں آپ کے اپنے اشعار اور رباعیات کے علاوہ دوسرے شعرا کے ابیات ۔ اور اشعار بھی ملتے ہیں جو آپ کی زبان سے نکلتے ایسے اشعار آپ کی مجالس وعظ کا حسن ہوتے ۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند ایسے ہی اشعار کو مترنم آواز سے سناتے ۔ اور از بر کرکے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے تک لے گئے حتیٰ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے شعرا نے بھی آپ کے اثرات سے وافر حصہ لیا ۔ بایں ہمہ ہمیں تعجب ہے کہ اس کتاب کے مؤلف محمد منور رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کو فارسی شاعر ماننے کے لیئے تیار نہیں ہیں ۔

اس کتاب کے علاوہ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کے حالات ۔ مقامات کرامات اور احوال پر ایک اور کتاب بھی ملتی ہے جو "حالات و سخنان شیخ ابو سعید ابوالخیر" کے نام سے مشہور ہوئی ۔ زیر نظر کتاب کی بنیاد اور ماخذ یہی کتاب ہے ۔ بعد میں طبقات صوفیہ السبکی رجلد چہارم ، آثار البلاد

اخبار العباد زکریا بن محمد بن محمود قزوینی) الانساب سمعانی۔ تذکرۃ الاولیا (عطارؒ) نفحات الانس (جامی) اور دوسرے تذکروں نے حضرت شیخ کے حالات لکھے ہیں مگران تذکروں کے مآخذ اور منابع زیر نظر کتاب اور مذکور الصدر کتاب ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید کے حالات زندگی سب سے پہلے آپ کے پڑپوتے جمال الدین ابوروح لطف اللہ بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید میہنی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے۔ ان کے متعلق اس کتاب میں لکھا ہے۔

" اس سے پہلے امن کے زمانہ میں امام اجل عالم بے بدل جمال الدین ابوروح لطف اللہ بن ابی سعد جو اس دعاگو کے چچا کے بیٹے ہیں۔ نے ایک کتاب لکھی۔ جو ایک عقیدتمند کی استدعا پر تیار کی گئی۔ اس کتاب میں پانچ باب تھے۔ ہر باب میں مستند حوالوں کے ساتھ روایات جمع کی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت کے فضل وکمال کا تذکرہ کیا گیا ہے حضرت شیخ کے اقوال واحوال کو خصوصیت سے بیان کیا ہے۔"

یہ ابوروح لطف اللہ آٹھویں صدی ہجری کے اوّل حصہ میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک زندہ رہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اسرار توحید (زیر نظر کتاب) کی تصنیف کے وقت زندہ نہیں تھے کیونکہ محمد بن منور مؤلف کتاب نے اپنی کتاب میں ان کا دو بار ذکر کیا مگر ایسے ذکر کیا جیسے فوت شدہ لوگوں کا کیا جاتا ہے آپ کی زندگی کے آخرین ایام جنہیں ہم محسوس کرتے ہیں ۵۴۳ھ ہے جب اتسز خوازرشاہ سلطان سنجر کی خطا کے کنارے شکست اور اس کی سلطنت کے زوال کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ میں اتسز خوازرشاہ خاوران میں گیا۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ میہنہ کو غارت کر دے لیکن بعض مشائخ اور بزرگان دین نے اسے ایسا کام کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ وہ تین دن تک میہنہ میں رہا۔ اس اثنا میں حضرت شیخ کی اولاد اور صوفیاء جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ باہر نکلے۔ وہ بڑی عزت واکرام سے پیش آیا۔ جمال الدین ابوروح

جو اس دعاگو کا عم زاد تھا۔ علوم فنون میں بے پناہ حصہ رکھتا تھا۔ انہوں نے حضرت شیخ کے حالات، کرامات، ریاضات اور اشعار جمع کئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اور لوگوں کو تو لوٹا دیا مگر جمال الدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ اور بعد از ماز عشاء حضرت کے مزار کی زیارت کو حاضر ہوا۔ زیارت کے بعد جمال الدین کو بھی واپس بھیج دیا۔ اور ہدایت کی کہ کل پھر آئیں۔ اس طرح دو تین دن باقاعدگی سے حاضری دیتا رہا۔"

حضرت جمال الدین ابو روح نے حضرت شیخ کے حالات و کلمات اگرچہ مختصر لکھے۔ مگر بڑے جامع اور مستند تھے یہ نہایت مفید حالات تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان صفحات سے محمد بن منوّر نے اپنی کتاب اسرار التوحید کے لئے بہت سا مواد لیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز حدیث نبوی سے کیا گیا۔ پھر اس حدیث کی تشریح کی گئی۔ پھر احوال و کرامات اقوال و ملفوظات حضرت شیخ بیان کی گئیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو برطانیہ کے عجائب خانہ کی لائبریری میں موجود ہے۔ اسے روسی پروفیسر وایتن ژدکوفسکی مشہور مستشرق نے پیٹر برگ (لینن گراڈ) سے ۱۸۹۶ء مطابق ۱۳۱۰ھ پہلی بار شائع کرایا تھا۔ پھر یہی کتاب دوسری بار تہران میں چھپی اور اس کا نام "حالت و سخنان شیخ ابو سعید" رکھا گیا۔ ابو روح کا طرز نگارش بھی زیر نظر کتاب کے مؤلف علّام محمد بن منور کی طرح سادہ اور مختصر ہے۔

اس کتاب کے مؤلف حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ کے پڑپوتے محمد بن منور بن شیخ الاسلام ابن سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید فضل اللہ بن ابوالخیر المیہنی قدس سرھم ہیں۔ ابن منور نے اس کتاب کو حضرت شیخ قدس سرہٗ کے احوال۔ اخبار۔ اقوال اور کرامات سے مزّین فرمایا ہے۔ یہ ساری چیزیں مختلف ذرائع سے جمع کیں اور اپنے زمانہ کے حکمران ابوالفتح غیاث الدین محمد بن سام بادشاہ غوری متوفیٰ ۵۹۹ھ کے نام منسوب کیا۔

سلطان سنجر کو ۵۴۸ھ میں غزوں نے شکست دی۔ ان وحشیوں نے خراسان کی سرزمین میں قتل و غارت عام کر دی۔ بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ فاضل مؤلف کا گھر میہنہ

خصوصی طور پر اُن کی بربریت کا نشانہ بنا۔ اسوقت کے شیوخ خاندان کے بڑے حضرت شیخ ابوسعید کے مرید۔ رشتہ دار، چچا کے لڑکے تمام کے تمام اسی جگہ موجود تھے۔ پھر ان لوگوں نے اپنی یادداشتوں سے اس کتاب کو مزّین کیا۔ جمال الدین ابوروح کی کتاب بھی اس کتاب کی بنیاد بنی۔

چنانچہ ہم اس کتاب اسرار التوحید کا سال تالیف غزوں کے ۵۴۸ھ حملوں کے بعد قرار دیتے ہیں۔ اس قوم کی تباہ کاریوں کے اثرات ہی اس امر کا باعث ہیں کہ مولف تمام زمان واقعات کو حوادث کی گرد سے صاف کیا اور اسے کتابی شکل میں ترتیب دیا۔ چنانچہ کتاب کے آخرین حصہ میں ان واقعات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب ان واقعات سے کئی سال بعد مکمل ہوئی۔ مولف کتاب اپنے دادا کی کرامات بیان کرتے وقت محمد بن عبدالسلام جو حضرت شیخ کے خادم کے لڑکے تھے۔ کو نظر انداز نہیں کر سکے۔ یہ بزرگ غزوں کے حملوں کے باوجود حضرت شیخ کے روضۂ اقدس پر پڑے رہے اور تقریباً بیس سال تک اس خانقاہ کے مجاور رہے۔ ابن منور نے انہیں سے آخری عمر میں اپنے دادا کی قبر پر ملاقات کی۔ اور ان سے گفتگو کی۔ اور خصوصیت سے پوچھا کہ "اتنے عرصہ تک آپ حضرت کے روضہ پر رہے ہیں کوئی کرامت بھی دیکھی ہے۔"

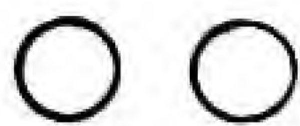
ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن منور نے اپنی کتاب کو غزوں کے حملہ کے بعد تقریباً چوبیس سال کی حدود میں تالیف کیا۔ یعنی ۵۷۰ھ کے لگ بھگ سال تالیف ہے۔ بعد میں اسے غیاث الدین غوری کے نام پر منسوب کیا مگر پروفیسر ژوکوفسکی اسرار التوحید کا سال تالیف ۵۵۳ھ سے ۵۸۱ھ کے درمیان بتاتے ہیں۔

اس کتاب کو پروفیسر ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء، ۱۳۱۷ھ میں پیٹربرگ (لینن گراڈ) لائبریری سے قلمی نسخہ سے ترتیب دے کر طبع کرایا تھا۔ ان دو نسخوں کے درمیان جو اختلاف لفظی پایا جاتا تھا۔ اسے کتاب کے حواشی میں واضح کر دیا گیا۔ پھر ۱۳۱۳ھ شمسی میں مرحوم احمد بہمنیار استاد دانشگاہ تہران نے ژوکوفسکی کے نسخہ کو بعض ترامیم اور حواشی کے ساتھ ترتیب دیا۔ اور ایک گراں قدر مقدمہ لکھا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو بھی کتاب کے آغاز میں طبع کرایا۔

۱۳۳۱ شمسی میں آقائی جعفری ناظم انتشارات امیر کبیر نے راقم کو ایک نسخہ عنایت کیا۔ تاکہ اسرار التوحید کو پروفیسر ژوکوفسکی کے انداز پر زیور طبع سے مزّین کیں چونکہ مجھے محض ایک نسخہ کو بنیاد بنا کر کام کرتے درست معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں نے مزید تگ و دَو کی اور کوئی اور نسخہ بھی سامنے رکھنے کے لئے آگے بڑھا تاکہ یہ کتاب قارئین کے لئے مزید مفید ہو سکے۔ اتفاقاً انہی دنوں میرے فاضل دوست آقائی مجتبیٰ مینوی استاد دانشگان تہران جو استنبول کے سفر سے واپس آئے تھے وزارتِ تعلیم سے ایک نادر نسخہ کا عکس لائے جو نہایت مہربانی فرماتے ہوئے عنائیت فرمایا میں ان کے احسان کے اظہار کے لئے قوت بیان نہیں پاتا۔

مذکورہ نسخہ قلمی جواب قومی لائبریری کی ملکیت ہے میرے پاس رہا۔ اور مجھے اسرار التوحید کو از سر نو ترتیب دینے کا شوق پیدا ہوا۔ اب استاد ژوکوفسکی کے دو نسخے اور تیسرا یہ نادر نسخہ میرے سامنے رہے مجھے امید ہے کہ اہل تحقیق اسے زیادہ مفید پائیں گے۔ جہاں جہاں متن میں اختلاف نظر آیا۔ میں نے حاشیہ میں نشاندہی کر دی ہے۔

آغاز کار میں مجھے خیال پیدا ہوا۔ کہ استنبول کے قلمی نسخہ کو پہلے دو نسخوں سے موازنہ کروں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ ان تین نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان تمام اختلافات کو بھی نظر انداز نہ کروں جو ان تینوں میں مطلب کی وضاحت کے لئے مناسب ہوں چنانچہ زیر نگاہ کتاب ان تینوں قلمی نسخوں کا بہترین مواد ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عربی عبارات۔ عربی جملے۔ آیات قرآنیہ۔ احادیث نبویہ کو علیحدہ علیحدہ لکھوں۔ حضرت شیخ کے ان اشعار و ابیات کو بھی ایک حصہ میں ترتیب دوں۔ تاکہ قارئین کرام پوری طرح استفادہ کر سکیں۔



شیخ ابو سعید ابوالخیر

حضرت ابوالحسن سیّد علی بن عثمان الجلالی الہجویری

المعروف داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ —— کی نظر میں

آپ متاخرین صوفیہ سے شہنشاہِ محبان ملک الملوک صوفیا۔ حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی رضی اللہ عنہ ہیں سلطان وقت و جمالِ طریقت گزرے ہیں۔ تمام اہل زمانہ آپ سے مسخر تھے کوئی آپ کے دیدار کا مشتاق رہتا۔ کوئی آپ سے حسنِ عقیدت رکھتا۔ کوئی آپ کی قوتِ حال کا قائل تھا۔ علوم و فنون میں مانے ہوئے عالم ہونے کے علاوہ اشراف قوم میں عظیم الشان درجہ رکھتے تھے۔ مزید برآں طریقت میں آپ کی نشانیاں اور براہین بے حد ہیں۔ چنانچہ آج تک آپ کے آثار کمالات اتنے ظاہر ہیں کہ دنیا جانتی ہے۔

ابتدائی زمانے میں آپ بغرضِ حصولِ علم مقام مہنہ سے مقام سرخس میں آئے اور حضرت ابو علی زاہد یعنی چابکسوار کی خدمت میں رہے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تین روز کا سبق ایک دن میں پڑھا کرتے اور تین دن عبادتِ الہٰی میں بسر فرماتے۔ امام ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کی یہ راست روی ملاحظہ فرمائی تو آپ کی عظمت فرمانے لگے۔ اور تعلیم میں کچھ زیادتی کر دی۔ اس زمانہ میں والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن تھا۔ ایک دن حضرت فضل اللہ ابوسعید جوئبار نہر پہ گلگشت فرما رہے تھے کہ ابوالفضل والی سرخس سے دوچار ہو گئے۔ ابوالفضل حسن نے آپ سے کہا۔ ابوسعید جس راستے پر تم جا رہے ہو یہ تمہارا راستہ نہیں، اپنا راستہ لو۔

حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور سیر فرما کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اور اپنے مشاغل ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ حق تعالےٰ نے درِ ہدایت کھولا اور حضرت ابو سعید کو مدارجِ علیا پر فائز فرمایا۔

شیخ ابو مسلم فارسی فرماتے ہیں کہ مجھے ابو سعید فضل اللہ سے دیرینہ خصومت تھی (لیکن ان کے زہد و ورع کا شہرہ سُن کر) جب ان کی زیارت کا شوق ہوا تو میں ایسی حالت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ایسا خرقہ تھا کہ میلا ہو کر چمڑے کی طرح ہو گیا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا آپ تختِ مرصع پر روائے مصری ڈالے تشریف فرما ہیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ اعتراض کیا کہ یہ مرد دعویٰ فقیری کر کے اس قدر علائقِ دنیاوی میں پھنسا ہوا ہے اور تمام علائق سے انقطاع کر کے مدعی فقر ہونے سے میری اس کے ساتھ کیونکر موافقت ہو گی۔

ابو سعید فضل اللہ اپنے نورِ فراست سے میرے اس خطرہ سے واقف ہو گیا اور سر اٹھا کر مجمع سے فرمایا۔ یَا اَبَا مُسْلِمْ فِیْ اَیِّ دِیْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ کَانَ قَلْبُہٗ قَائِمًا فِیْ مُشَاھِدَۃِ الْحَقِّ یَقَعُ عَلَیْہِ اِسْمُ الْمُفْتَقِرِ اے ابو مسلم تم نے کس کتاب میں دیکھا کہ جب کسی کا دل خدا کے مشاہد[illegible] قائم ہوا اس پر نام فقر آتا ہے یعنی جو اصحابِ مشاہدہ ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ غنی [illegible] جو فقیر ہیں وہ اصحابِ مجاہدہ کہلاتے ہیں۔

ابو مسلم نے کہا یہ جواب سُن کر میں اپنے دل میں خجل و پریشان ہوا اور [illegible]ے بے جا وسوسہ سے توبہ کی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ [illegible]ـوْفُ قِیَامُ الْقَلْبِ [illegible] بِلَا وَاسِطَۃٍ تصوف قیام [illegible] ہے جو بلا واسطہ [illegible] کی طرف [ا]شارہ ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ غلبہ دوستی سے ہوتا ہے او[illegible]ے و مشاہدہ استغراق

میں ہوتا ہے اور فنا جسے کہتے ہیں وہ بقا بحق کہلاتی ہے۔

اس بحث کو کتاب الحج کے عنوان سے مشاہدۂ وجود کی تفصیل کے لئے علیحدہ باب میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک بار حضرت ابو سعید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور سے طوس کا قصد فرمایا۔ راستہ میں سردی سخت تھی۔ حتیٰ کہ موزوں کے اندر بھی پائے مبارک سردی محسوس کرنے لگے ایک درویش کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی کمر کی پٹی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک میں لپیٹ دوں۔ مگر میرے دل نے اس کا کاٹنا گوارہ نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ بہت عمدہ تھی جب ہم طوس آ گئے۔ ایک روز محفل میں میں نے عرض کی کہ حضور وسواسِ شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ فرمایا۔ الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمر پٹی کاٹ کر ابو سعید کے پیروں کو سردی سے محفوظ کر، اور وسواس شیطانی وہ ہے جس نے تجھے اس کام سے روکا۔ اور اس قسم کی بہت سی باتیں متواتر ہیں۔ لیکن اس مختصر میں یہ ہی بس ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسرار التوحید

فی مقامات الشیخ ابی سعید

تالیف:

محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاهر بن ابی سعید میهنی

مقدمۂ مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ اَوْلِیَائِهٖ بِلَطَائِفِ اَنْوَارِهٖ وَجَعَلَ سَرَائِرَ اَحِبَّائِهٖ وَبَوَاطِنَهُمْ كُنُوْزَ اَسْرَارِهٖ وَكَشَفَ عَنْ عُقُوْلِ اَصْفِيَائِهٖ حُجُبَ الطُّغْیَانِ وَاسْتَارَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِهٖ وَنَبِیِّهٖ وَخِیَرَتِهٖ مِنْ اَخْیَارِهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَعْوَانِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔

بے شک اسی کی ذات اعلیٰ صفات نے بغیر کسی غرض یا طلبِ منفعت اپنے خاص مہر و کرم کمالِ لطف و عنایت اور بے حد و حد قدرتِ کاملہ کے ساتھ اس عالمِ رنگ و بُو کو پیدا فرمایا، پھر اسے نادر و بے مثال عجائب سے آراستہ کیا اور انہی عجائبات نادرہ میں سے بنی نوع انسان کے باپ سیدنا آدم صفی اللہ ہیں جنہیں مشتِ خاک سے وجود بخشا، اُن کے سیاہ مٹی کے گارے سے بنے ہوئے قالب کو سالہا سال مکہ و طائف کے درمیان چھوڑ دیا، تا آنکہ اُس میں استعداد روح اور نفس انسانی کی تکمیل، پیدا ہو گئی تو اُسے "وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ"، کے زیور سے سجا کر انسانیت کے نام سے موسوم کیا، بعد ازاں، انسان، اُنس اور مؤانست جیسے متناسب کلمات کے سبب حسن

بالغہ کا تقاضا تھا کہ اُسے کسی مونس و ہمدم کا محتاج کیا جائے تاکہ یہ تنہائی کی وحشت کو اپنے مونس کی رفاقت کے ذریعے دور کرے، ہٰذا اُم البشر حوا علیہا السلام کو آدم کے بائیں پہلو سے اپنے تخلیقی اعجاز کے ساتھ ظاہر فرما دیا، پھر شہوت جو نفسِ حیوانی کے عوارض میں سے ایک ہے کو دونوں (آدم و حوّا) کی سرشت میں ودیعت کیا تاکہ اس کے سبب اُن میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہو اور اس قدر آدمی روئے زمین پر پیدا ہوں کہ وہ مختلف اقوام و ملّل میں بٹ کر اپنی جُدا جُدا زبانیں بولیں۔ اُن کی اصل ایک اور شاخیں لاتعداد ہوں تاکہ یہ سب مل کر تنوع اور رنگارنگی میں اپنے پیدا کرنے والے کی خلّاقی و صنّاعی پر دلیل ثابت ہوں ؎

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

(ہر شے میں اُس کا نشان موجود اور ہر چیز میں اُس کے ایک ہونے کی دلیل ظاہر ہے)

خالق برحق جل ذکرہ نے آدم صفی اللہ کے برگزیدہ فرزندوں میں سے انبیاء

انبیاء و اولیا:- و رسل علیہم السلام مقرر فرمائے، جنہوں نے بندہ و معبود اور خالق و مخلوقات کے درمیان تعلق جوڑا، ان نفوس قدسیہ کو اس نے دنیا سے علیحدگی اور بلندی کی طرف جانے میں کمال عطا فرمایا یہ صورت میں خلق کے ساتھ اور صفت کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں حقیقت حق سے جو ملے اُسے لے لیتے ہیں اور نور نبوت سے مشاہدہ کرتے ہیں، لوگوں کو رُشد و ہدایت کی طرف بلانا اور انہیں گمراہی و سرکشی سے باز رکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، تاکہ وہ جہالت کے اندھیروں اور پریشانی کے صحراؤں سے نکل کر ساحل نجات اور کنارۂ ہدایت کو پالیں۔ اور حیوانیت چھوڑ کر انسانیت و معقولیت کی صفات سے متصف ہوں، انبیاء علیہم السلام کے بعد اولیاء کرام کا درجہ ہے کہ صاحب کرامات و مقامات ہیں اور اللہ سے مناجات کرتے ہیں۔ یہ طبقہ بامعنی انبیاء و رسل سے نزدیک ہوتا ہے اور ان کا باہمی فرق یہی کچھ ہے کہ انبیاء بیک وقت اللہ اور خلق سے تعلق قائم رکھے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ اولیاء اگر خلق سے تعلق قائم رکھیں تو تعلق باللہ میں خلل واقع ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر نبی دعوت و ارشاد پر مامور ہوتا ہے جبکہ ہر ولی کا دعوت و ارشاد

پر مامور رہونا ضروری نہیں۔

اُس نے اپنے کمال کرم اور انتہائی حکمت کے ساتھ طبقہ اولیاء کو پیدا فرمایا کیونکہ ہر قرن میں بعثت انبیاء و رسل مشکل ہے لیکن اصحابِ کرامات دار بابِ مقامات کا وجود ہر وقت ممکن ہے، اولیا کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اُن کے اقوال و اعمال کو سمجھیں اور ظاہر سے باطن کی دنیا کو آئیں، اور انہیں معلوم ہو کہ اس جہان ظاہری و بے معنی کے دُرے ایک جہاں اور ہے کہ آدمی کو اُس کے لئے پیدا فرمایا ہے، تاکہ بندہ اس دنیا میں اُس دنیا کا زاد اکٹھا کرے خود میں اس سے ملنے کی صلاحیت پیدا کرے، اگر درجہ ملائکہ، روحانی تک نہ پہنچ سکے تو درجہ حیوانات سے تو بلندی اختیار کرے۔

معبودِ برحق جلّ جلالہٗ کی حمد بے حد اور شکر و سپاسِ بے اندازہ کے بعد دل کی گہرائیوں سے بے شمار تحیات و صلوٰات اور درود و آفرین روح پاک تربت مطہر روضۂ معطر سید انبیاء قدوۂ اصفیاء محمد مصطفیٰ صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی ذات اقدس کو اس طرح مسلسل پہنچے کہ اگر ستارے رُک جائیں اور پہاڑ چل پڑیں تو بھی درود و سلام کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔

سیّد دو عالم علیہ السلام پر درود کے بعد ہزاروں سلام و آفرین صحابہ طیبین اور اہل بیت کی مقدس ارواح پر کہ اُن میں ہر ایک آسمان ہدایت کا ستارہ اور رشد و عنایت کی شمع ہے یہ بندۂ گنہگار محمد بن المنور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن الشیخ الکبیر سلطان الطریقت و برہان الحقیقت ابی سعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیہنی قدس سرہٗ عرض کرتا ہے کہ آغاز بچپن و عنفوانِ شباب سے میری یہ کوشش رہی کہ :۔

اپنے جد امجد شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیہنی قدس سرہٗ کے آثار و احوال جمع کر دوں اور اس سلسلے میں، میں شیخ کی اولاد میں سے اکابر ہستیوں سے اُن کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے ان کی صحت سند میں حتی الامکان کوشش کرتا رہتا تھا۔ یہ عہد دین کی حکمرانی کا عہد اور طریقت و شریعت کی تازگی کا زمانہ تھا، کیونکہ یہ عہد آسمانِ دین کے آفتاب ائمہ کرام اور فلکِ یقین کے درخشندہ ستاروں سے معمور تھا، زمین مشائخ کبار سے بھری پڑی تھی، مریدان صادق جن کے ارادے طلب شریعت کے

پابند اور جن کی کوششیں راہِ طریقت کو پانے میں صرف ہوتی تھیں وہ اکثر حضرت کے ملفوظات و اعمال کو یاد کرتے اور اُن کا ذکر کرتے رہتے تاکہ اُس کے ذریعے سعادت و برکت حاصل کریں اور یہ معلوم کریں کہ نفسانی خیالات اور الہامات ربانی میں کیا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان کے مشائخ کرام نے اُن ملفوظات اور آثار و احوال کے جمع کی طرف توجہ نہ دی کیونکہ ہر طرف ہر شخص کی زبان پہ وہ جاری تھے اور کوئی محفل نہ تھی جو اُن کے ذکر و اذکار سے معطر نہ ہو لہذا انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اُن ملفوظات کو کتابی صورت میں جمع کرتے۔

یہاں تک کہ فتنۂ خراسان اور جنگ و جدل کا حادثہ رونما ہوا، خراسان میں بالعموم اس فتنہ کے مصائب ظاہر ہوئے مگر میہنہ میں جو بیتی سو بیتی اور جو مصیبتیں ہم نے اٹھائیں اُن کی شہرت خراسان میں اس قدر نہ تھی جتنی میہنہ میں، اور اس حدیث کہ "اَشَدُّ البَلَایَا لِلاَنبیاء ثُمَّ لِلاَولیاء ثُمَّ لِلاَمثَلِ فَالاَمثَل"، (شدید ترین مصائب انبیاء پر پڑتی ہیں۔ پھر اولیاء پر پھر اُن جیسوں پہ اور اُن کے بعد اُن جیسوں پہ) کی حقیقت ہم پہ اور تمام اہل خراسان پہ میہنہ میں کھلی،

مختصر یہ کہ میہنہ میں ایک سو پندرہ افراد چھوٹے، بڑے شیخ ابو سعیدؒ کی اولاد میں سے طرح طرح کی سزاؤں مثلاً آگ اور مٹی وغیرہ کے ساتھ ہلاک کئے گئے، بعض کو تلوار سے شہید کیا گیا، کچھ دوسرے شہروں میں شہید ہوئے اور کچھ اس حادثے سے پیدا ہونے والے قحط و وباء سے چل بسے، خدا اُن سب کو اپنے جوارِ رحمت میں رکھے، اسی طرح مریدان صادق اور محبان حقیقت شناس کو بھی اسی پر قیاس کر لیں کتنے بزرگانِ دین اور پیشوایانِ طریقت زیرِ خاک چلے گئے، زمانے میں غلبۂ دین اور مسلمانی کا قحط پڑ گیا، دین کو شدید دھچکا لگا، انتشارِ عظیم نے معاملاتِ دین کو متاثر کیا، ائمہ دین و پیرانِ طریقت باقی نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ نے "اَوَلَم یَرَوا اَنَّا نَاْتِی الاَرضَ نَنقُصُہَا مِن اَطرَافِہَا"[۱] (ترجمہ: کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہم ہر طرف سے ان کی آبادی گھٹاتے آ رہے ہیں) کا وعدہ پورا کر

---

[۱] ۱۳: ۴۱ ہم ان کے نقش قدم کی ہدایت کرتے رہیں گے

دکھایا۔ اور اس قول کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ: "ان اللہ تعالیٰ لا ینزع العلم انتزاعا ینتزعہ ولکن یقبض العلم بقبض العلماء" (بے شک اللہ تعالیٰ علم کو جڑ سے نہیں اکھیڑتا مگر اُسے روک لیتا ہے علماء کے روک لینے) کے ذریعے،

طلب باقی نہ رہی اور عقیدے بگڑ گئے، بیشتر اہل اسلام برائے نام مسلمان رہ گئے اور طریقت وحقیقت سے رسمی تعلق باقی رہ گیا، اسی دوران اس حقیر کے دل میں جذبہ پیدا ہوا اور مریدوں کا مطالبہ اس بات کا باعث بنا کہ مقامات اور احوال و آثار جدامجد سلطان طریقت شیخ ابوسعید ابی الخیر قدس سرہ کو یکجا کردوں، جن سے طریقت میں آنے والوں کی رغبت بڑھے اور سالکوں کے لئے راہ سلوک میں رہنما ثابت ہوں. جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: "وَانا علیٰ اثارھم مھتدون" لے (ترجمہ

) ایک اور جگہ جماعت اصفیاء

کا ذکر یوں فرمایا: "اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدھم اقتدہ" لے (ترجمہ

) چونکہ بار بار

کی تباہی اور غارت گری کے واقعات نے میہنہ کے حالات اس قدر ابتر کر دیئے تھے کہ شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کے آثار میں سے بجز تربت وخانقاہ اور کچھ باقی نہ رہا تھا، اس لئے تلاش بسیار و سعی مسلسل کے بعد کم مواد ہاتھ آیا اور ہر جانب سے منتشر معلومات ملیں۔ جو حافظے میں محفوظ تھا وہ بھول گیا، اور شغلنی الشعیر عن الشعر کے مصداق، توجہ سے ہی نکل گیا۔

شیخ ابوسعید کی عمر ہزار ماہ تھی جو کہ تیراسی برس اور چار ماہ بنتے ہیں جیسا کہ خود دمِ رخصت اُن کی زبان سے ادا ہوا کہ "اُن کو ہزار ماہ پورے ہو گئے اور ہزار سے اوپر یہ گنتی نہیں جائے گی"۔ اب اس مدت کو کیونکر ضبط میں لایا جاتا یہ اپنی جگہ محال تھا کہ ان کی ساری زندگی کی حرکات وسکنات کو حیطۂ تحریر میں لایا جاسکتا، بہرحال جس قدر اس دعا گو کے بس میں تھا اکٹھا کر دیا اور اس میں انتہائی کوشش کی،

لے: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اب تم ان کی راہنمائی میں آگے بڑھو۔

ہر بات کی سند کی تصحیح میں غایت درجہ احتیاط برتی، جس روایت کی سند میں ضعف یا شبہ پایا اُسے حذف کر دیا میری اس کوشش سے پہلے زمانہ اَمن میں میرے چچازاد بھائی عالمِ اجل جمال الدین ابو روح لطف اللہ بن ابی سعدؒ نے ایک مرید کی درخواست پر ایک مجموعہ سپردِ قلم کیا تھا جس کے پانچ ابواب تھے اور اُن میں سند کے ساتھ واقعات و حالات بیان کئے گئے تھے۔ ہر باب میں بیان کردہ واقعات کی تشریح میں ایک ایک فصل قائم کی تھی، یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے تاہم اپنے مندرجات کے لحاظ سے فاضل مؤلف کی فصاحت و بلاغت اور خلوصِ کلی کی آئینہ دار ہے میں یہ تو نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے مقابل کوئی کتاب مرتب کرتا مگر اس قدر ضرور کیا ہے کہ اُن کے جمع کردہ احوال و آثار اور اپنی معلومات، جن کو صحیح پایا انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا، تاکہ یہ یادگار ہمارے بعد کے لوگوں میں باقی رہے اور فتنۂ خراسان کے نتیجے میں جو نقصان ہوا اُس کی تلافی ہو سکے، کیونکہ جوں جوں روزگارِ زمانہ لوگوں کو ان سے دور کرتا جاتا ہے اُن کے ارادوں میں کمزوری واقع ہوتی جاتی ہے۔ سالکینِ راہِ حقیقت کم ملتے ہیں اور علم ہر شخص کے ہاتھ نہیں آتا۔ عمل کرنا اپنی جگہ اکسیر ہے، اس راہ کے چاہنے والوں کے لئے ہماری یہ کاوش بھی مفید ثابت ہوگی اور اُس بزرگِ دین اور یگانۂ عہد کی باتیں، ان کے سامعے نوازتی رہیں گی اور مدعیانِ طریقت کے لئے باعثِ فرحت ہوں گی، جیسا کہ کہتے ہیں ؎

گر تنگِ شکر خریدمی نتوانم - باری مگس از تنگ شکر مے رانم

ترجمہ:۔ اگر شکر کی گون نہیں خرید سکتا تو آخر کار شکر کی گون سے مکھیاں تو ہٹاتا ہوں۔

بزرگوں کا مقولہ ہے: نیکو کاروں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔

جیسا کہ تمام انسانوں کے حالات و اعمال تین درجوں یعنی آغاز وسط اور انجام سے خالی نہیں ہوتے اسی لئے میں نے بھی اس مجموعہ کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

بابِ اوّل:۔ یہ باب حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے ایامِ طفولیت سے لے کر چالیس برس کی عمر تک کے احوال پر مبنی ہے جن میں اُن کی تعلیم، ریاضات و مجاہدات، مشائخ و پیرانِ طریقت سے اُن کی نسبتِ علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سلسلۂ طریقت کی تفصیلات درج ہیں۔

بابِ دوم :۔ یہ باب اُن کے درمیانی عرصۂ زندگی سے متعلق ہے، اس کی تین فصلیں ہیں فصلِ اوّل میں ان کی کرامات کے واقعات ہیں جو میرے نزدیک ثقہ راویوں سے صحیح ثابت ہیں، فصل دوم میں وہ حکایات درج ہیں جن میں فوائد و نکات بیان کیے گئے ہیں اور بعض ملفوظاتِ مشائخ ہیں جن کا ذکر شیخ نے کیا فصل سوم میں فوائد، نکات، اقوالِ صوفیہ، ادعیہ، اشعار متفرق اور کچھ خطوط ہیں جو مجھ تک پہنچے ہیں۔

بابِ سوم :۔ یہ باب اُن کے آخری ایامِ زندگی پر مشتمل ہے۔ یہ تین فصلوں پر منقسم ہے فصلِ اوّل میں عند الوفات اُن کی وصیتیں مذکور ہیں، فصل دوم میں حالت و کیفیت وفات کا ذکر ہے اور فصل سوم اُن کرامات پر مشتمل ہے جو ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں ان میں وہ کرامات بھی شامل ہیں جن کی خبر انہوں نے زندگی ہی میں دے دی تھی۔

اِس مجموعہ کا نام "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید" رکھا اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور خلق کے لئے موجب ہدایت ثابت ہونے کی دعا کرتا ہوں، اختصار کے پیشِ نظر اسانید حذف کر دی ہیں، اللہ اپنے لطف و کرم سے اہل عقیدہ کے مقصود کو اس سے پورا فرمائے، اور نقصان و غلطی سے اپنی امان میں رکھے، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ فَاِنَّهٗ خَیْرُ مُوْنِقٍ وَّمُعِیْنٍ:۔

میں اپنی اس کتاب کو بادشاہِ اسلام سلطان معظم ابو الفتح محمد بن سام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں، چونکہ یہ تحفہ بے مثل اور لا فانی و غیر دنیاوی ہے اسی لئے میں امید رکھتا ہوں کہ شہنشاہ عالی مقام اس شایان شان نذرانے کو مقبولیت بخشیں گے، بادشاہ کی امور دینیہ میں دلچسپی ظاہر و باہر ہے اور اس لحاظ سے بھی اس کی مقبولیت کے ہم متوقع ہیں۔ یہ تحفہ لاثانی و لافانی ہے کیونکہ اس جہان رنگ و بو میں سوائے متابعتِ سنتِ مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ و اتباع سیرتِ اولیاء سب کچھ فنا سے ہمکنار ہونے والا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ نبیہ محمد و آلہ اجمعین وحسبنا اللہ وحدہ وھو نعم المولیٰ ونِعْمَ الْمُعِیْن۔

باب اوّل

شیخ ابوسعیدؒ کے ابتدائی حالاتِ زندگی

ایک وضاحت:۔ یہاں ہم قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے شیخ قدس سرہٗ نے کبھی اپنا ذکر "میں" یا "ہم" کے الفاظ سے نہیں کیا بلکہ اپنی بابت یوں فرماتے کہ انہوں نے یوں کہا اور یوں کیا، اگر میں یہاں اس کتاب میں انہی کے الفاظ کو ان کے احوال و واقعات میں استعمال کرتا تو اس کے مطالب عامۃ الناس کے فہم سے قریب نہ ہوتے بلکہ اکثر لوگ ترتیب مفہوم اور سیاقِ کلام میں غلطی کر بیٹھتے اور کسی کو یاد ہی نہ رہتا کہ شیخ نے "انہوں نے کہا" سے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور اسی ضمن میں کتاب کو آغاز سے مطالعہ نہ کرنے والے قاری تو ضرور مغالطے میں پڑتے لہٰذا اس اندیشے کے پیشِ نظر اس دعاگو مؤلف کتاب نے جہاں جہاں شیخ نے اپنے بارے میں "انہوں نے کہا"، فرمایا وہاں اس کی جگہ لفظ "ہم نے کہا" درج کیا، کیونکہ یہی انداز لوگوں میں معروف و متداول اور ان کے فہم سے قریب تر ہے۔

شیخ نے خود کو "میں" یا "ہم" کے الفاظ سے کیوں نہیں یاد کیا اس میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے، بس عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

شیخ ابوسعیدؒ کے والد محترم کا اسم گرامی ابوالخیر تھا جبکہ میہنہ میں انہیں بابا ابوالخیرؒ کے نام سے پکارا جاتا تھا، پیشہ کے لحاظ سے عطار تھے۔ صاحبِ ورع و دیانت اور شریعت و طریقت سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور اہل تصوف و طریقت سے وابستگی اور مستقل صحبت حاصل تھی۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر علیہ الرحمۃ اتوار کے روز یکم محرم ۳۵۷ھ میں بمقام میہنہ پیدا ہوئے

ولادت :- آپ کے والد ماجد صوفیہ کی ایک جماعت کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے، اس جماعت کا یہ طریق تھا کہ ہفتہ میں ہر رات کسی ایک رکن جماعت کے ہاں اکٹھے ہوتے ما حضر اور اَوراد و نماز سے فارغ ہو بیٹھتے تو محفلِ سماع برپا کرتے، ایک شب آپ کے والد کے ہاں درویشوں کی دعوت تھی آپ کی والدہ نے بابا ابو الخیرؒ سے کہا کہ ابو سعیدؒ کو بھی ساتھ لے چلو تاکہ درویشوں اور صوفیوں کی نگاہ اس پر پڑے، آپ کے والد آپ کو ساتھ لے گئے اور سماع میں مشغول ہو گئے اسی وقت قوال نے یہ اشعار لکھے۔

این عشق جلی عطائی درویشانست ، خود را کشتن ولایت ایشان است

دینار و درم نہ زینت مردانست ۔ جان کردہ نثار کار آں مردانست

ترجمہ اشعار :- ۱- بلا شبہ عشق جیسی بخشش درویشوں ہی کو عطا ہوئی ، اور خود کو قتل کرنا ہی ان کی ولایت ہے۔

۲- درہم و دینار مردوں کی زینت نہیں بلکہ شیوۂ مردان جان قربان کر دینا ہے۔

جونہی قوال نے یہ دو شعر پڑھے درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور اس رات تا سحر انہی اشعار پر رقص کرتے رہے۔ قوال کے بار بار دُہرانے سے وہ اشعار آپ کو یاد ہو گئے، اور جب والد کے ہمراہ گھر لوٹے تو آپ نے پوچھا کہ اُن اشعار کا کیا معنی ہے جن کو سُن سُن کر درویش وجد و سُرور میں آجاتے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے فرمایا خاموش جس بات کا پتہ نہ ہو اس سے کیا مطلب بعد میں جب شیخ ابو سعیدؒ نے مقام حاصل کر لیا اور اُن کے والد ماجد جوارِ رحمت میں چلے گئے تو آپ اکثر اپنی گفتگو میں ان اشعار کو دُہراتے اور فرماتے کہ آج بابا ابو الخیر ہوتے تو میں اُن سے کہتا کہ اُس وقت جو کچھ آپ نے سنا تھا اُسے خود بھی نہ سمجھا تھا۔

کہتے ہیں کہ آپ کے والد سلطان محمود غزنوی کے بڑے دوست تھے انہوں

نے میہنہ میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جو اب بھی سرائے شیخ کے نام سے مشہور ہے، جس کی دیوار پر سلطان محمود غزنوی کا نام اس کے لاؤ لشکر اور خدمتگاروں کا ذکر، کندہ ہے، ان دنوں شیخ کمسن تھے، والد سے کہا کہ میرے لئے اس محل میں ایک مکان علیحدہ تعمیر کرائیں جو صرف میرے لئے ہو، آپ کے والد نے فوری طور پر آپ کے لئے محل سرا کے اوپر علیحدہ مکان کی تعمیر شروع کرائی۔ جب مکان مکمل ہو گیا تو شیخ نے کہا کہ اب اس مکان کی ہر دیوار اور چھت پر اسم ذات اللہ، لکھ دیا جائے، والد نے کہا بیٹے اس کا کیا مطلب؟ آپ نے جواب دیا۔ ہر شخص اپنے گھر کی دیوار پر اپنے امیر کا نام لکھواتا ہے آپ کے والد کو یہ بات بہت پسند آئی اور فرمایا کہ محل سرا کی دیواروں پر جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ مٹا دیا جائے، اس دن سے آپ کے والد ماجد نے آپ کو اور نظر سے دیکھنا شروع کیا اور دل کو آپ کے معاملات کی طرف متوجہ کیا،

شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ نے قرآن کریم ابو محمد عنازی علیہ الرحمۃ سے پڑھا جو اپنے وقت کے صاحب ورع و اتقاء بزرگ ہونے کے علاوہ خراسان کے ممتاز قراء میں سے ایک تھے ان کا مزار مقدس شہر نسا میں موجود ہے۔

اقلیم ولایت کی جہانبانی:۔ آپ فرماتے ہیں کہ بچپن میں جب کہ میں قرآن پڑھتا تھا تو میرے والد مجھے نماز جمعہ کے لئے ساتھ لے جاتے تھے ایک روز راستے میں پیر ابو القاسم بشر یاسین علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہو گئی، یہ بزرگ وقت کے مشاہیر علماء اور کبار مشائخ میں سے تھے اور میہنہ میں سکونت رکھتے تھے، انہوں نے جونہی مجھے دیکھا تو میرے والد سے فرمایا۔ اے ابو الخیر یہ بچہ کس کا ہے؟ میرے والد نے کہا میرا، پھر وہ میرے قریب آ کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور میرے چہرے کے قریب اپنا چہرہ لا کر آب دیدہ ہو گئے، پھر فرمایا۔ اے ابو الخیر! میں ایسی حالت میں اس دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتا تھا کہ ولایت کو خالی پاتا اور ان درویشوں کو ضائع ہوتا دیکھتا اب جبکہ تیرے اس بیٹے کو دیکھا تو مطمئن ہو گیا کہ اس بچے کو ولایت میں سے حصۂ وافر ملے گا، جب نماز سے فارغ ہو لو تو اسے میرے پاس لے آنا، ہم جب نماز ادا کر چکے تو

میرے والد گرامی مجھے اُن کی خدمت میں لے گئے، جب ہم اُن کی نشست گاہ میں گئے تو دیکھا کہ ایک طاقچہ بہت بلند اُن کے حجرے میں تھا۔ وہ میرے والد سے کہنے لگے۔ ابوسعید کو کاندھے پر بٹھا کر اونچا کر دتا کہ طاقچے میں پڑی ٹکیہ نیچے لے آئے، میرے والد نے شانے پہ بٹھا کر مجھے اونچا کیا اور میں نے ہاتھ مار کر وہ ٹکیہ طاقچے میں سے اٹھا لی یہ جَو کی ٹکیہ تھی جس کی گرمی کو میں نے اپنی ہتھیلی میں محسوس کیا، ابوالقاسم نے وہ ٹکیہ میرے ہاتھ سے لے لی اور بچشم پُرنم اُسے دو نیم کیا ایک حصہ مجھے کھانے کو دے دیا اور دوسرا خود کھا لیا جبکہ میرے والد کو اُس میں سے کوئی حصہ نہ دیا، میرے والد نے کہا۔ شیخ! کیا بات ہے کہ مجھے آپ نے اس تبرک سے کچھ عطا نہ کیا؟ ابوالقاسم نے جواباً فرمایا۔ اے ابوالخیر مجھے یہ ٹکیہ اس طاقچے میں رکھے ہوئے تیس برس ہو گئے اور مجھ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ ٹکیہ جس کے ہاتھ میں پہنچ کر گرم ہو جائے گی۔ ایک جہاں اس کے ذریعے زندہ ہو جائے گا، اور اُس پہ بات ختم ہو جائے گی۔

اب یہ بشارت پوری ہو گئی کہ وہ شخص تیرا ہی بیٹا ہو گا۔ بعدازاں ابوالقاسم بشر علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اے ابوسعید! یہ کلمات یاد کر لو اور ہمیشہ پڑھا کرو۔ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔

میں نے یہ کلمات یاد کر لئے اور مستقلاً وردِ زبان بنائے پھر ہم اُن کی مجلس سے باہر آ گئے میں نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے اُس روز کیا کیا تھا، تا آنکہ پیر ابوالقاسمؒ رحلت فرما گئے اور ابوسعیدؒ جب پختگی کو پہنچے تو اُن کلمات سے بے شمار فوائد حاصل کئے۔

شیخ ابوسعیدؒ فرماتے ہیں جب میں نے قرآن ختم کر لیا تو میرے والد نے فرمایا۔ کل تمہیں مُعلّم کی خدمت میں جانا چاہیئے۔ میں نے اپنے استاد سے کہا میرے والد یوں کہتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ مبارک ہو، پھر میرے لئے دعا کی اور فرمایا۔ یہ لفظ مجھ سے یاد کر لو۔ اِذَنْ تُسَوِّدُ هِمَّتُكَ عَلَى اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ خَيْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ،

(اگر تیرا ارادہ اور توجہ پلک جھپکنے کی مدت کے برابر بھی اللہ کی جانب ہو جائے تو یہ سارے جہاں کی ملکیتوں سے بہتر ہے) میں نے ان کلمات کو یاد کر لیا، پھر اُستاد نے کہا۔ مجھے معاف کر دو میں نے کہا۔ معاف کیا اور انہوں نے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ اللہ جل جلالہ تمہارے علم میں برکت دے، اگلے روز میرے والد مجھے ابو سعید عنازیؒ کے پاس لے گئے، وہ امام، ادیب اور مفتی العصر تھے، ایک مدت اُن کی خدمت میں رہا۔ اسی اثناء میں، شیخ ابو القاسم بشر علیہ الرحمۃ کی صحبت میں پہنچا اور ان سے مسلمانی کی تعلیم حاصل کی۔

آپؒ نے فرمایا کہ ایک روز شیخ ابو القاسم بشر نے مجھ سے

بندگی و مزدوری میں فرق:- کہا۔ اے ابو سعید! مجاہدہ کرو تا آنکہ لین دین سے طمع کو نکال باہر کر دو کیونکہ اخلاص، طمع کے ہوتے ہوئے ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے کہ عمل، طمع کے ساتھ مزدوری اور اخلاص کے ساتھ بندگی کہلاتا ہے پھر فرمایا یہ حدیث یاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اللہ نے شبِ معراج مجھ سے فرمایا:-

یا محمد ما یتقرب المتقربون الیّ بمثل اداء ما افترضت علیہم ولا یزال یتقرب الیّ العبد بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہٗ سمعاً وبصراً ویداً ومویداً فبی یسمع وبی یبصر وبی یأخذ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے قربت چاہنے والے اسی قدر قریب ہو سکتے ہیں جس قدر فرائض ادا کئے ہوں مگر نوافل کے ذریعے میرا بندہ مسلسل مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے تا آنکہ میں اُسے چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اُسے محبوب رکھوں تو میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور اس کا مؤید بن جاتا ہوں کہ وہ میرے ذریعے سنتا دیکھتا اور پکڑتا ہے۔

پھر فرمایا۔ فریضہ کی ادائیگی بندگی ہے، اور نوافل ادا کرنا دوستی، بعد ازاں یہ شعر پڑھے ؎

کمال دوست چہ آمدز دوست بے طمعی — چہ قیمت آورد آں چیز کش بہا باشد
عطا دہندہ ترا بہتر از عطا بیقین — عطا چہ باشد چوں عین کیمیا باشد

ترجمہ اشعار:- ۱- کمالِ دوستی کا دارو مدار بے طمع دوستی پہ ہے؛-
اور اس شے کی کیا قدر ہو سکتی ہے جس کی قیمت مقرر ہو،
۲:- یقیناً تیرے لئے عطا کرنے والے کی ذات اس کی بخشش و عطا سے کہیں بہتر ہے کیونکہ عطا کی کیا وقعت ہو گی جبکہ خود اس کا منبع کیمیا ہو۔

خُدا سے باتیں:- شیخ ابو سعید نے فرمایا۔ ایک روز ابوالقاسم بشر یاسین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے فرمایا۔ بیٹے! کیا یہ چاہتے ہو کہ اللہ سے ہمکلامی کرو؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ فرمانے لگے، جب بھی تنہائی ملے یہ کہو کہ ؎

بے تو جانا قرار نتوانم کرد!! — احسان ترا شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زفاں شود ھر موی — یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ اشعار:- ۱- میرے محبوب! تیرے بغیر چین نہیں آسکتا، تیرے احسان شمار نہیں کر سکتا۔
۲- اور اگر میرے بدن کا ہر بُنِ مو زبان ہو جائے تو بھی تیرے ہزار احسانوں کا ایک شکر ادا نہیں کر سکتا،

میں یہ اشعار اکثر پڑھتا رہا جس کے نتیجے میں کم عمری ہی میں راہِ حق مجھ پہ کشادہ ہو گئی۔ ابوالقاسم بشر یاسینؒ نے ۳۸۰ھ میں بمقام میہنہ رحلت فرمائی شیخ ابو سعیدؒ جب بھی میہنہ کے گورستان جاتے ابتدائے زیارت آپ ہی کے مرقد پُر انوار سے فرماتے،

شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں۔ ایک نابینا بزرگ مسجد میں آکر بیٹھا اور اپنا عصا اپنی پشت کے پیچھے رکھ دیا۔ اُس نے گفتگو کے دوران یہ بتایا کہ اُس کی مسجد خانقاہِ شیخ کے در پہ ہے، ایک دن میں اس کے قریب ہوا۔ اس حال میں کہ بستہ میرے ہاتھ میں تھا کیونکہ اس وقت استاد سے پڑھ کر آرہا تھا، میں نے اس بزرگ کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور کہا۔ بابا ابوالخیر کے بیٹے ہو؟

ما۔ زبان

میں نے کہا ہاں کہنے لگے۔ کیا پڑھتے ہو جواب دیا۔ فلاں کتاب۔ کہنے لگے مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقۃ العلم ما کشف علی السرائر: مجھے تو معلوم ہی نہ تھا کہ حقیقت کا کیا معنی ہے؟ اور کشف کسے کہتے ہیں تا آنکہ ساٹھ برس بعد حق تعالیٰ نے اُس قول کا معنیٰ مجھ پر منکشف فرمایا۔

تحصیل علوم لغت وفقہ:۔ جب شیخ ابوسعیدؒ علم لغت کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو فقہ کی تعلیم پانے کے لئے مَرو تشریف لے گئے۔ اور ایک روز اثنائے گفتگو میں فرمایا۔ اُس روز جب میں میہنہ سے مَرو کی جانب روانہ ہوا تھا تو مجھے تیس ہزار شعر یاد تھے،

مَرو میں آپ نے فقہ کا درس حضرت امام ابوعبداللہ الحضریؒ سے حاصل کیا، جو اپنے وقت کے امام اور مفتی ہونے کے ساتھ علم طریقت سے کاملاً بہرہ ور اور جملہ ائمہ کرام میں معتبر مانے جاتے تھے، وہ ابن سُریج کے شاگرد تھے، اور ابن سریجؒ مُزنی کے شاگرد تھے۔ اور مُزنی، شافعی مطلبی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

فقہی مسلک:۔ آپ شافعی المسلک تھے، اور اسی طرح اکثر مشائخ جو امام شافعی کے بعد ہوئے وہ شافعی المسلک ہی تھے، اور اگر کسی شخص نے راہ تصوف اختیار کرنے سے پہلے کسی مسلک سے تمسک کیا بھی تو اللہ جل شانہ، نے اپنے کمال لطف وکرم سے اُسے نوازا اور وہ بالآخر مسلک شافعی میں داخل ہوا جیسا کہ شیخ حصریؒ نے کیا، جو کہ بغداد میں تھے، اُن کے علاوہ اور کئی شیوخ نے بھی ایسا ہی کیا، اگر اُن تمام کے احوال یہاں بیان ہوں تو طوالت کا خدشہ ہے۔ جہاں تک حضرت امام شافعیؒ سے قبل کے مشائخ کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب اپنے اپنے مشائخ کے مسلک پر تھے۔

بعض نے کہا کہ شیخ کبیر بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ حنفی المسلک تھے، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مُرید اور اُن کے سقہ تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نے انہیں بایزید سقا کہا ہے، اور بایزیدؒ، مسلکِ امام جعفر صادق رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے برادر خاندان مبارک مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ وسلامُ علیہ کے امام تھے۔

مسلکِ شیخ کی پیروی:- طریقت میں کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ مرید اپنے پیر کے علاوہ کوئی مسلک رکھے یا کسی طرح بھی اپنے مرشد کے عقیدہ اور حرکات و سکنات کے خلاف چلے،

ہماری اس بات سے کہ مشائخ۔ عظام مسلک شافعی رکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اس سے حنفی مسلک کو نقصان پہنچانا مقصود ہے۔ حاشا وکلا ہماری نیت میں مسلک امام سے متعلق ایسی کوئی مخالفانہ بات موجود نہیں اور ہم ہر اس غلط خیال سے جو کسی کے دل میں پیدا ہو اللہ کی پناہ مانگتے ہیں،

مقام امام ابو حنیفہؓ:- حضرت امام ابو حنیفہؓ کی عظمت اور زھد اُس سے کہیں زیادہ ہے جس قدر کہ ہمارے علم میں ہے، بے شک وہ امت محمدیہ کے چراغ اور مقتدائے ملت تھے،

مذہب شافعی اور حنفی درحقیقت ایک جیسے ہیں، اور دونوں ائمہ کرام نے جو کچھ کہا قرآن کریم کی اتباع میں کہا اور جو کچھ کیا حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کیا، اور جو شخص بھی ان دونوں حضرات کے معاملے میں بے تعصب ہو کر غور کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ دونوں ایک ہیں اگر اُن کے مابین فروعی اختلاف نظر آئے تو اسے اِختلافُ اُمتی رحمۃٌ (میری امت کا باہمی اختلاف رحمت ہے) کے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے دین کے بارے میں تساہل برتا ہو اُسے مَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّینِ مِنْ حَرَجٍ (دین کے معاملہ میں تم پر کسی گناہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا) کے مطابق مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "بُعِثْتُ بالحنفیۃ السمحۃ السھلۃ"، (مجھے راست، نرم اور فیاض دین دے کر مبعوث کیا گیا) کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے نہ کہ تعصب کو راہ دی جائے جیسا کہ اکثر و بیشتر ہوتا آیا ہے، اور یہ جان لینا چاہیئے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا حق کے مطابق فرمایا، اور یہ بزرگان کرام اُس تعصب سے جو ہماری طبائع میں رچ گیا ہوا ہے یقیناً پاک صاف تھے، جیسا کہ باسناد صحیح ہم تک یہ روایت ابوالدرداؓ سے پہنچی انہوں نے کہا: رأیتُ مَالِکْ بن

انس وا باحنیفۃ رضی اللہ عنہما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلوٰۃ العشاء الاخیرۃ وھما یتذاکران ویتدارسان حتیّٰ اذا وقف احدھما علی القول الذی قال بہ وعمل علیہ امسک احدُھما عن صاحبہٖ من غیر تعنّتٍ ولا تعسفٍ ولا تخطئۃ لواحد منھما حتی صلیّا الغداۃ فی مجلسھما ذلک"

(ترجمہ:- میں نے مالک بن انس اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کو بعد از نماز عشا مسجد نبوی میں کسی معاملے پر بات چیت اور بحث و تمحیص کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی ایک کسی ایسے قول پر مطلع ہوا کہ جو قول و فعل رسول سے ثابت تھا تو وہ دوسرے کے حق میں بغیر اعتراض، تاویل لاحاصل اور غلطی کے دست بردار ہو جاتا اور یہ سلسلہ ان کے مابین جاری رہا تا آنکہ دونوں نے صبح کی نماز اکٹھے ادا کی۔

سنت پر عمل کی حیرتناک مثال:- یہ جاننا ضروری ہے کہ طائفہ صوفیہ کا طریق احتیاط روی ہے اور مشائخ کرام نے ابتداء مجاہدہ میں اپنے اوپر اکثر بعض چیزیں واجب کر لی ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق سنت سے اور بعض کا نوافل سے ہے جیسا کہ شیخ بو عمر سحوانی نے کہا ہے کہ سید الرسل صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی اس حدیث مبارک کہ:- الید الیمنیٰ لِاَ عَالِی البدن والید الیُسریٰ لِاَ سافلِ البدن" دایاں ہاتھ بدن کے اوپر والے حصوں کے لئے ہے اور بایاں ہاتھ بدن کے نچلے حصوں کے لئے" کے مطابق آج تیس برس ہو گئے ہیں کہ میرا دایاں ہاتھ کبھی زیر ناف نہیں پہنچا اور بایاں ہاتھ بالائے ناف نہیں پہنچا۔

دھرتی کا احترام:- بشر حافی علیہ الرحمۃ پاؤں میں جوتا کبھی نہیں پہنتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ قول باری ہے: " اللہ الذی جعل لکم

الارض بساطاً "[1] ترجمہ

(چونکہ زمین اللہ کا بنایا ہوا فرش ہے۔ لہذا میں یہ روا نہیں سمجھتا کہ اس کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتے سمیت پاؤں دھروں، آپ ساری زندگی پابرہنہ ہی چلتے تھے اسی وجہ سے انہیں حافی (برہنہ پا) کے لقب سے پکارا گیا۔

شیخ ابوسعید قدس سرہٗ نے فرمایا۔ جو کچھ میں نے پڑھا اور کتابوں میں دیکھا یا سُنا کہ اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا یا اس کے بجالانے کا حکم دیا اُس پر عمل کیا! اور پیغمبران عظام علیہم السلام کے جملہ اعمال پر بھی عمل کیا، (جن کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی)

صوفیہ اور مسلک شافعی:- الغرض جملہ مشائخ کی زندگیاں سنت مصطفیٰ کے عملی مرقع تھیں، اور نوافل تو ان کا معمول تھے۔ وہ ہر اس عمل کو اختیار کرتے جس میں مجاہدۂ نفس اور احتیاط کا عنصر زیادہ شامل ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ صوفیہ اکثر شافعی المذہب ہوتے تھے کیونکہ امام شافعی کے ہاں امور دین میں سختی اور شدت برتی گئی ہے۔ صوفیہ کرام کا شافعی مسلک اپنانا، اس مسلک میں مجاہدۂ نفس پر زیادہ زور دینے کے سبب ہے نہ کہ اُن کے ہاں دونوں مسلکوں میں کسی اختلاف یا فرق کی وجہ سے،

ائمہ اربعہ:- میرے نزدیک ائمہ اربعہ کی مثال خلفاء راشدین کی سی ہے، کہ سب کو حق پر گرداننا ہوں اور تہہ دل سے ہر ایک کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے فضائل و خصائل کو مانتا ہوں، اُن کی خلافت کی حقیقی گواہی دیتا ہوں کسی طرح انکار نہیں کرتا اور امت مسلمہ کے حق میں دُعا کرتا ہوں کہ ان کے دلوں سے صحابہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ سلف اور مشائخ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں بغض و عناد اور طعن و تعصب نکل جائے، اور وہ سب کو سچا مانیں، کہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر تصور کرنا انتہائی نیک روش ہے، اور ہر حال میں اعتراض کرنے

---

[1] :۔ وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنا دیا۔

سے احتراز بہت پسندیدہ عمل ہے، جو شخص دوسروں کے گناہ ٹٹولتا ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

اللہ سب کو اپنے جود و کرم کے ذریعے اپنی رضا سے قریب فرمائے شیخ ابو سعیدؒ نے پانچ سال مسلسل امام ابو عبداللہ حصری سے مختلف و متفق احادیث کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل ہوئی تو امام موصوف رحلت فرما گئے۔ ان کی قبر مرو میں ہے، بعدازاں آپ نے مزید پانچ برس تک امام ابوبکر قفالؒ مروزی سے فقہ کا درس لیا۔ درسِ قفالؒ میں شیخ ناصر مروزیؒ، شیخ ابو محمد جوینیؒ اور شیخ ابو علی سنجیؒ آپ کے ہم درس تھے جو مقتدائے جہان تھے، اس مدت میں آپ نے درس امام قفالؒ سے مکمل کئے۔ مرو کے بعد آپ نے سرخس کا ارادہ کیا جہاں امام ابو علی زاہد بن احمدؒ سے مشرفِ تلمذ حاصل کیا، امامِ موصوف مفسر، محدث اور فقیہ تھے سرخس میں مذہب شافعی کو انہوں نے عام کیا۔

یہ ائمہ کرام ہی تھے جن کے نفوس قدسیہ کے دسیلے سے اُن کے علاقوں کے لوگوں نے فتنۂ اعتزال سے نجات حاصل کی اور مذہب شافعی میں داخل ہوئے، جیسا کہ حمید رحمویہؒ نے شہر ستانہ، فرادہ اور نسا میں بو عمر اور فراہیؒ نے استوا اور خوجان کے علاقوں میں، ابو لبابہ میہنی نے ابیورد اور خاوران کے شہروں میں اور بو علی فقیہؒ نے سرخس کے مقام پر اس کارِ خیر کو انجام دیا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین شیخ ابو سعیدؒ صبح کے وقت بو علی فقیہؒ سے تفسیر، ظہر کے وقت علم اصول اور عصر کے وقت اخبارِ رسول کا علم حاصل کرتے تھے، بو علی فقیہؒ کی تربت سرخس میں ہے۔ آپ بو علی فقیہ سے اسی ترتیب کے ساتھ علم حاصل کرنے کے دوران لقمان سرخس کو دیکھا جو راکھ کے ٹیلے پر بیٹھے اپنی پوستین پر پیوند سی رہے تھے۔ لقمان عقلائے مجانین میں سے تھے۔ ابتدا میں بہت ریاضات و مجاہدات کئے اچانک ایسا کشف ہوا کہ عقل جاتی رہی جیسا کہ شیخ نے کہا کہ لقمان ابتدا میں مردِ مجتہد اور متقی تھے، بعدازاں ان میں جنوں کے آثار ظاہر ہوئے جس سے ان کے مجاہدات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ کسی نے لقمان سے پوچھا لقمان! وہ کیا تھا اور اب یہ

لیے ۔ ت ہے ؟ جواب دیا جس قدر بندگی زیادہ کی ہے۔ لازمی امر ہے کہ اسی قدر زیادہ تھک گیا ہوں گا۔ لہٰذا میں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ الٰہی! بادشاہوں کا دستور ہے کہ جب اُن کے غلام بوڑھے ہو جائیں تو انہیں آزاد کر دیتے ہیں۔ تو غالب بادشاہ ہے اور میں تیری بندگی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب مجھے آزاد فرما دے۔ اتنے میں ندا آئی کہ اے لقمان! تجھے آزاد کیا، اور آزاد اس طرح کیا کہ اس کی عقل سلب کر لی۔

شیخ ابو سعید اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لقمان امرِ الٰہی سے اللہ کا آزاد کردہ ہے۔ شیخ نے کہا کہ میں لقمانؒ کے نزدیک ہوا۔ وہ بدستور پوستین پر پیوند لگانے میں مصروف تھا اور میں اس کی طرف دیکھنے میں مشغول، شیخ اس طرح لقمانؒ کے قریب کھڑے تھے کہ ان کا سایہ لقمانؒ کی پوستین پر پڑ رہا تھا۔ جب لقمان نے پیوند لگا لیا تو کہا۔ اے ابو سعید! میں نے اس پیوند کے ساتھ تمہیں بھی اس پوستین پر سی دیا ہے، پھر اُٹھا میرا ہاتھ پکڑا اور پیر ابو الفضل حسن کی خانقاہ پر لے گیا، دروازے پر آواز دی، پیر ابو الفضل باہر آئے لقمان نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ اے ابو الفضل! اس پر توجہ کرو کہ یہ تمہاری ملکیت ہے بلاشبہ پیر ابو الفضل اپنے عہد کے بلند پایہ صوفی تھے۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا:۔ پیر ابو الفضل حسنؒ کے اس جہاں سے رخصت ہونے کے بعد جب کہ شیخ ابو سعید درجہ کمال کو پہنچے تو اُن سے سوال کیا گیا کہ یہ رتبہ بلند کہاں سے عطا ہوا؟ فرمایا، پیر ابو الفضلؒ کی ایک نظر سے اور وہ اس طرح کہ اک روز میں سرخس میں بو علی فقیہؒ سے تحصیل علم کے دوران، نہر کے کنارے جا رہا تھا کہ سامنے سے پیر ابو الفضل آ نکلے، انہوں نے کنکھی سی اک نظر مجھ پر ڈالی، اور اس روز سے آج تک جو کچھ بھی رکھتا ہوں انہی کی دین ہے۔

اسم ذات کی جان نواز یاں:۔ شیخ کہتے ہیں کہ پیر ابو الفضل نے میرا ہاتھ پکڑا اور خانقاہ میں لے گئے چبوترہ پر بیٹھے تو ایک جلد اٹھائی اور مطالعہ کرنے لگے میرے دل میں یہ خیال گذرا جیسا کہ پڑھے لکھے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کتاب کس فن میں

ہو گی، پیر کو معلوم ہو گیا اور کہا۔ اے ابا سعید! ایک لاکھ چوبیس ہزار مرسلین علیہم اسلام جو اس دنیا میں آئے تو سب نے اپنی امتوں کے لئے ایک ہی لفظ اللہ ہی کو مقصود ٹھہرایا اور کہا کہ بس اس کے ہو جاؤ وہ افراد جن کو سماعت حاصل تھی وہ یہی کلمہ کہتے رہے تا آنکہ سراپا وہی کلمہ ہو کر رہ گئے، جب اپنے تمام وجود سمیت اس کلمہ کے ہو کر رہ گئے تو اسی میں مستغرق ہو کر پاک صاف ہو گئے پھر یہی اسم ذات اُن کے دل میں ظاہر ہوا اور وہ اس کے زبانی کہنے سے بے نیاز ہو گئے، شیخ فرماتے ہیں کہ اس بات نے میرا دل موہ لیا اور اُس رات نیند نہ آئی، حتیٰ کہ جب صبح کی نماز اور اوراد و وظائف سے فارغ ہوا تو سورج نکلنے سے پہلے پیر سے اجازت لی اور درسِ تفسیر میں شامل ہونے کے لئے بوعلی فقیہ کے درس میں بیٹھا، اس روز درس کا آغاز اس آیت سے ہوا۔ "قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون"[1]

شیخ کہتے ہیں کہ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے سینہ کو کھول دیا

وادیہائے محبت :

گیا ہے اور مجھے مجھ سے چھین لیا گیا، امام بوعلی فقیہؒ نے میرے باطن کے اس تغیر کو دیکھ لیا، کہنے لگے۔ کل کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا پیر ابوالفضل حسنؒ کے پاس فرمایا۔ اٹھو اور پھر وہیں چلے جاؤ کہ تیرا ان معانی بلند سے اس درس کی طرف آنا حرام ہے، میں پیر ابوالفضلؒ کے پاس چلا گیا سخت حیران کہ سراپا کلمہ اسم ذات ہو چکا تھا، جب پیر نے دیکھا تو فرمایا۔ اے ابا سعید! مست ہو گئے ہو کہ اب پس و پیش کا بھی پتہ نہیں، میں نے کہا۔ یا شیخ! کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا۔ آؤ، بیٹھو اور اس کلمہ کے ہو جاؤ کہ یہ کلمہ تجھ سے کئی کام رکھتا ہے۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک مدت تک اُن کی خدمت میں گفتار حق کے ساتھ اس کلمہ کا حق ادا کرتا رہا۔ ایک روز پیرؒ نے فرمایا۔ اے ابوسعید! اس کلمہ کے حروف کے دروازے تجھ پر کھول دیئے گئے اب لشکر کے لشکر تیرے سینہ پر دھاوا بولیں گے، طرح طرح کی وادیاں دیکھو گے، پھر کہا تجھے لے

---

[1] :-

گئے اٹھو اور خلوت طلب کرو اپنے اور لوگوں کی جانب سے منہ موڑ لو، اور نظارہ و تسلیم کی کیفیت میں کھو جاؤ۔ شیخ ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے وہ سارے علوم و فنون ایک طرف رکھے اور میہنہ آ گیا، یہاں گھر کے اس ایک کونے میں بیٹھ گیا (انہوں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا، سات سال وہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہا، جونہی غفلت یا اونگھ حملہ کرتی تو محراب میں سے ایک سپاہی آتشین ہتھیار لے کر نکلتا اور انتہائی ہیبت و خوف طاری کر دینے والی آواز میں کہتا۔ ابو سعید! قُل اللہ! (کہو اللہ) میں دن رات اُس خوف سے سو نہ سکتا، اور اللہ اللہ کرتا رہتا تا آنکہ میرے پورے وجود میں سے اللہ اللہ کا آوازہ بلند ہونے لگا، اور میں پھر پیر ابوالفضل حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

پیر بوالفضل حسنؒ، شیخ ابو سعیدؒ کے پیر صحبت تھے، جبکہ خود پیر بوالفضل شیخ ابو نصر سراج علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، جنہیں طاؤس الفقراء کہا جاتا ہے، علم طریقت و حقیقت میں اُن کی تصانیف ہیں، ان کا مسکن طوس تھا۔ مرقد مبارک بھی وہیں ہے۔ ابو نصر سراجؒ نے ابو محمد عبد اللہ بن محمد المرتعش کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یہ عظیم صوفی اور یگانۂ عصر بزرگ تھے، بغداد میں وفات پائی شیخ المرتعشؒ سید الطائفہ جنیدؒ کے مرید تھے اور جنیدؒ سری سقطیؒ کے مرید تھے، سری سقطیؒ معروف کرخیؒ کے مرید تھے اور وہ داؤد طائیؒ کے مرید تھے۔ اور وہ حبیب عجمی کے مرید تھے اور وہ حسن بصری کے مرید تھے اور وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے مرید تھے جبکہ حضرت علیؓ سید الاولین والاخرین محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرید اور داماد تھے،

جیساکہ گزر چکا کہ آپ دوسری بار شیخ بوالفضل حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی خانقاہ میں انہیں ایک جگہ عطا فرمائی، اور مسلسل آپ کے افعال پر نظر رکھتے ہوئے تہذیب اخلاق اور ریاضات میں آپ کی نگرانی فرماتے رہے، شیخ فرماتے ہیں کہ ایک رات جماعت سو رہی تھی، خانقاہ اور قصبے کے سب دروازے بند تھے اور میں پیر بوالفضلؒ کے ساتھ چبوترے پر بیٹھا تھا، معرفت کی گفتگو جاری تھی کہ ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا۔ لقمانؒ کو دیکھا کہ خانقاہ کی چھت سے اُڑ کر نیچے ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور اس طرح سے مسئلہ کی تشریح بیان کی کہ میرا

اشکال رفع ہو گیا اور وہ دوبارہ اُڑ کر روشندان سے نکل گئے۔ پیر ابوالفضل نے کہا اے ابوسعید! اس شخص کی خانقاہ میں منزلت دیکھتے ہو؟ میں نے کہا۔ دیکھتا ہوں، کہا کہ پیروی کئے جانے کے قابل نہیں! میں نے کہا۔ کیوں؟ کہا۔ اس لئے کہ علم نہیں رکھتا۔

عشق کی تنہائیاں:۔ شیخ ابوسعیدؒ نے جب ایک مدت خانقاہ ابوالفضلؒ میں گزار دی تو پیر نے اُن سے کہا کہ وہ ان کی خلوت گاہ میں آجائیں، پھر ایک مدت تک پیر نے اُن کے ریاضات ومجاہدات کی نگرانی فرمائی بعد ازاں اُنہیں ان کی جائے سکونت میہنہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ والدہ کی خدمت میں لگ جاؤ، شیخ ابوسعیدؒ میہنہ چلے آئے اور اپنی خلوت گاہ میں بیٹھ گئے زہد پر دوام کیا، اس دوران اس قدر وسواس پیدا ہوا کہ در و دیوار تک کو دھوڈالتے اور وضو کرنے میں کتنے ہی لوٹے پانی کے صرف کر ڈالتے، ہر نماز کے لئے غسل کرتے کسی دیوار پر تکیہ نہ کرتے کسی بستر پر پہلو نہ رکھتے اس سارے عرصے میں اُن کے پاس ایک ہی پیراہن تھا۔ جب بھی پھٹ جاتا اس پر ایک پیوند لگا دیتے یہاں تک کہ پیوند لگاتے لگاتے اُس کا وزن بیس سیر کو پہنچ گیا، کبھی کسی سے جھگڑا نہ کرتے ضرورت پڑنے پر بھی کسی سے بات نہ کرتے، دن کے وقت کچھ نہ کھاتے اور نان کے ایک ٹکڑے سے افطار فرماتے، رات کو بیدار رہتے، اپنی خلوت گاہ کی ایک دیوار میں اپنے قد کے برابر جگہ بنالی ہوئی تھی۔ دروازے بند کر کے اُس میں کھڑے ہو جاتے اور ذکر و فکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے، کانوں میں روئی ٹھونس لیتے کہ کچھ سننے نہ پائیں، اور اس طرح اُن کی توجہ منتشر نہ ہو، اپنے باطن پر اس طرح سے توجہ کرتے کہ دل میں سوائے اللہ کے کسی شے کا گزر تک نہ ہوتا، خلق سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی، مسلسل اسی تجرد و انفراد کی زندگی سے اُن میں لوگوں سے ملنے کی تاب باقی نہ رہی اور بالآخر وہ کوہ و بیابان کی طرف نکل گئے وہیں رہتے اور مباحات جنگل میں سے تناول فرماتے ایک ماہ بیس دن گم رہے، اِدھر اُن کے والد ماجد دن رات تلاش کرتے مگر کہیں پتہ نہ پاتے، آخر کسی کارواں یا دہقان نے انہیں دیکھ لیا اور آپ کے والد کو اطلاع کر دی، وہ فوراً گئے اور انہیں واپس لے آئے۔ والد کی خوشنودی کی خاطر وہ

آ گئے مگر شہر میں پھر گزارہ نہ کر سکے اور دوبارہ صحراء کی جانب نکل گئے، کئی لوگوں نے شیخ کو بیابان میں سفید لباس میں ملبوس ایک بارعب بزرگ کے ہمراہ دیکھا، بعد میں جب کسی نے پوچھا کہ وہ شیخ پیر سال کون تھے تو جواب دیا کہ خضر علیہ السلام تھے میں نے شیخ ابوالقاسم جنید بن علی الشرمقانیؒ کے ہاتھ سے لکھی ایک تحریر دیکھی جس میں انہوں نے کہا تھا میں شیخ ابوسعیدؒ کے ساتھ میہنہ کے راستے میں جا رہا تھا کہ انہوں نے پہاڑ کے سامنے مجھ سے کہا۔ اے ابوالقاسم یہ پہاڑ وہ ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر لے گیا جیسا کہ فرمایا: ورفعنٰہ مکانا علیا [۱]

پھر اُس پہاڑ کی طرف اشارہ کیا جو کہ ادریس علیہ السلام کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اور وہاں سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر حرو اور تیاران کے مقامات ہیں پھر کہا کہ اس پہاڑ میں کچھ لوگ مشرق و مغرب سے آتے ہیں اور رات کو یہیں ہوتے ہیں، اور انہوں نے کئی مساجد یہاں بنا رکھی ہیں میں بھی کئی مرتبہ اس جگہ رہا ہوں، ایک رات کو میں اسی پہاڑ پر تھا اور اُس میں ایک تودہ ایسا پہاڑ سے باہر کو نکلا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں جائے اور نیچے کو نگاہ کرے تو خوف سے بے ہوش ہو جائے اس تودے پر میں نے سجادہ بچھایا اور خود سے کہا کہ دو رکعت نماز میں سارا قرآن کریم اللہ کی توفیق کے ساتھ ختم کروں گا، اسی لمحے یہ خیال بھی دل میں آیا کہ اگر نیند آ گئی تو نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں گا، جب میں نے قرآن کریم کا ایک حصہ پڑھ لیا اور سجدے میں گیا تو نیند نے غلبہ کیا حالتِ خواب میں نیچے گر گیا، جب خواب سے بیدار ہوا تو خود کو ہوا میں معلق پایا، میں نے امان کی درخواست کی، اور حق تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ مجھے پہاڑ کی چوٹی پر لے آیا۔

اکثر و بیشتر شیخ ابوسعیدؒ کی نشست رباطِ کہن میں ہوتی تھی اور یہ ابیورد کے راستے میں میہنہ کے کنارے ایک سرائے ہے، ہمارے شیخ نے اکثر ریاضات و مجاہدات یہیں مکمل کئے۔ مرو کے راستے میں میہنہ کے دروازے سے نزدیک ایک اونچائی ہے جسے زعقل کہتے ہیں، اسی طرح طوس

---

[۱] ہم نے اُسے بلند جگہ پر پہنچا دیا۔

کے رستے میں سر کلہ کے نام سے میہنہ سے دو فرسنگ کے فاصلے پر دامن کوہ میں ایک اور سرایے ہے
اور ایک سرایے گورستان کے نام سے میہنہ کے دروازے پر واقع ہے

آپ نے کہا کہ ایک روز خوب دلدل ہو رہی تھی، میرا دل حد درجہ تنگ ہو رہا تھا اور کیفیت حضور مفقود تھی، پیچکے سے نکلا اور اپنے گھر کے دروازے پر آن بیٹھا، میری والدہ نیچے آئیں اور آواز دی کہ اندر آجاؤ، میں نے اچھا سا جواب دیا۔ جب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ چلی گئیں تو اٹھا جوتا ہاتھ میں لیا اور رباطِ گورستان چلا گیا، کچھ آگے پہنچا تو دیکھا کہ پانی چل رہا ہے۔ پاؤں دھو کر جوتا پہن لیا اور دروازے پر دستک دی، نگہبان نے در کھول دیا، وہ میرے جوتے کو دیکھتا جاتا تھا اور متعجب ہو کر کہتا تھا، اس کیچڑ و دلدل والے دن میں اس کے جوتے خشک ہیں، الغرض میں داخل ہوا، اندر ایک مکان تھا میں اُس میں داخل ہوا اور دعا کی کہ اے بارِ خدایا! تجھے تیری خدائی خداوندی عظمت، جلال کبریائی، سلطانی، پاکی و کامرانی کا واسطہ ہے کہ جو کچھ تیرے بندگان خاص نے چاہا اور تو نے انہیں عطا فرمایا اور ہر وہ چیز جو انہوں نے نہیں چاہی اور ان کی سمجھ اس تک نہیں پہنچی مگر تو نے اُن کے لئے مخصوص فرمائی اور وہ شے جو تیرے پوشیدہ علم میں ہے کہ کسی کو اُس کی خبر نہیں، نہ کوئی اسے پہچانتا اور جانتا ہے مگر صرف تیری ذاتِ برحق، کہ تو اُس سے اس بندے کو محروم نہیں فرمائے گا، جب میں نے یہ دعا کی تو پھر باہر آیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ مذکورہ تمام مقامات حضرت شیخ کی عبادت گاہیں تھیں جب میہنہ میں ہوتے تو اکثر اپنی جگہوں میں رہتے اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہیں ایسی ہیں کہ اُن کا ذکر باعثِ طوالت ہوگا، ان جگہوں کے ذکر سے سوائے اس کے اور کوئی فائدہ مقصود نہیں کہ اگر کسی کو اللہ توفیق عطا فرمائے۔ تو وہ اُن کی زیارت کرے۔

الغرض شیخ اکثر لوگوں سے بھاگ کر ان جگہوں پر تنہا عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور ان کے والد ماجد مسلسل اُن کو ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد واپس لا کر خوب نگہداشت کرتے تا کہ وہ تنگ نہ آجائیں۔

پدرِ شیخ کے اندیشے اور عشق کی رازداریاں:۔ آپ کے والد بیان کرتے ہیں کہ ہر رات جب میں نماز سے فارغ ہوتا تو گھر کا دروازہ بند کر کے زنجیر ڈال دیتا اور کان لگائے رکھتا کہ ابو سعیدؒ سو جاتے، جب وہ سر تکیہ پر رکھ لیتا اور میں یہ جان لیتا کہ وہ سو گیا ہے تو میں بھی سو جاتا۔ ایک مرتبہ نصف شب کو میری آنکھ کھلی تو ابو سعیدؒ کو کمرے میں نہ پایا، اٹھا اور پورے گھر میں تلاش کیا مگر بے سود، دروازے پر گیا تو زنجیر نہیں لگی تھی۔ پھر آ کر سو گیا، صبح کی اذان کے وقت وہ دروازے سے داخل ہوا۔ اور آ کر سو گیا چند راتیں میں نے کان لگائے رکھے اور وہ اسی طرح کرتا رہا میں نے بھی اُس سے کوئی ذکر نہ کیا، بلکہ یہ ظاہر کرتا رہا کہ جیسے مجھے علم ہی نہیں، مگر ہر رات اس کے اس طرح نکل جانے سے مجھے شفقتِ پدری کے باعث طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو گئے، کیونکہ الصدیق مولع بسوءِ الظن اور میں خود سے کہتا تھا کہ جوان ہے اور الشباب شعبۃ من الجنون کے مصداق کہیں شیاطینِ جن یا انس نے اُس کا راہ نہ روک لیا ہو، مختصر یہ کہ میں نے طے کر لیا کہ ایک رات اُس کا تعاقب کر کے پتہ چلاؤں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے، اپنے معمول کے مطابق ایک شب جب وہ اٹھا اور نکل کھڑا ہوا تو میں بھی فاصلہ رکھ کر اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا کہ اُسے میرا پتہ نہ تھا وہ رباط کہن پہنچ کر اس کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ میں اس رباط کی چھت پر چڑھ گیا، وہ رباط کے اندر کی مسجد میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر لیا، میں اُس جگہ روشندان سے دیکھنے لگا، مسجد میں ایک جگہ رسی لکڑی سے بندھی پڑی تھی اُس نے رسی اور لکڑی اٹھائی اور مسجد کے ایک کونے میں کنویں پر چلا گیا، رسی اپنے پاؤں میں باندھ کر اُس لکڑی کو کنویں کے منہ پر اُفقاً رکھ کر خود کنویں میں اُلٹا لٹک گیا پھر قرآن کو ابتداء سے تلاوت کرنا شروع کیا میں سنتا رہا تا آنکہ سحر ہونے تک قرآن کریم ختم کر لیا پھر خود کنویں سے باہر نکل آیا، لکڑی کو اپنی جگہ رکھا دروازہ کھول کر باہر آ گیا، اور رباط کے درمیان وضو کرنے میں مشغول ہو گیا، میں چھت سے فوراً اترا اور گھر آ کر آرام سے لیٹ گیا، تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور حسب عادت سر رکھ کر سو گیا بالغرض میں اپنے ہمیشہ کے معمول کے مطابق اس کو بیدار کرتا

اور جماعت میں شامل ہونے کو اکٹھے جاتے، اس کے بعد چند راتیں میں نے اس پہ نگاہ رکھی تو اُس کو اُسی معمول پہ قائم پایا۔ اور ایک مدت وہ ایسا ہی کرتا رہا۔

ایک معمول ابو سعیدؒ کا یہ بھی تھا کہ ہاتھ میں جھاڑو لئے مساجد میں صفائی کرتے رہتے اور کمزوروں ضعیفوں کا ہاتھ بٹاتے، کئی راتیں مشہد مقدس کے دروازے پر لگے درخت سے خود کو معلق کر کے ذکر و فکر میں گزاریں، ہر حال میں اور سخت موسم سرما میں بھی ٹھنڈے پانی سے غسل فرماتے اور درویشوں کی خدمت خود کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شیخ نے کہا۔ میں یہ کہا کرتا تھا کہ علم، عمل اور مراقبہ کی کیفیت پیدا ہو چکی اب ان تمام سے خود کو غائب کرنا چاہیئے، تاکہ ان کا احساس بھی فنا ہو جائے تلاش شروع کی مگر سوائے خدمت درویشان کسی چیز میں اس کیفیت کا حصول ممکن نہ پایا۔ جب اللہ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو نفس کو زیر کرنے کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے، پس میں خدمتِ درویشان میں مصروف ہو گیا اُن کے بیٹھنے وضو کرنے اور پاخانہ کی جگہ کو صاف کرنا، ایک ٹوکرہ اٹھائے رکھتا اور سارا گند اُس میں ڈال کر باہر لے جاتا، ایک عرصہ جب اسی معمول پہ قائم گذر گیا، اور یہ میری عادت میں داخل ہو گیا، تو درویشوں سے مانگنا شروع کر دیا۔ کیونکہ کوئی چیز نفس پہ اس سے بھاری میں نے نہیں دیکھی، جو بھی مجھے دیکھتا پہلے پہل تو ایک دینار دیتا تھا۔ اور کچھ عرصہ گذر جاتا تو یہ معاوضہ گھٹ جاتا اور ایک دانق رہ جاتا، پھر اس قدر گھٹتا کہ ایک کشمش کے دانے تک آ پہنچتا، اور بالآخر کچھ بھی نہ رہتا، ایک روز جماعتِ درویشان آئی اور کوئی کشادگی کی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی، میرے سر پہ دستار تھی میں نے وہ اُن کو پیش کر دی۔ اس کے بعد جوتا بیچ ڈالا، پھر جُبّہ کا اندرونی استر اور اس کے بعد بیرونی استر بھی اُن کے لئے بیچ ڈالا۔ میرے والد نے ایک روز مجھے سر برہنہ اور بغیر جُبّہ کے دیکھا تو کہا۔ بیٹے! آخر اس انداز کو کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا۔ یہ میہنہ کے اس نوجوان کی وہ باتیں ہیں جنہیں آپ نہیں جانتے،

شیخ ابو سعید برابر مساجد میں جھاڑو پھیرتے اور اپنا مال و جاہ درویشوں اور خلقِ خدا پر خرچ کرتے

رہے، چاہے ایک لقمہ نان کیوں نہ ہوتا جب کبھی کوئی مسئلہ مشکل پیش آجاتا تو فوراً اپنے پیر ابو الفضل حسن کے پاس سرخس تشریف لے جاتے اور اشکال رفع ہو جاتا تو واپس آجاتے

آپ کے ایک مرید شیخ عبد الصمدؒ کی زبانی یہ صحیح روایت ہم تک پہنچی کہ بسا اوقات جب سرخس جاتے تو ہوا میں اڑ کر جاتے، مگر سوائے ارباب تصوف کے کوئی اور انہیں اس حالت میں نہ دیکھ سکتا، پیر ابو الفضل حسنؒ کے ایک مرید احمدؒ نامی تھے انہوں نے ایک روز آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا تو پیر ابو الفضل کے پاس جاکر آپ کے آنے کی اطلاع دی، اور کہا کہ ہوا میں معلق آرہے ہیں، پیر نے پوچھا۔ تو نے انہیں دیکھا، کہا۔ میں نے دیکھا، پیر نے فرمایا۔ دنیا سے رخصت نہ ہو گے جب تک اندھے نہ ہو جاؤ، شیخ عبد الصمد کہتے ہیں کہ احمدؒ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے جیسا کہ شیخ ابو الفضلؒ نے اشارہ کیا تھا۔

شیخ ابو سعیدؒ نے ایک مدت اسی طرح مجاہدہ جاری رکھا۔ اور پیر ابو الفضل حسنؒ کی خدمت میں ایک بار پھر سرخس چلے گئے۔ ایک سال مزید وہاں رہے جس کے دوران پیر نے انہیں طرح طرح کی ریاضتوں سے گذارا۔

کہتے ہیں کہ پیر ابو الفضل حسنؒ نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا مگر یہ روایت درست نہیں کیونکہ ان کی پوری زندگی کے دوران آپ مجاہدات میں مشغول رہے خرقہ پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ پیر ابو الفضل حسنؒ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بعد ازاں آپ شیخ عبد الرحمٰن سُلمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچے اور انہی سے خرقہ پایا اور شیخ عبد الرحمان سلمی علیہ الرحمۃ نے ابو القاسم نصیر آبادی علیہ رحمۃ سے انہوں نے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے سید الطائفہ جنید علیہ الرحمۃؒ سے انہوں نے سری سقطی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے معروف کرخی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد محمد باقر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد علی زین العابدین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے محمد مصطفیٰ صلوات اللہ و سلامہ علیہ کے دست اقدس سے

خرقہ پہنا۔

ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ جب شیخ نے خرقۂ خلافت پہن لیا تو پیر ابوالفضلؒ کی خدمت میں آئے انہوں نے فرمایا۔ اب مجاہدہ تمام ہوا۔ میہنہ جا کر لوگوں کو وعظ و تلقین کر کے اللہ کی طرف بلانا چاہیئے۔ پیر کے حکم پر آپ میہنہ چلے آئے۔ مگر مجاہدات و ریاضات میں مزید اضافہ کر لیا کیونکہ پیر کا یہ کہنا کہ اب مجاہدہ تمام ہوا۔ انہیں کچھ دل کو نہ لگا، اسی دوران لوگوں میں آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ جیسا ایک مجلس میں آپ کے بارے میں یہ بات چلی کہ ایک روز کسی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں استفسار کیا۔ "ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ"[1] پھر فرشتے پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف۔

آپ نے کہا کہ یہ آیت فرشتوں سے متعلق ہے، اور وہ جس جگہ لے جاتے ہیں وہ مقام دلہیں ہے، کہ تمام مجاہدات، عبادات، سفر، حضر، رنج اور ذلت و رسوائی کے بعد وہاں جانا ہے، اور ان تمام مقامات سے ایک ایک کر کے بندے کو گزارا جاتا ہے، پہلے اُسے توبہ کے دروازے پر لایا جاتا ہے۔ جہاں وہ توبہ کر کے مالک کو خوش کرتا ہے۔ پھر مذلتِ نفس میں مشغول ہوتا ہے، ہر طرح کے رنج اٹھاتا ہے اور اُسی قدر لوگوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ پھر ہر طرح کی طاعت میں مصروف ہو جاتا ہے رات کو بیدار اور دن کو بھوکا رہتا ہے، شریعت حق کے حقوق پورے کرتا ہے، ہر روز نئی جدو جہد کرتا اور خود پر چیزوں کو واجب گردانتا ہے، میں نے بھی یہ سب منازل طے کیں، ابتدا میں اٹھارہ چیزیں میں نے اپنے لئے واجب ٹھہرائیں اور ان اٹھارہ چیزوں پر اٹھارہ ہزار مخلوقات جتنی مداومت خود اپنی ذات سے طلب کی، ہمیشہ روزہ سے رہا، لقمۂ حرام سے پرہیز کیا، ذکرِ الٰہی پر ہمیشگی اختیار کی۔ رات کو بیدار رہتا۔ زمین پر پہلو نہیں رکھا۔ بیٹھے بیٹھے نیند کر لیتا۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھتا۔ تکیہ نہیں لگایا۔ امرد کو بُری نظر سے نہیں دیکھا۔ محرمات پر نظر نہیں ڈالی۔ انسانی اخلاق کی جستجو

---

[1] ۶ : ۶۲

کی۔ گدائی نہیں کی۔ قناعت کی، اور کیفیت مشاہدہ میں تسلیم کی حالت۔ یں رہا۔ ہر وقت مسجد میں رہتا۔ بازار نہیں گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین جگہ بازار ہے اور بہترین جگہ مسجد ہر عمل میں متبع سنت رہا۔ ہر دن رات میں ایک بار قرآن مجید ختم کرتا۔ بینا ہوکر نابینا رہا۔ سننے کے باوجود بہرہ رہا۔ گویائی میں گنگ رہا۔ ایک سال کسی سے بات نہ کی۔ لوگ دیوانہ کہنے لگے اور میں برداشت کرتا رہا کیونکہ روایت ہے کہ بندے کا ایمان اُس وقت مکمل ہوتا ہے جب دنیا کے لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں۔

اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم:۔ ہر وہ کام جس کے بارے میں سنا اور پڑھا تھا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا اُس کا حکم فرمایا، اُس پر عمل کیا، یہاں تک کہ میں نے سنا تھا کہ غزوہ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں زخم پہنچا تھا جس کی وجہ سے آپ پاؤں پر نہیں کھڑے ہو سکتے تھے اور نماز انگلیوں کے بل کھڑے ہو کر ادا فرمائی۔ میں نے پیرویِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چار سو رکعت نفل پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہو کر ادا کئے۔

اپنا ہر ظاہری و باطنی عمل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق و مطابق راست کیا۔ بالآخر اتباع سنت میرے رگ و پے میں رچ گیا، فرشتوں کے جس عمل کے بارے میں سُنا تھا وہ بھی ابتداء میں انجام دیا۔

حقِ عبادت:۔ میں نے سُنا اور کتابوں میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو سرنگوں ہو کر عبادت کرتے ہیں، اُن کی موافقت کرنے کی خاطر میں نے ابوطاہرؒ کی[1] والدہ سے کہا کہ میرے پاؤں کی انگلیوں کو میخ کے ساتھ باندھ کر میرے کمرے کا دروازہ مجھ پر بند کر دے پھر میں نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا۔ بار خدایا! مجھے اپنا آپ نہیں چاہیئے۔ مجھے اس سے نجات

---

[1]: آپ کے فرزند ہیں۔ مترجم

عطا فرما، بعد ازاں ختمِ قرآن کریم کا آغاز کیا۔ جب اس آیت پر پہنچا: کہ

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم[1] آیت کریمہ تلاوت کرتے ہی میری آنکھوں سے خون جاری ہو گیا، اپنی خبر تک نہ رہی اور سب کچھ یکسر بدل گیا

اسی طرح کی کئی دیگر ریاضتیں اور مجاہدے جو میں نے کئے میں اپنے تئیں یہ خیال کرتا رہا کہ وہ میری کوشش کا نتیجہ تھے حالانکہ یہ میرا پندار تھا حقیقت یہ ہے کہ مجھ پہ بعد میں یہ واضح کر دیا گیا کہ وہ سب کچھ فضلِ خداوندی اور توفیقِ ایزدی کے بموجب تھا۔ اُس میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب مجاہدات وریاضات نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ یہ پندار ہے تو ایسا نہیں بلکہ ان کا نہ کرنا پندار ہے کیونکہ جب تک کوئی ان سے نہ گزرے اُس پر حقیقت عیاں نہیں کی جاتی اور خود اس پندار کو بھی اس پر ظاہر نہیں کیا جاتا، جب تک شریعت کو سپر نہ بنایا جائے خود بینی اور غرور کو بندہ محسوس ہی نہیں کر پاتا حالانکہ یہ خود بینی دینی کام انجام دیتے وقت بندے میں موجود ہوتی ہے اب اگر شرعی احکامات پر عمل نہ کریں تو کفر اور اگر اختیار کریں۔ لیکن اپنے عمل پر نظر رکھیں اور خود بینی وغرور میں مبتلا ہوں تو شرک، کیونکہ تو بھی ہو، وہ بھی ہو تو دو وجود لازم آتے ہیں اور یہ شرک ٹھہرتا ہے، پس چاہیئے کہ تو سِرے سے خود کو ہی فنا کر دے تاکہ کفر و شرک دونوں سے بچے رہو۔

عشق کی نیرنگیاں:۔ ایک مرتبہ اس حال میں بیٹھا تھا کہ اپنی فنا کا عاشق ہو چکا تھا، اتنے میں ایک روشنی ظاہر ہوئی جس نے میری ہستی کو مٹا ڈالا اور خداوند عزّ وجلّ نے مجھ پر ظاہر فرما دیا کہ نہ وہ تو تھا اور نہ اب تو ہے بلکہ وہ (یعنی فنا سے عشق) میری جانب سے تجھے ملنے والی توفیق تھی اور یہ ہستی کا مٹنا، میرا فضل یہ، سب میری ربوبیت اور نظرِ عنایت سے، اس وقت میری حالت پر یہ اشعار صادق آتے تھے۔

ہمہ جاں تو بینم چو دیدہ باز کنم ۔ ہمہ تنم دل گردد کہ با تو راز کنم

---

[1] ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہ سننے والا اور علم والا ہے

حرام دارم با دیگران سخن گفتن - کجا ہد بث تو آید سخن دراز کنم

ترجمہ اشعار:- ۱۔ جشم واکروں تو ہر شے میں تیرے حسن کے جلوے دکھائی دیتے ہیں میرا سارا تن دل بن جاتا ہے کہ تجھ سے راز کی باتیں کروں۔

۲۔ دوسروں سے بات کرنی حرام جانتا ہوں اور جہاں تیری بات آجائے تو بات لمبی کردیتا ہوں۔

بعد ازاں ایسی عزت عطا ہوئی کہ لوگ آتے اور میرے ہاتھ پہ تائب ہو جاتے۔ ہمسائے میری حرمت کے پیش نظر شراب نہ پیتے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ میرے ہاتھ سے خربوزے کا چھلکا جو گرجاتا تو اسے بھی بیس دینار میں خرید لیتے، ایک روز خچر پہ سوار جارہا تھا اور لوگ خچر کی نجاست کو سر اور چہرے پہ ملتے۔ اس کے بعد مجھ پہ یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ میں نہ تھا مسجد سے آواز آئی کہ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ، اک نور میرے سینے میں جلوہ ریز ہوا اور کئی حجاب اٹھ گئے، پھر اک دفعہ دورہ آیا جب ان تمام لوگوں نے مجھے رد کردیا جنہوں نے میری عقیدت مندی کے پیمان باندھے تھے۔ بلکہ قاضی شہر کے ساتھ مل کر میرے کافر ہونے کی گواہیاں دینے لگے، اور جہاں سے میرا گذر ہوتا تو کہتے، اس شخص کی نحوست سے اس زمین پر سبزہ نہیں اُگے گا، یہاں تک کہ مسجد میں بیٹھا تھا تو عورتوں نے چھت سے مجھ پہ گندگی پھینکی، اور ساتھ یہ آواز میرے کانوں میں آئی کہ اولم یکف بربک، مسجد میں میری موجودگی سے مقتدیوں نے جماعت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے جب تک یہ دیوانہ مسجد میں ہے ہم جماعت میں شامل نہ ہوں گے اور میں دل میں یہ کہتا تھا۔

تا شیر بدم شکار من بود پلنگ - پیروز بدم بہر چہ کردم آہنگ

تا عشق ترا بہر در آوردم تنگ - از بیشہ برون کرد مرا روبہ لنگ

ترجمہ اشعار:- ۱۔ جب تک شیر تھا، خونخوار بھیڑیئے میرا شکار تھے، اور جس طرف بھی متوجہ ہوتا کامیاب ہوتا۔

۲۔ یہاں تک کہ تیرے عشق نے ہر در میرے اوپر تنگ کردیا اور مجھے لنگڑی لومڑی

نے جنگل سے نکال دیا۔

اس طرح میرے اوپر قبض[1] کی حالت طاری ہو گئی تو کامل نیت کے ساتھ قرآن کریم کو کھولا، سامنے یہ آیت تھی۔

"ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون"[2]

قرآن نے یہ کہا کہ یہ سب کچھ تو آزمائش ہے چاہے خیر ہے یا چاہے شر خیر و شر کی خواہش ترک کر کے میرے ساتھ ہو جاؤ، اس کے بعد میں نہیں تھا سب اُسی کا فضل تھا ؎

امروز بہر حالی، بغداد بخارا است - کجا میر خراسان است پیروزی آنجا است

ترجمہ:- آج ہر حال میں بغداد و بخارا ہے، جہاں خراسان کا امیر ہے فتحمندی وہیں ہے۔

یہ ساری باتیں حضرت شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ نے ایک مجلس میں خود بیان فرمائیں، اور اُن دنوں آپ کے والدین انتقال کر گئے تھے تو وہ رکاوٹ بھی راستے سے دور ہو گئی جو اُن کو خوش رکھنے کے باعث درمیان میں آجاتی تھی، اور آپ نے باورد و سرخس کے مابین ایک بیابان میں سات سال ریاضات و مجاہدات کئے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا، اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہو سکا کہ اس عرصے میں وہاں آپ کی خوراک کیا تھی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور علاقے میں بھی یہی مشہور ہے کہ آپ کی خوراک جھاؤ کے پتے تھے۔

جب آپ مجاہدات و ریاضات کے دَور سے نکل کر منصبِ رُشد و ہدایت پہ جلوہ گر ہوتے اُن دنوں کا واقعہ ہے کہ آپ محفل میں تشریف فرما تھے کچھ مریدانِ باصفا خربوزہ چھیلتے اور اُسے شکر لگا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے جاتے، ایک شخص جسے یہ بات پسند نہ تھی وہاں سے گزرنے لگا تو کہا۔ شیخ! یہ جو آپ کھا رہے ہو کیسا ذائقہ رکھتا ہے اور اُس کا ذائقہ کیسا تھا جو سات برس بیابانوں میں کھاتے رہے۔ شیخ نے جواب دیا۔ دونوں ذائقوں کا اپنا اپنا وقت ہے، اگر وقت، بسط[3] سے

---

1. اور ہم تمہیں برائی اور نیکی کے فتنوں سے آزمائش میں ڈالیں گے۔ اور تم نے ہماری طرف لوٹنا ہے۔

ہمکنار ہو تو جھاؤ کے پتے اور جنگل کے کانٹے بھی کھانے میں اس میٹھے خربوزے سے زیادہ شیریں ہوتے ہیں، اور اگر حالت قبض کی ہو تو یہ خربوزہ اُن کانٹوں سے بھی بدذائقہ لگے۔

صدیقی اور زندیقی:- اِسی ضمن میں شیخ نے مزید فرمایا جس شخص نے مجھے ابتدائے حال میں دیکھا وہ صدیق ٹھہرا اور جس نے آخر میں دیکھا وہ زندیق ہو گیا۔ یعنی اوّل حال میں تو صوفی ہر وقت ریاضت و مجاہدے میں ہوتا ہے لوگ چونکہ اکثر ظاہر بین اور صورت پرست ہوتے ہیں، جب وہ میری عبادات و ریاضات کو جو حق کے لئے ہوتے مشاہدہ کرتے تو ان کے صدق میں اضافہ ہوتا رہتا اور درجۂ صدیقاں کو پا لیتے تھے، اب جبکہ ریاضات و مجاہدات کے ثمرات اٹھانے اور سکون و راحت کی کیفیت کا وقت آ گیا ہے اور وہ پہلی حالت کے برعکس دیکھتے ہیں تو بدظن ہو کر اس دوسری کیفیت کا انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ حالت بھی حق ہے، اور حق کا انکار زندیقی ہے۔ اس کے دلائل بسیار ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے، اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ بادشاہِ وقت کا محرمِ راز و مصاحبِ خاص بنے، تو اُس کے لئے لازم ہے کہ کئی آزمائشوں اور تکالیف سے گزرے، گرمی و سردی کی مشقتیں برداشت کرے، ہر کس و ناکس کی سخت سست باتیں سُنے، مصائب پر صبر کرے، بلکہ برضا و رغبت تکالیف اٹھاتا جائے، ہر جفا کے بدلے خدمت کرے۔ ہر گالی کے عوض دس دعائیں دے، تا آنکہ اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ بادشاہ کا قرب پالے اور بادشاہ کی نظر میں ہزار مردم سے بھی فزوں تر ہو۔ جب اس مرتبہ کو پہنچے تو پھر اس کی اس قدر خدمات بجالائے کہ بادشاہ کو اُس پر کامل اعتماد ہو جائے، اور اسے اپنا قریبی، راز دار اور محبِ خاص ٹھہرا لے تو یکسر اُس کی مشقتوں اور خدمتوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے وہ ہر مشرف و منزلت اور نعمت و آسائش سے بہرہ ور ہوتا ہے، ایسے شخص کی اس مرتبہ پر سوائے بادشاہ کے حضور میں ہمہ وقت حضوری کے اور

کوئی طویل فرائض نہیں ہوتے، اور یہ بھی اس لئے تاکہ جب بھی بادشاہ اُسے کوئی راز بتانا چاہے یا اُس سے کوئی بات کرنا چاہے تو وہ حاضر ہو بے شک یہی بندے کا روشن ترین مرتبہ ہوتا ہے۔

شیخ ابوالعباس قصاب علیہ الرحمۃ:- شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی اشکال پیش آتا رات کو اپنے پیر ابوالفضل حسن علیہ الرحمۃ کے پاس سرخس حاضر ہو جایا کرتا اور رات ہی کو واپس میہنہ بھی آجاتا تھا۔ جب شیخ ابوالفضل حسن رحلت فرما گئے تو میرا یہ سلسلہ شیخ ابوالعباس قصاب علیہ الرحمۃ کے ساتھ جاری رہا کیونکہ اُس وقت وہی بقیۃ السلف تھے، شیخ ابوسعید کی نظر میں جو مرتبہ شیخ ابوالعباس قصاب علیہ الرحمۃ کا تھا وہ کسی اور کا نہ تھا، مگر اپنا پیر ابوالفضل حسن ہی کو کہتے تھے۔ آپ نے کہا کہ اس کے بعد میں نے مقام آمل کا قصد کیا جو بادرد اور نسا کے پہلو میں واقع ہے تاکہ بعض مشائخ کرام کے مزارات کی زیارت کروں، احمد بخارؒ اور محمد فضلؒ میرے ہمراہ تھے، یہ محمد فضلؒ سراپا عقیدت کیش شیخ ابوسعیدؒ تھے، اور ان کا مزار سرخس میں واقع ہے۔ بہر حال ہم تینوں بادرد میں وارد ہوئے اور درۂ گز کی جانب سے شاہ میہنہ کا قصد کیا، شاہ میہنہ درۂ گز کے پرگنوں میں سے ایک ہے۔ پہلے اسے شامینہ کہتے تھے، جب شیخ کا گزر ہوا تو پوچھا اس کا کیا نام ہے۔ وہاں کے باشندوں نے بتایا شامینہ، آپ نے فرمایا اسے شاہ میہنہ کہو، اُس دن سے اس دیہات کا نام شاہ میہنہ پڑ گیا، آپ نے فرمایا۔ میرا ارادہ شیخ ابو علیؒ کے مزار پہ جانے کا تھا مگر دل میں اک اندیشہ سا پوشیدہ تھا، جب اُن کے مزار کے قریب پہنچا تو وہاں ایک ندی تھی جس کے کنارے میں نے وضو کیا، دوگانہ ادا کیا، بعدازاں وہاں ایک لڑکے کو دیکھا کہ ہل چلا رہا ہے اور ایک بوڑھا کھیت میں چینہ (باریک دانے کا غلہ) کا بیج بکھیر رہا ہے، جب اُس کا رُخ ابو علیؒ کے مزار کی طرف ہوتا تو ایک نعرہ بلند کرتا۔ میرے سینے میں اُس وقت سخت اضطراب تھا، وہ بوڑھا، میرے سامنے آیا سلام کیا۔ اور کہا۔ کیا آپ اس بوڑھے کا بوجھ ہلکا کریں گے؟ میں نے کہا انشاء اللہ! پھر اُس نے کہا اس وقت میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ اس دنیا میں کوئی مخلوق پیدا نہ

فرماتا۔ مشرق تا غرب اور زمین تا آسمان اسے چینے کے بیج سے بھر دیتا۔ پھر ایک پرندہ پیدا کرتا اور اُسے کہتا کہ ہر ایک ہزار سال بعد اس غلہ میں سے ایک دانہ تیرا رزق مقرر ہے، اور اس کے ساتھ ہی ایک بندہ پیدا فرماتا جس کے دل میں درد و سوز بھر دیتا۔ پھر اسے کہتا کہ جب تک یہ پرندہ روئے زمین کو اس غلہ سے خالی نہیں کر لیتا تو اپنے مقصود تک نہیں پہنچے گا اور تو اسی طرح اس درد و سوز کے عالم میں بے قرار رہے گا، تو پھر بھی حصولِ مُراد کے لئے یہ مدت بہت کم ہوتی۔

یہ کہہ کر شیخ نے کہا کہ اس بوڑھے کی اس مثال سے میرا اندیشہ دور ہوا اور مجھ پر حقیقت آشکارا ہو گئی،

اس کے بعد میں ابو علیؒ کے مزار پر گیا تو فیوضات و کرامات سے شادکام ہوا۔

بعد ازاں قصبۂ نسار کی طرف روانہ ہوا، جب شیخ یہاں پہنچے تو شہر کے کنارے اندرمان نامی گاؤں میں فروکش ہونے کا ارادہ فرمایا مگر جب پوچھا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے اور لوگوں نے بتایا اندرمان۔ تو شیخ نے فرمایا۔ اس کے اندر نہیں جاؤں گا کہ کہیں اندر ہی نہ رہ جاؤں۔ آپ اس دیہات اور شہر نسار میں داخل نہ ہوئے بلکہ ان کے اطراف کی جانب سے رو ان کے دیہات میں یتیمہ کی جانب پڑاؤ کیا۔ اس وقت شیخ احمد نصرؒ جو کبار مشائخ میں سے تھے شہر نسار میں گورستان کے کنارے خانقاہ مرادی میں رہتے تھے، جو شہر کے بالائی حصہ میں پہاڑ پر واقع ہے یہاں پہاڑ پر جہاں بزرگوں کے مزارات ہیں، استاد ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے مطابق ایک خانقاہ بنائی تھی، جب استاد ابو علی دقاقؒ شہر نسار میں آئے تھے تو یہاں مشائخ کے قبرستان کے پاس صوفیہ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، رات کو سوئے تو خواب میں سید المرسل علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان سے فرمایا کہ صوفیوں کے لئے اس جگہ ایک رہائش گاہ تعمیر کرو، اور جہاں اب خانقاہ ہے وہاں اپنے دست اقدس سے خط کھینچ کر فرمایا کہ اس طرح تعمیر کرو۔ دوسرے دن علی الصبح استاد ابو علیؒ اس جگہ پہنچے تو وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا بدستور وہاں موجود تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس

خط کو دیکھا اور ہدایات کے مطابق وہاں خانقاہ تعمیر کرائی، اس کے بعد بے شمار صوفیہ کرام کے قدم وہاں تک پہنچے۔

مقبرۂ اولیاءؒ:- اس خانقاہ کے پہلو میں وہ مشہور گورستان ہے جہاں چار سو اولیاء کرام کے مزارات ہیں یہی وجہ ہے کہ صوفیہ شہر نساء کو شام کوچک (یعنی چھوٹا شام) بھی کہتے ہیں کیونکہ شام میں انبیاء علیہم السلام کی تربتیں ہیں تو نسا میں اولیاء کرام کے مزارات ہیں۔ خاکِ نسا صوفیہ کو بہت عزیز ہے کہ اس کا کبار مشائخ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ مشائخ بیان کرتے ہیں جب بھی کوئی وبا یا فتنہ شہر نسا کا رخ کرتا ہے تو ختم ہو جاتا ہے اور میں نے تو اپنی زندگی میں بارہا اس کا مشاہدہ کیا، کہ ۳۹ برس میں جس قدر قتل و غارت اور فسادات ہوئے، اُس دوران جب ان فتنوں کا رُخ نسا کی طرف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرّب بندوں کے طفیل انہیں دفع فرمایا، آج بھی جبکہ دینداری کا قحط ہے خصوصاً خراسان میں کہ تصوّف کا نام باقی ہے نہ عمل، حال ہے نہ قال مگر شہر نساء میں نیکوکار مشائخ اور صاحب حال بزرگوں کا وجود باقی ہے، خدا تعالیٰ ان کے وجود کو تادیر باقی رکھے، بلاشبہ شہر نسا میں بہم یرزقون و بہم یمطرون کا نظارہ دیکھنے میں آتا ہے، بے شمار صاحب مرتبہ و مقام پوشیدہ مشائخ بھی اس علاقہ میں فروکش ہیں، کہ کہیں اور اس قدر نہ ہوں گے، اگرچہ بیشتر اولیاء کرام "تحتِ قبائی لا یعرفہم غیری"، کے مصداق پس پردہ رہتے ہیں مگر ان کے برکات و فیوضات عام ہیں۔

شیخ احمد علیہ الرحمۃ:- اسی خانقاہ سرادی میں شیخ احمد علیہ الرحمۃ رہتے تھے جن کی عبادت گاہ اب بھی خانۂ شیخ کے نام سے یہاں موجود ہے، شیخ احمدؒ نے ایک مرتبہ اپنے عبادت خانہ سے سر باہر نکالا اور چبوترے پر بیٹھے صوفیوں سے کہا جس نے شاہبازِ طریقت کو دیکھنا ہو وہ شہر یلیسمہ کا قصد کرے تاکہ وہ اسے دیکھ لے۔ شیخ ابوسعیدؒ کہتے ہیں کہ جب شہر نسا میں تھا تو وہاں سے یلیسمہ کا ارادہ کیا کہ وہاں شیخ احمد علیؒ کے مزار پر حاضری دوں۔

یلیسمہ نام کا گاؤں نسا کے شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ احمد علیؒ خراسان کے اعاظم صوفیہ میں سے تھے اور وہ شیخ عثمان حیری کے مرید تھے، شیخ عبدالرحمان سلمیؒ نے اپنی کتاب

"طبقات الصوفیۃ" میں ان کا نام محمد علیان نسوی درج کیا ہے، جبکہ شہرِ نسا میں وہ احمد علی کے نام سے مشہور رہیں اُن کے حالات و واقعات خاصے معروف ہیں اور ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب شیخ ابو سعیدؒ نے اپنے بڑے بیٹے ابو طاہر کو کسی مصلحت سے شہر نسا روانہ کیا۔ وہاں پہنچے تو اُن کے پاؤں میں اس قدر درد شروع ہوا کہ حرکت نہ کر سکتے تھے، ابو طاہرؒ کی غیر موجودگی میں شیخ ابو سعیدؒ کے ہاں ایک فرزند متولد ہوا جس کا مطہر نام رکھا، اور انہیں اپنی فراست و کرامت کے ذریعے یہ علم تھا ان کے بڑے بیٹے ابو طاہر کے پاؤں میں درد ہے، انہوں نے ایک درویش کو بلوا کر کہا کہ فوری ابو طاہر کو میرا پیغام شہر نسا میں جا کر پہنچا دو، آپ کے خط میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عنقریب ہم تمہارا بازو تمہارے بھائی سے مضبوط کریں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پاؤں میں درد ہے چاہئیے کہ ملیمہ میں شیخ احمد علیؒ کے مزار پر حاضری دو تاکہ اللہ کے ارادے سے درد جاتا رہے جب یہ خط ان کے بڑے بیٹے ابو طاہر کو ملا تو ملیمہ جانے کا قصد کر لیا، انہیں پالکی میں وہاں لے جایا گیا۔ ایک رات شیخ احمد علیؒ کے مزار پر گذاری، دوسرے روز اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی اور درد زائل ہو گیا۔ شیخ ابو سعید کہتے ہیں ایک مرتبہ شیخ احمد علیؒ کے مزار پہ حاضری دینے سے فارغ ہوا تو علاقہ میں فساد برپا ہو گیا، دیہات میں چلا گیا تاکہ اُس کی دوسری طرف سے نکل جاؤں کہ ایک قصاب کو دوکان پہ بیٹھا دیکھا۔ وہ میرے سامنے آیا، سلام کیا اور اپنا ایک شاگرد میرے پیچھے کر دیا تاکہ معلوم کرے کہ میں کہاں اترتا ہوں، پانی کے کنارے ایک مسجد تھی وہیں قیام کیا۔ اور وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں وہ بوڑھا قصاب کھانا لے کر پہنچ گیا، جب کھانے سے فارغ ہوا تو اُس نے سوال کیا کہ کوئی ہے جو میرے مسئلہ کو حل کرے؟ اُس کا اشارہ میری جانب تھا، پھر اُس نے پوچھا شرطِ بندگی اور شرطِ مزدوری کیا ہے؟ میں نے علم شریعت سے جواب دیا اُس نے کہا: کوئی اور علم بھی ہے، میں نے طریقت اور اقوالِ مشائخ سے جواب دیا کہنے لگا کوئی اور چیز نہیں جس سے جواب دو؟ جواباً میں خاموش دیکھتا رہا پھر اُس نے ہیبت سے میرے اوپر نظریں جما کر کہا۔ مطلقہ سے صحبت اختیار نہ کرو۔ میں نے پہلا سوال کیا اور تم نے شریعت سے جواب دیا اگر علم ظاہر کو طلاق دے دی ہے تو پھر اس کی طرف رجوع

مت کرو۔ جب شیخ ابوسعیدؒ کو شیخ لقمانؒ، ابوالفضل حسن کے پاس سرخس لے گئے تو آپ نے تمام احوال اور مجاہدات کا حال انہیں سنایا، اُس کے بعد شیخ قال سے حال کی جانب پھر گئے اور جو کچھ کتابوں میں پڑھا اور لکھا تھا، زیر زمین دفن کر دیا، اور اُس کتابوں کے دفن کرنے کی جگہ پر ایک شاخ لگا دی جو تھوڑے عرصے میں ہری ہوگئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ درخت بن گئی، جو بعد میں ہمارے زمانے تک لوگوں کے لئے باعث برکت تھا اور لوگ بچوں کی ولادت اور مردوں کی تجہیز و تکفین کے وقت وہاں سے ٹہنی توڑ کر لے جاتے تھے۔ غز[1] کے زمانے میں جو حادثہ خراسان میں پیش آیا اُس کے باعث حالات رد و بدل خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور تباہی و بربادی کے اس سیلاب میں بزرگوں کے کئی نشان بھی مٹ رہے ہیں۔

سکونِ قلب اور کتابیں:- ایک مجلس میں شیخ نے کہا۔ ابتدا میں جب میں اس راہ کی طرف نکلا تو کتابوں کی طرف بہت توجہ تھی، کتب خانہ بھرا ہوا تھا، ہر وقت کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتا۔ مگر سکون ہرگز نہ پاتا۔ اللہ کے حضور درخواست گذاری یارب مجھے ان کتابوں کے پڑھنے سے باطنی کشادگی حاصل نہیں ہوتی اور ان میں مشغول رہنے سے تجھ سے دُور ہوتا چلا جا رہا ہوں مجھے کسی ایسی چیز کے ساتھ غنی کر دے کہ جس کے ذریعے تجھے پاؤں، اللہ نے فضل کیا اور وہ تمام کتب یکسر سامنے سے ہٹا ڈالیں، دل کو چین نصیب ہوا اور قرآن کریم کے حقائق کو جاننے کے لئے سورہ فاتحہ سے آغاز کیا تا آنکہ سورہ انعام تک پہنچا اور یہ آیت پڑھی:-

قُلِ اللّٰہ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ [2]

اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو اُن کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا۔

---

[1] دغز ترکوں کی ایک قوم ہے جس نے سلطان سنجر کے زمانے میں خراساں کو تاراج کیا تھا: مترجم

[2] ۶ : ۹۱ -

اور اس آیت کریمہ کے بعد میں آگے تلاوت نہ کر سکا۔

جب شیخ نے اپنی ساری کتابیں زیر زمین دفن کر کے اُن پہ پانی چھڑک رہے تھے تو کسی نے اُن کے والد شیخ ابوالخیرؒ کو خبر کر دی کہ ابو سعیدؒ ساری کتابیں زیر زمین دفن کر رہے ہیں تو وہ آئے اور بیٹے سے کہا۔ ابو سعید! یہ کیا کر رہے ہو؟ شیخ نے جواب دیا۔ آپ کو یاد ہے کہ جس روز میں نے آپ کی دوکان میں آپ سے پوچھا تھا کہ ان خریطوں اور چمڑے کے تھیلوں میں کیا چھپا رکھا ہے تو آپ نے کہا تھا۔ اے بلخی تو یہ معلوم نہ کر، میں اب آپ سے اس قدر عرض کروں گا کہ آپ کی وہ بات دراصل یوں تھی کہ اے میہنگی (میہنہ کے رہنے والے) تو باقی نہ رہ۔

جب کتابوں کو زیر زمین دفن کر رہے تھے تو ساتھ کہتے جاتے تھے: "نعم الدلیل اَنت والاشغال بالدلیل بعد الوصول محال" (بہترین رہنما تو ہے اور منزل پہ پہنچنے کے بعد کسی اور رہنما میں مشغول رہنا محال) اسی دوران آپ نے مزید فرمایا: "بدامن ھذا الامر کسر المحابر وحزق الدفاتر ونسیان العلوم" (اس امر کے سبب دواتوں کا ٹوٹنا، کتابوں کا پھٹنا اور علوم کا بھول جانا ظاہر ہوا۔)

کتابوں کو دفن کرنے کے موقع پہ کچھ بزرگوں نے شیخ سے کہا کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ یہ کتابیں کسی کو دے دیتے تو وہ ان سے فائدہ اٹھاتا؟ اس کے جواب میں شیخ نے کہا۔ ہم کسی کو یہ کتابیں دے کر اُس سے ملاقات کے دوران اپنے احسان و بخشش پہ نظر رکھنے سے دل کو خالی رکھنا چاہتے ہیں۔

آپ نے کہا کہ ایک روز خواجہ امام حمدؒ ان کے حالات پڑھ رہا تھا کہ مجھے بتایا گیا کیا اس کتاب کے ہو کر رہنا چاہتے ہو، اور یہ چاہتے ہو کہ تجھے ہی کتاب دے کر لوٹا دوں، بعد ازاں میں نے توبہ کی اور استغفار کرتا رہا، یہاں تک کہ، مجھے معاف کر دیا گیا۔

شیخ ابو سعیدؒ کے ایک مُرید نے بیان کیا کہ ایک رات شیخ ساری رات اپنے عبادت خانہ میں روتے رہے۔ میں اُس رات سو نہ سکا اور پریشان رہا۔ اگلے روز جب شیخ کمرے سے باہر آئے تو میں نے عرض کیا۔ رات کیا بات تھی کہ آپ ساری رات روتے رہے؟ شیخ نے کہا پچھلے روز میں

فرادیحبٰی البینۃ مثلہ شیئ (جس نے کسی اُستاذ سے ادب و سلیقہ نہ سیکھا وہ نکما اور بے کار ہے چاہے کوئی شخص اعلیٰ مرتبہ و مقام کو پہنچ جائے یہاں تک کہ غیب سے اُس پہ انکشافات ہونے لگیں مگر اُس کا استاذ پیشوا نہ ہو تو اُس سے ہرگز کچھ بھی صادر نہیں ہوتا) مدارِ طریقت پیر پہ ہے کیونکہ الشیخ نی قومہ کالنبی فی امتہ (شیخ اپنی قوم میں اس طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں) یہ بات واضح اور ثابت ہے کہ رہنما کے بغیر اپنے طور پہ کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس ضمن میں مشائخ کرام کے بے شمار اقوال ہیں اور اُن کے بے شمار فوائد خصوصًا شیخ ابوسعید قدس سرہ کے اقوال و نکات کہ جن کا ذکر اپنی جگہ پہ آئے گا انشاء اللہ اگر کسی کو اس راہ پر چلنے اور وادیہائے حقائق میں پہنچنے کی تڑپ ہو اور اُسے سوزِ عشق بیٹھنے نہ دے تو وہ درگاہ مشائخ کی چوکھٹ پہ پہنچ کر معتکف ہو تاکہ وہ فوائد پائے کیونکہ یہ علم، راہ عشق پر چلنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔"لیس الدین بالتمنی ولا بالتجلی ولکن بشیئ وقر فی القلب و صدقہ العمل"، (دین کا تعلق آرزو کرنے سے ہے نہ تجلی سے بلکہ اُس چیز سے متعلق ہے جو دل میں قرار و عزت پکڑے اور عمل اُس کی تصدیق کرے)

اے بے خبر از سوختن و سوختنی ۔ عشق آمدنی بود نہ آموختنی

(اے جلنے اور جلنے والے سے بے خبر! عشق آمد ہے آورد نہیں)

تلاشِ شیخ: کسی کو ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے تئیں یہ بہانہ یا عذر پیش کرے کہ آج کے زمانہ میں اس طرح کا پیرِ طریقت جیسا کہ مطلوب ہے، میسر نہیں اور پہلے جیسے مشائخ و مقتدا بھی باقی نہ رہے، کیونکہ یہ فقط نفس کے اٹھائے ہوئے خدشے اور سستی و کاہلی کے بہانے ہیں، جسے ان باتوں اور اس راہ سے عشق ہو وہ تلاش مسلسل جاری رکھتا ہے اور بالآخر مُراد کو پہنچ جاتا ہے جیسا کہ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کہتے ہیں کہ ابتداء میں دو کام کر لینے چاہئیں ایک سفر اور ایک اُستاذ اسی خیال میں ہی گھومتا رہا اور مجھ پہ سخت آزمائش تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کرنا یوں ہوا کہ جس مسئلے میں بھی الجھتا۔ ایک شافعی المسلک عالم آتا اور میری مشکل کو حل کر دیتا۔ تراسی

برس زندگی کے حق کے ساتھ گزارے، اور اس دوران ایک سجدہ، خلاف شرع نہیں کیا، ایک سانس بھی نفس کی موافقت میں نہیں لیا، سفر میں اس قدر تیزی عطا ہوئی کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک میرے لئے ایک قدم کر دیا گیا، جب عشق سچا ہو اور ارادہ خالص تو زندگی ایسے ہی ثمرات پالیتی ہے۔

صوفیہ کے طبقوں میں بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ سب ایک ہوتے ہیں، اور دنیا کے تمام صوفیہ کے مابین کوئی اختلاف یا تضاد نہیں، ان میں دوئی نہیں ہوتی، بشرطیکہ وہ واقعتاً صوفی ہوں بے حقیقت صوفی نما لوگ اس زمرے میں شامل نہیں، تعبیر کے لحاظ سے اگرچہ صوفیہ کے الفاظ بظاہر مختلف ہوں گے مگر ان کا معنیٰ اور حقیقت ایک ہوگی، پس کوئی شخص اگر کسی پیر طریقت سے خرقہ حاصل کرے تو اُسے اصل جانے اور دوسروں سے ملنے والے خرقہ کو تبرک سمجھے، اور حقیقت پر نظر کرے تو سب ہاتھ اور سب خرقے ایک ہیں، جو ایک کو قبول ہے وہ سب کو قبول ہوگا اور جو ایک کے نزدیک مسترد ہے وہ سب کے ہاں مسترد۔

جس نے دو خرقے پہنے گویا اُس کی اہلیت پہ دو گواہ عدل قائم ہو گئے۔

صوفیہ میں ان کے مسلکوں اور مکاتب فکر کے اعتبار سے

مسلکی اختلافات بے بنیاد ہیں:- کوئی باہمی حقیقی اختلاف موجود نہیں۔ وہ اس کائنات میں اللہ کی ذات واحد ہی کو ایک جانتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر چیز کو لاشئی قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ آفاقی نظریہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی اختلاف وافتراق نہیں پیدا ہو سکتا، کوئی کسی مسلک یا مکتب سے تعلق رکھتا ہو اُس کی منزل ایک ہے، کیونکہ سب کا معبود جل جلالہٗ ایک ہے، جس کی ذات ہر حال اور ہر آن دوئی سے پاک ہے، اگر راستے یا راہی میں اختلاف ہوگا بھی تو منزل پہ سب ختم ہو جائے گا اور ایک حقیقی اتفاق ظہور پذیر ہوگا، کیونکہ اس راہ کے چلنے والوں میں جب تک ان کی نفسانی آلائشیں اور خواہشات ختم نہ ہوں وہ آگے نہیں بڑھتے، ظاہر ہے کہ بشری آلائشوں کے دور ہونے کے بعد جب منزل پہ پہنچیں گے تو ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہ ہوگی، گویا تصوف ایک ایسی تربیت ہے جس سے مسلمان کے کردار میں موجود بشری غلطیوں پہ کافی حد تک قابو پالیا جاتا ہے، خود اختلاف بھی اک بشری

لغزش ہے اگر صوفی تربیت یافتہ ہوگا تو وہ کسی سے جھگڑا یا نزاع باقی ہی نہیں رکھے گا۔

بشری صفات سے چھٹکارا ملنے اور راہِ حق پر چلتے چلتے مقصود تک پہنچنے کے بعد سالک کے لئے ہر چیز ہیچ ہو جاتی ہے، ہر شے وحدت مجرّد ہو جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے کہ مشائخ میں سے ایک نے انا الحق کہا تو دوسرے نے سبحانی ما اعظم شانی اور میرے شیخ ابو سعیدؒ کہتے ہیں: لیس فی جبتی سوی اللہ۔ اب یہ واضح ہوگیا کہ سالک جب تک مقصد کو نہ پالے وہ شیخ طریقت ہونے کا اہل نہیں کیونکہ وہ خود پیر کا محتاج ہے جو اُس کی رہنمائی کرے، البتہ جس نے مقصود کو حاصل کر لیا وہ مُرشد کہلانے کے قابل ہے۔

الغرض مشائخ کی یہ بات درست ثابت ہوگئی کہ سب

ع بضد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکسیت کچھ ایک اور ایک ہی سب کچھ ہے۔ اور اُن کے اُس نظریہ کے مطابق سب ایک ہیں، سب ہاتھ ایک ہیں اور سب خرقے ایک ہیں جو کہتا ہے کہ دو پیروں سے خرقہ نہیں پہننا چاہیئے وہ دراصل اپنے بارے میں خبر دیتا ہے کہ ہنوز دوئی میں ہے، مشائخ کو دو سمجھتا ہے، اور مشائخ کے حالات سے بے خبر ہے۔ ایسے شخص کو اُس وقت علم ہوگا جب اُس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اس کی نظر عالَم پر پڑے گی۔ ہاں وہ شخص جو اس نسبت سے دوسرا خرقہ پہنے کہ پہلے کو باطل قرار دے تو یہ بلا شبہ غلط ہے، ایسے لوگ دوسرے خرقہ کے مستحق رہتے ہیں اور نہ اول کے، بلکہ دونوں سے محروم و مہجور ہو کر بے نیلِ مرام لوٹتے ہیں العیاذ باللہ من ذلک۔

شیخ ابو العباس قصابؒ نے محمد بن عبد اللہ الطبریؒ کے ہاتھ سے خرقہ خلافت حاصل کیا انہوں نے ابو محمد جریریؒ سے، انہوں نے سید الطائفہ جنیدؒ سے، انہوں نے سری سقطیؒ سے انہوں نے معروف کرخیؒ سے انہوں نے داؤد طائیؒ سے انہوں نے حبیب عجمیؒ سے انہوں نے حسن بصریؒ سے انہوں نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت رسول اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے دستِ اقدس سے خرقہ پہنا۔

ہمارے شیخ ابو سعیدؒ کو ایک صبح نماز کے بعد دیکھا گیا کہ ان کا لباس شیخ ابو العباس قصابؒ نے اور ان کا لباس شیخ ابو سعیدؒ نے پہنا ہوا ہے، سب لوگ بہت متعجب ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ شیخ ابو العباسؒ نے لوگوں کی حیرانگی کو بھانپ لیا اور ان سے کہا کل سب کچھ میہنہ کے اس نوجوان کے حصہ آ گیا، اُسے مبارک ہو۔ بعد ازاں شیخ ابو العباسؒ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، میہنہ چلے جاؤ، تاکہ یہ پرچم کچھ روز تیرے در پر لہرایا جائے، شیخ کہتے ہیں کہ میں اُن کے ہاں سے صد ہزار خلعتوں اور فتوح کے ساتھ واپس اپنے شہر آ گیا، مرید جمع ہو گئے، کام شروع ہو گئے، آپ جونہی میہنہ پہنچے اُدھر شیخ ابو العباس قصابؒ کا آمل کے قصبہ میں انتقال ہو گیا،

خوشی و غم: آپ کہتے تھے کہ ایک روز پہلے جب میں قصبہ آمل میں حضرت شیخ ابو العباسؒ کی خدمت میں حاضر تھا دو شخص آئے اور کہنے لگے اے شیخ! ہمارے درمیان یہ جھگڑا پڑا ہوا ہے کہ خوشی ابدی ہے یا غم؟ شیخ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، آپ نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہا الحمد للہ کہ قصاب کے بیٹے کی منزل نہ غم نہ خوشی۔ لیس عند ربکم صباح ولا مساء تمہارے رب کے ہاں نہ صبح ہے۔ نہ شام۔ خوشی و غم تمہاری صفت ہے جو کہ حادث ہے اور حادث کو قدیم سے کیا راہ۔ پھر فرمایا: پسر قصاب خدا کا بندہ ہے امر و نہی میں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہی اُس کا راستہ ہے اگر کوئی شخص جوانمردوں کے راستے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کا گواہ یہی راستہ ہے، اور یہ جو کچھ میں نے کہا بوڑھی عورتوں کا ہتھیار نہیں بلکہ جوانمردوں کا میدان جنگ ہے، جب یہ دونوں حضرات رخصت ہوئے تو میں نے پوچھا کہ یہ دونوں کون تھے؟ فرمایا ایک ابو الحسن خرقانیؒ اور دوسرے ابو عبد اللہ داستانیؒ۔

عرفانِ ذات و الوہیت حق تعالیٰ: شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز ابو العباس قصابؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اثنائے کلام میں کہا۔ توحید کے بارے میں اشارہ کرنا اور اُس کی تشریح بیان کرنا تیرا حصہ ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے وجود کے لئے اثبات و عبارت نہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابا سعید! اگر تجھ سے پوچھیں کہ اللہ کو پہچانتے ہو تو یہ نہ کہنا کہ پہچانتا ہوں کیونکہ ایسا کہنا شرک ہے۔ اور یہ بھی نہ کہنا کہ نہیں پہچانتا کیونکہ یہ کفر ہے، بلکہ یوں کہو

کہ عرفنا اللہ ذاتہ والھیتہ بفضلہ کہ ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اپنی ذات اور الوہیت کی پہچان عطا فرمائی۔

شیخ ابوسعیدؒ کہتے ہیں کہ ایک اور موقع پر شیخ ابو العباسؒ نے لوگوں کے ایک گروہ سے فرمایا ابوسعید نازنین عالم ہے، آپ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مفہوم انہیں چالیس برس کی عمر میں معلوم ہوا۔ کہ وہ خود اس مقام یعنی ولایت کو قبل از وقت نہیں پہنچ سکتے بلکہ اولیاء جو کہ انبیاء کے نائب ہیں، چالیس برس کی عمر سے قبل ولایت نہیں پا سکتے، اسی طرح جیسے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو نبوت عمر کے چالیسویں سال میں عطا ہوئی، سوائے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے جنہیں چالیس برس تک پہنچنے سے قبل ہی نبوت عطا کی گئی، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃٍ واٰتیناہ
الحکم صبیًا "۔ [1]

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال یوں بیان فرمایا:

"قالوا کیف نکلم من کان
فی المھد صبیًا "۔ [2]

شیخ ابوسعید نے چالیس برس مکمل ریاضت و مجاہدت میں گزارے آپ کو اس سے قبل بھی کشف ہوتے تھے مگر اتمام و اکمال کے لئے یہ مدتِ ریاضت و تربیت آپ نے پوری کی۔

ایک مجلس میں کسی نے اس آیت کی تشریح پوچھی۔

"ھل اتیٰ علی الانسان حین من
الدھر لم یکن شیئًا مذکورا" [3]

---

[1] :-　　　　[2] :-

[3]

شیخ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قالبِ آدم کو چالیس برس مکہ وطائف کے درمیان رکھا گیا۔

۱۰ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج

نبتلیہ " ؎

ارشادِ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے شیخ نے کہا۔ پھر اُس قالبِ آدم میں اخلاط رکھے۔ پھر اُس کے سینے میں شرک، خود بینی وغرور، انصاف، انکار، خصومت، وحشت، گفتگو اور انانیت جیسی جبلتیں ودیعت کی گئیں۔

رحیناً من الدھر سے مراد چالیس برس تک اُسے اس حالت میں رکھنا مراد ہے یعنی بندہ چالیسویں برس کی تکمیل پر اصل بلوغت کو پالیتا ہے، اور ارشادِ خداوندی ہے کہ پھر اپنے دوستوں کے سینہ سے ہر آلائش کو دور کر دیتا ہوں تاکہ انہیں پاک کر دوں۔

یہ سارے معاملات چالیس برس تک تمام ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ ہر بیان درست نہیں، جس نے چالیس برس سے کم مجاہدہ کیا اُس کے معاملات بھی کمال کو نہیں پہنچتے جس قدر کوئی ریاضت کرے گا اُسی قدر حجاب اٹھتے جائیں گے اور حقیقت اس پر آشکارا ہوتی رہتی ہے مگر درمیان میں پھر حجاب میں چلی جاتی ہے، اور اس طرح تکمیلِ مراحل نہیں ہو پاتی، میں یہ باتیں نہ شنیدہ کہہ رہا ہوں اور نہ دیدہ بلکہ آزمودہ بیان کر رہا ہوں۔

شیخ ابوسعیدؒ نے جب استاد ابو علی دقاقؒ کو دیکھا تو اُن سے پوچھا کہ یا استاد! یہ بات کیا ہمیشہ رہتی ہے ؟ (یعنی انکشافِ حقائق)، استاد نے کہا۔ نہیں، شیخ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر پھر پوچھا۔ استاد کیا یہ بات ہمیشہ رہتی ہے ؟ استاد نے کہا۔ نہیں۔ شیخ نے پھر سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد پھر سے سوال کیا۔ استاد! کیا یہ کیفیت برقرار رہتی ہے ؟ استاد نے جواب دیا۔ اگر ہوتی ہے تو نادر ہوتی ہے، شیخ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہا۔ یہ اُنہی نادر باتوں میں سے ایک ہے یہ انہی نادر باتوں میں سے ایک ہے

؎ ۷۶ : ۲ ہم نے انسان کو پانی کے ایک قطرے سے پیدا کیا۔

امتحانِ شیخ

نیشاپور میں دو اشخاص نے آپس میں یہ بات کی کہ ہمیں کسی روز شیخ کا امتحان لینا چاہیئے کہ کرامت دکھا سکتے ہیں یا نہیں ؛ لہذا ہمیں اس مقصد کے لئے جا کر اُن سے کوئی چیز حاصل کر کے اُسے ہرلیسہ پر خرچ کرنی چاہیئے الغرض انہوں نے تیاری کی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا. ہمارے محلہ میں ایک یتیم لڑکی ہے، جس کی شادی کا بندوبست ہم کر رہے ہیں اور جو کچھ سامان اُسے دینا تھا وہ سب ہم نے جمع کر لیا ہے، آج ہم اس کی رخصتی کر رہے ہیں ہم چاہتے کہ اُسے آپ کی روشنی کے ساتھ رخصت کریں اور آپ کا عطا کردہ تبرک اُس کی زندگی میں اُس کے کام آئے، شیخ نے یہ سن کر خادم حسن مؤدب سے فرمایا حسن! دو بڑی شمعیں لا کر ان کو دو جو ہرلیسہ مہنگا بیچتے ہیں، جب اُن دونوں نے یہ بات سُنی تو اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، پھر شیخ کے قدموں سے لپٹنے لگے، معافی مانگی اور شیخ کے خدمت گاروں میں شامل ہو گئے۔

طبیبِ جسم کو طبیبِ دل سے دوا مل گئی

شیخ ابو سعیدؒ جب ناتواں ہو گئے، تو طبیب کو لایا گیا تاکہ شیخ کا علاج کرے طبیب آتش پرست تھا اُس نے چاہا کہ ہاتھ شیخ کی نبض پر رکھے تو شیخ نے حسن مودب سے کہا۔ اے حسن!

ناخن تراش لاؤ۔ اس کے ناخن اتارو۔ اس کے لبوں کے بڑھے ہوئے بال تراش دو، اور پانی لاؤ کہ یہ ہاتھ دھوئے، وہ طبیب حیران تھا اور جرأت نہ کر سکا کہ فرمودۂ شیخ کی مخالفت کرتا، میں نے حکم شیخ کو پورا کیا، پھر طبیب نے ہاتھ، شیخ کی نبض پر رکھا تو شیخ نے ہاتھ ایک طرف موڑ کر اُس کے ہاتھ کو پکڑ کر ایک لحظہ اُس پر نگاہ ڈال کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ۔طبیب واپس جانے کو درِ خانقاہ سے نکلنے لگا تو مڑ مڑ کر دیکھنے لگا، شیخ نے اسے آواز دے کر کہا کب تک یوں مُڑ مُڑ کر دیکھو گے ۔ تجھے واپس جانے کی مہلت نہیں ملے گی! یہ سنتے ہی وہ آتش پرست طبیب واپس آکر شیخ کے ہاتھ پر اسلام لایا، اور اُس کے تمام اہل خاندان بھی مسلمان ہو گئے۔

اتباعِ سُنت :-

پیر ابو صالح دندانیؒ شیخ ابو سعیدؒ کے مرید خاص تھے، شیخ کے لئے خلال تیار کرنے اور ان کے لبوں کے بال تراشنے کی خدمت یہی بجا لاتے تھے ایک درویش نے پیر ابو صالح سے کہا کہ مجھے بھی لبوں کے بال تراشنے کا طریقہ سکھا دو، وہ مسکرایا اور کہا۔ اے درویش! ستر دانش مندوں جتنا علم چاہیئے تب جا کر ایک شخص درویش کے موئے لب تراشنے کے قابل ہوتا ہے، یہ کام اتنا آسان نہیں، یہی پیر ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ آخری عمر میں شیخ ابو سعیدؒ کا ایک دانت بھی باقی نہیں رہا تھا، مگر ہر رات جب کھانے سے فارغ ہوتے تو مجھ سے خلال طلب فرماتے اور منہ میں دانتوں کی جگہ پھو پھیرتے، جیسا کہ آدمی کی عادت ہے کہ ہر کسی پر اعتراض کرتا ہے میرے دل میں بھی یہ اعتراض پیدا ہوا کہ شیخ کے دانت تو ایک بھی نہیں مگر مجھ سے خلال طلب کرتے ہیں، اُسی وقت شیخ نے سَر اٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ میں سنت پر عمل کرنے اور رحمتِ خداوندی کے طلب کرنے کی خاطر خلال کرتا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- "رَحِمَ اللّٰهُ الْمُتَخَلِّلِيْنَ مِنْ اُمَّتِيْ فِي الْوُضُوْءِ وَالطَّعَامِ"

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ میری امت کے ان افراد پر رحم فرمائے جو وضو اور طعام میں خلال کرتے ہیں"۔ جب میں نے شیخ کا یہ فرمودہ اور حدیث نبوی سُنی تو مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔

اطاعتِ شیخ:- خواجہ علیکؒ جو کہ شیخ ابو سعیدؒ کے مرید خاص تھے اُنہیں اور حسن مؤدبؒ کو شیخ نے ایک کام کے سلسلے میں میہنہ روانہ فرمایا۔ خواجہ علیکؒ کہتے ہیں جب ہم نوقان کے مقام پر پہنچے تو حسن نے کہا آؤ خواجہ مظفرؒ سے مل لیں جو نوقان کے مردِ بزرگ تھے خواجہ علیکؒ نے کہا شیخ نے ہمیں میہنہ کے لئے روانہ کیا ہے ہمیں کہیں اور نہیں جانا چاہیئے حسن مؤدب نے بہت کہا مگر بے سود، بالآخر دونوں میہنہ کے راستے پر چل پڑے اور میہنہ میں جو کام شیخ نے کہا تھا وہ کر کے جب واپس ہوئے اور نوقان پہنچے تو حسن نے کہا۔ میں خواجہ مظفرؒ سے ملنے جا رہا ہوں آپ کو میرے ساتھ جانا چاہیئے ورنہ میں تنہا چلوں گا، الغرض میں بھی اُن کے ہمراہ خواجہ مظفرؒ سے ملنے روانہ ہو پڑا، اُن کے ہاں بیٹھے تو خواجہ مظفر نے گفتگو شروع کی، اور حسن مؤدب بیٹھے سن رہے تھے اور ان کا دِل وہاں ٹھہرنے کو چاہ رہا تھا۔ خواجہ مظفر نے گفتگو ختم کر کے اور موضوع شروع کیا تو حسن کے دل میں ٹھہرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب خواجہ مظفر نے دوسرے موضوع پر بات ختم کی تو میں نے ان سے کہا۔ جہاں آپ نے گفتگو ختم کی ہے وہاں سے ہمارے شیخ (ابو سعیدؒ) آغاز کرتے ہیں، اس پر خواجہ مظفرؒ جیسے ٹوٹ سے گئے، اور حسن یہ کیفیت دیکھ کر حقیقت حال سمجھ گئے خواجہ علیک کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے ہاں سے اٹھ کر باہر آگئے تو حسن مؤدب نے مجھ سے کہا۔ میرے دل میں جو خیال پیدا ہو گیا تھا وہ تمہاری بات سے یکدم ختم ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں غلط تھا، جب ہم نیشاپور پہنچے تو خانقاہ میں داخل ہوتے ہی جب شیخ کی نظر ہم پر پڑی تو انہوں نے حسن سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اگر علیک تمہارے تھیلہ کو اٹھا تا نہ تو اس شخص نے تو تمہارا تھیلہ بھر دیا تھا۔ یہ سن کر حسن زمین پر گر پڑا اور معافی چاہنے لگا۔

حقِ دوستی ادا کر دیا:- نیشاپور میں شیخ ابو سعیدؒ کے قیام کے دوران سلطان طغرل کے وزیر خواجہ ابو منصور ورقانی بیمار پڑ گئے تو انہوں نے استاد ابو القاسم قشیریؒ اور شیخ ابو سعیدؒ کو یاد کیا۔ جب دونوں شیوخ اُن کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا۔ میں نے آپ دونوں کی بڑی خدمتیں کی ہیں اور ہمیشہ آپ کو دوست جانا ہے۔ اب جب

کہ میں بسترِ مرگ پر ہوں تو میری آپ سے ایک ہی درخواست ہے کہ میرے جنازے کا ساتھ دینا اور اس وقت تک میری قبر سے واپس نہ ہونا جب تک میں آپ کی برکت سے سوال وجواب سے فارغ نہ ہو جاؤں، دونوں شیوخ نے اُن کی یہ درخواست قبول کر لی جب وزیر مذکورہ قضائے الہٰی سے رحلت کر گئے تو استاد قشیری اور شیخ ابو سعید جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے، قبرستان پہنچے تو استاد امام قشیری نے شیخ سے کہا۔ ابھی تک قبر مٹی سے نہیں بھری گئی اور سورج بھی ابھی غروب نہیں ہوا۔ آپ ٹھہریں تاکہ میں لوگوں کو رخصت کر دوں، شیخ ابو سعید نے قبر کے سرہانے جائے نماز بچھائی اور بیٹھ گئے، قبر میں مٹی ڈالنے کا کام تمام ہوا، تو شیخ اٹھے اور فرمایا کام مکمل ہو گیا، اور چل پڑے جب استاد قشیری کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا۔ وصیت کے بارے میں آپ نے کیا کیا؟ شیخ نے فرمایا۔ کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اس دوران باقی لوگوں نے بھی پوچھنا شروع کیا کہ وہ وصیت کا کیا معاملہ تھا؟ استاد قشیری نے بھی کہا۔ اے شیخ! وصیت کا کیا بنا؟ شیخ نے فرمایا۔ فرشتے آئے، سوال کرنے لگے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس کے سرہانے کون بیٹھا ہے؟ اور اتنا کہہ کر وہ رخصت ہو گئے، اور میں بھی وہاں سے چل پڑا۔

ابراہیم نیال کوتوال نیشاپور:

ابراہیم نیال، سلطان طغرل کا چھوٹا بھائی تھا، یہ شخص بہت ظالم اور نیشاپور کا کوتوال تھا، اہل نیشاپور شیخ ابو سعیدؒ سے ہر مجلس میں اس کے لئے بد دعا کی درخواست کرتے تھے، شیخ بد دعا نہ کرتے اور ہمیشہ یہی کہتے کہ نیک ہو جائے گا، تا آنکہ ایک جمعہ کو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت رویا، مجلس ختم ہوئی تو وہ آپ کی مسند کے روبرو آکر کھڑا ہو گیا، شیخ نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ کہنے لگا مجھے قبول فرمالیں، شیخ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اُس نے تیسری بار کہا تو شیخ نے اُس کی جانب گہری نظر سے دیکھ کر فرمایا۔ قبول کر لوں گا مگر آسائش و نعمت جاتی رہے گی۔ اُس نے کہا قبول ہے۔ یہ بھی قبول ہے، بعد ازاں شیخ نے قلم دوات منگوا کر ایک کاغذ پر لکھا۔ "ابراہیم مجھ سے ہے۔ فضل اللہ (ابو سعید)" ابراہیم نیال نے وہ کاغذ لے کر اُسے بوسہ دیا اور اپنی جیب میں رکھا

اور خانقاہ سے باہر چلا گیا، اسی رات ابراہیم عراق روانہ ہوا اور ہمدان بیٹھ کر اعلانِ بغاوت کر دیا سلطان طغرل نے اس سے جنگ لڑی اور اسے گرفتار کر لیا، اُس نے سلطان کو پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے قتل کریں گے، میری آپ سے صرف اتنی حاجت ہے کہ جب مجھے خاک میں رکھا جائے تو میرے جیب میں شیخ ابو سعیدؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جسے میرے ہاتھ میں دے دیا جائے، کیونکہ یہ جو کچھ ہوا انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور اب پسِ مرگ ان کا یہ رقعہ ہی میری دستگیری کرے گا۔

اخلاقِ خانقاہی:۔ شیخ ابو سعیدؒ کسی جگہ سے صوفیوں کے ایک گروہ کے ساتھ نیشاپور میں کوچہ عدی کویان آرہے تھے، جب وہاں پہنچے تو ایک قصاب نے انہیں دیکھا۔ جو دل ہی دل میں انہیں برہنہ گالیاں دے رہا تھا۔ شیخ اپنی فراست باطنی سے قصاب کی دشنام طرازی سے مطلع ہو گئے اور حسن مؤدب سے کہا جاؤ اُس قصاب کو میرے پاس بلا لاؤ، حسن مؤدب نے جا کر اُس سے کہا۔ شیخ تمہیں بلاتے ہیں قصاب پر لرزہ طاری ہو گیا اور حسن کے ہمراہ جانب شیخ چل پڑا۔ ادھر شیخ نے ایک صوفی کو بھیجا کہ راستے سے ہی قصاب کو حمام میں لے جائے حسن مؤدب اُسے صوفی کے حوالہ کر کے خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا، شیخ نے اُسے فرمایا۔ بازار سے باریک سوتی کپڑا، جوتے اور طبری دستار خرید کر حمام میں جاؤ اور اپنے ساتھ دو صوفی بھی لے جاؤ تاکہ وہ اُس قصاب کی مالش کریں۔ حسن نے حسبِ حکم دو صوفیوں کو حمام روانہ کیا اور خود بازار سے سب چیزیں خرید لایا، شیخ نے حکم دیا کہ خانقاہ میں موجود صوفی فوری طور پر لباس تیار کریں، لباس تیار ہو گیا تو حسن سے فرمایا۔ جاؤ یہ لباس اور سو درہم اس قصاب کو حمام میں دے آؤ اور اس سے کہو کہ وہی سخن جو تم نے ہماری بابت کہا تھا، کہتے رہو اور جب بھی یہ رقم ختم ہو جائے تو آکر اور لے جاؤ، حسن نے ایسا ہی کہا تو قصاب رو پڑا اور بارگاہِ شیخ میں حاضر ہو کر، شیخ کا مُرید ہو گیا۔

سات، سات اور سات:۔ ابو بکر شوکانی کہتے ہیں کہ میرے والد دانشمند محمد نے بیان کیا کہ نیشاپور میں زمانۂ طالب علمی کے دوران ہر روز

درس سے فارغ ہو کر نمازِ عصر تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہتا اور پھر مدرسہ لوٹ جاتا، حسبِ معمول ایک روز میں حاضر ہوا تو شیخ نے کنارۂ سجادہ اُٹھا کر ایک مشت کشمش نکالی اور کہا صوفیوں کے لئے نذرانہ آیا تھا۔ میں نے تمہارا حصہ چھوڑا تھا۔ ہر ایک کے لئے سات سات اور سات مدرسہ میں میرا ایک ساتھی تھا۔ یعنی ہم دو تھے، مگر شیخ نے تین بار سات کا عدد دُہرایا تھا۔

خدمت شیخ سے رخصت ہو کر مدرسہ جاتے ہوئے راستہ میں کشمش شمار کئے تو اکیس[۲۱] تھے۔ مدرسہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ عراق سے میرے ساتھی کا بھائی آیا ہے اور میرے ہی کمرہ میں بیٹھا ہے اُس وقت مجھ پر شیخ کے تین بار سات کا عدد دُہرانے کا اشارہ کھُلا الغرض میں نے مہمان کا حال احوال پوچھا اور کشمش تین حصے کر کے بانٹ لی،

خواجہ امام ابو علی فارمدیؒ بیان کرتے ہیں کہ ابتداءِ جوانی میں نیشاپور کے مدرسۂ سراجان میں پڑھتا تھا۔ اُن دنوں ایک عرصہ سے یہ خبر گرم تھی کہ میہنہ سے شیخ ابوسعید آئے ہیں مجلس منعقد کرتے ہیں اُن سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے، ہر مذہب و مسلک کے امام اور اہل نیشاپور اُن کے معتقد ہو چکے ہیں، میں بھی اُن کو دیکھنے گیا، جب نظر اُن کے جمال پر پڑی تو میں ان پر فریفتہ ہو گیا اور اس طائفۂ صوفیہ کے لئے میرے دل میں بے حد محبت و عقیدت پیدا ہو گئی، ہر روز اس ٹوہ میں رہتا کہ کب شیخ مجلس میں تشریف فرما ہوں جو میں ان کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر دوں، میں پوشیدہ طور پر اُن سے منسلک ہو گیا، اور یہ خیال کرتا تھا کہ شیخ کو معلوم نہیں، ایک روز مدرسہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ میرے دل میں شیخ سے ملنے کی تڑپ نے ایسی کروٹ لی کہ مجھ سے صبر کرنا مشکل ہو گیا۔ اُٹھ کر باہر آ گیا۔ چوراہے میں پہنچا تو شیخ کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ گزرتے دیکھا میں بھی دیوانہ وار اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیا، شیخ کسی کے ہاں دعوت پر جا رہے تھے، جب صاحبِ دعوت کے مکان میں داخل ہوئے تو میں بھی سب کے ساتھ اندر چلا گیا اور ایک کونے میں اس طرح بیٹھ گیا کہ شیخ کو نظر نہ آتا تھا، جب سماع شروع ہوا اور شیخ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے پیراہن چاک کر دیا۔ سماع سے فارغ ہوئے تو اپنی آستین قمیص سے جُدا کر کے آواز دی کہ اے ابو علی طوسی

کہاں ہو؟ میں نے یہ خیال کر کے جواب نہ دیا کہ شیخ نے مجھے دیکھا ہے اور نہ مجھے جانتے ہیں جماعت میں سے کس کا نام ابوعلی ہے جسے شیخ نے پکارا ہے۔ شیخ نے دوبارہ پکارا میں نے پھر کوئی جواب نہ دیا، لوگوں نے مجھ سے کہا شیخ تمہیں بلا رہے ہیں، میں اُٹھ کر شیخ کے سامنے حاضر ہوا، انہوں نے قمیص کی آستین مجھے دیتے ہوئے فرمایا۔ تو میرے لئے بمنزلہ آستین کے ہے میں آستین لے کر اسے بوسہ دیا، اور مسلسل خدمتِ شیخ میں حاضری دیتا رہا اور اُن کے فیض سے بہرہ ور ہوتا رہا، شیخ ابوسعیدؒ کے نیشاپور سے چلے جانے کے بعد استاد قیشریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اپنے احوال بیان کئے، انہوں نے فرمایا۔ بیٹے! جاؤ علم حاصل کرو۔ دو تین برس تحصیلِ علم میں گذارے تو ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ قلم دوات میں ڈالا تو سیاہی سے خشک برآمد ہوا، تین بار ایسا ہی کیا مگر قلم سیاہی سے خالی رہا۔ سیدھا استاد قیشری کے پاس گیا واقعہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا۔ جب علم نے تم سے ہاتھ کھینچ لیا ہے تو تم بھی اُس سے دستکش ہو جاؤ، اور معاملہ شروع کر دو، میں نے مدرسہ سے سامان سمیٹا اور خانقاہ چلا گیا، اُستاد قیشری کی خدمت میں رہنے لگا، ایک روز وہ غسل کرنے غسل خانہ میں داخل ہوئے تو میں نے جا کر دو ڈول غسل خانہ کی ٹینکی میں ڈال دیئے۔ غسل کر کے جب استاد باہر نکلے اور نماز ادا کرلی تو پوچھا کہ یہ کون تھا جس نے پانی ڈالا، میں نے بے ادبی کے پیش نظر جواب نہ دیا۔ جب تیسری بار پوچھا تو جواب دیا کہ پانی میں نے ڈالا تھا، انہوں نے فرمایا۔ ابوعلی! جو مقام ابوالقاسم ستر سال میں حاصل نہ کر سکا تم نے پانی ایک ڈول ڈال کر پا لیا، ایک عرصہ تک اُن کے زیرِ تربیت مجاہدہ میں مشغول رہنے کے بعد ایک دن آیا کہ میں ایک خاص حالت میں محو ہو گیا۔ میں نے استاد سے عرض کیا تو انہوں نے کہا۔ میری حد اس سلسلے میں اس سے آگے نہیں کہ تمہاری مزید رہنمائی کر سکوں، میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا مرشد مجھ کو مل جاتا جو مجھے اس راہ پر آگے لے جاتا میں نے ابوالقاسم گرگانیؒ کا نام سن رکھا تھا۔ سیدھا طوس روانہ ہوا۔ اُن کی فرودگاہ سے واقف نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ محلہ رودبار کی مسجد میں اپنے مریدوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں، الغرض مسجد میں پہنچا، شیخ تشریف فرما تھے میں نے دو رکعت ادا کئے اور اُن کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے

سر اٹھا کر پوچھا۔ ستاؤ ابو علی کیا معاملہ ہے؟ میں نے اپنا سارا حال سنایا، انہوں نے فرمایا۔ مبارک ہو اب ابتداء کو پہنچے ہو۔ اگر تربیت پاؤ تو مقام پالوگے، اُن کی بات سن کر میں نے سمجھ لیا کہ میرے مرشد یہی ہیں، اور ان کی خانقاہ میں فروکش ہو گیا۔ ایک عرصہ بعد شیخ نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی۔ خواجہ امام ابو علی فارمدیؒ کہتے ہیں کہ جن دنوں میں شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کے زیر تربیت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول تھا اور ہنوز شیخ ابوالقاسم نے مجھے خرقہ عطا کرنے کی مجلس منعقد نہیں کی تھی تو میری ملاقات شیخ ابوسعیدؒ سے اُن کے طوس میں آمد پر ہوئی۔ اس وقت انہوں نے فرمایا تھا۔ اے ابو علی! جلد ہی تمہارے طوطی کو گویا کر دیا جائے گا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے شیخ ابوالقاسم نے خرقہ عطا کیا اور مجھ پر شیخ ابوسعید کی بات کھل گئی۔

ع۔ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست:۔ خواجہ امام ابونصر عیاض سرخسیؒ نے کہا۔ میں نیشاپور میں خواجہ امام ابو محمد جوینیؒ سے ایک طویل عرصہ تک حصولِ علم کرتا رہا، اس دوران میں نے سُنا کہ شیخ ابوسعیدؒ میہنہ سے تشریف لائے ہیں، اور مجلس منعقد کرتے ہیں میں بھی فقط دیکھنے کی خاطر ان کی مجلس میں گیا جب اُن پر نظر پڑی تو ان کی ہیبت و فراست نے مجھے محوِ حیرت کر دیا، اُن کی گفتگو کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ میں نے خود سے کہا۔ اگرچہ علمی لحاظ سے مَیں بہت بڑے درجہ پر فائز ہوں تاہم راہِ خُدا پر چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور راہِ خدا وہی ہے جو یہ مردِ بزرگ کہتا ہے، مجھے بھی اس راہ پر چلنا چاہیئے، جونہی میرے دل میں یہ خیال گذرا اُسی وقت شیخ نے منبر پر سے فرمایا۔ ضرور آنا چاہیئے میں گفتۂ شیخ سے بہت خوش ہوا کہ دیکھو شیخ نے کہاں یہ جملہ کہا، اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ شیخ نے اتفاقاً ایسا کہا، بہرحال شیخ نے گفتگو جاری رکھی اور ایک بار میرے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے اس راہ پر چلنا چاہیئے تو معاً شیخ نے پھر فرمایا۔ اس سلسلے میں تاخیر کیسی؟ جب شیخ کی یہ کرامت دوسری بار ظاہر ہوئی تو میرے دل کا شک دور ہو گیا۔

اختتام مجلس پر میں اُٹھ کر واپس مدرسہ آیا تاکہ سامان باندھوں اور شیخ کی خدمت میں حاضر

ہو جاؤں، کسی نے خواجہ ابو محمد جوینیؒ کو خبر کر دی وہ فوراً میرے پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے سب حال انہیں بتا دیا، انہوں نے کہا: میں تمہیں شیخ ابو سعیدؒ کے پاس جانے سے نہیں روکتا کیونکہ تم نے اُن کے رعب، کرامات اور نیک کردار کو دیکھ لیا ہے، اب اگر یہ سمجھو کہ تم بھی اُن کے مقام کو پہنچ جاؤ گے تو ایسا سمجھنا سخت غلطی ہوگی کیونکہ جن ریاضات اور مجاہدات سے وہ گزرے ہیں تم انہیں نہیں جانتے، مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے کتنی محنت کی ہے، تب جا کر یہ مقام پایا ہے، اگر سو آدمی وہی ریاضت کریں جو انہوں نے کی ہے تو بھی اللہ ان کو وہ کچھ عطا نہ کرے گا جو ابو سعیدؒ کو عطا فرمایا ہے، اس طرح تو تم اپنے علمی کام سے بھی دور چلے جاؤ گے اور اُس حالت کو حاصل نہ کر سکو گے جس تک شیخ کی رسائی ہے، جب میں نے ابو محمد جوینیؒ کی اس بات پر غور کیا تو اُسے صحیح پایا، الغرض میری عقیدت شیخ ابو سعید سے قائم رہی اُن کی خدمت میں جاتا وہ التفات فرماتے مجھے فائدہ ہوتا اور اس کے ساتھ اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھے۔

غفلت مُرید اور بیدارئ شیخ:- استاد اسماعیل صابونیؒ کا بیان ہے کہ میں ایک رات سویا ہوا تھا، جب عبادت کے لئے اٹھنے کا وقت ہوا تو میں نے سستی کی اور سوتا رہا، سرہانے پانی کا برتن رکھا تھا، بلی نے اُسے گرا دیا، میری نیند کھل گئی مگر کاہلی و سستی سے پھر میری آنکھ لگ گئی اسی وقت ایک پتھر اوپر سے مکان کے درمیان پڑے ہوئے ایک تھال میں گرا، گھر کے لوگوں نے شور بلند کیا کہ چور ہے، میں بیدار ہوا اور عبادت میں مشغول ہو گیا، صبح ہوئی تو مجلس شیخ میں گیا، شیخ نے اثنائے گفتگو میں میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جب بندہ ساری رات سوتا رہے اور دیر تک بیدار نہ ہو تو چوہے بلی کو لڑا دیا جاتا ہے تاکہ پانی کا برتن گرا کر سونے والے کو بیدار کر دیں، اور چور سے مکان میں پتھر پھینکنے کو کہا جاتا ہے گھر کے لوگ چور چور پکارتے ہیں مگر چور کب ہوتا ہے، وہ تو میرا فرستادہ ہوتا ہے کہ تجھے خواب سے بیدار کر دے تاکہ کچھ دیر تو مجھ سے باتیں کریں۔ ؎

مہ روی تبا دوش بامت بودم　　　　گفتی دُز داست دُز د بند من بودم

ترجمہ:۔میرے چاند جیسے محبوب کل تیرے بام پر میں تھا تو نے کہا چور ہے چور نہ تھا وہ میں تھا۔

مُرید امام اور شیخ مقتدی:۔ خواجہ ابوالفتح کہتے ہیں کہ پیر موسیٰ کا بیان ہے کہ ایک روز شیخ نے مجھ سے نیشاپور میں فرمایا۔آگے بڑھو اور دو رکعت نماز پڑھاؤ تاکہ میں تمہاری اقتدار کروں،اور نماز میں قرآن کریم میں بیان کی گئی ہر حمد پڑھ ڈالو، پیر موسیٰ کہتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ ایسا کرنا میرے بس میں نہیں تاہم حکم شیخ کی تعمیل میں تکبیر کہی اور قرآن کریم میں موجود ہر حمد میری زبان پر جاری ہوگئی جب دو رکعت پڑھا چکا تو شیخ نے فرمایا اے موسیٰ! میں اللہ کا شکر ادا کرنے سے عاجز تھا، تم نے میری اس سلسلے میں مدد کی اللہ تمہارا بھلا کرے،

احترام اولیاءؒ:۔ ابوبکر مکرم نے کہا کہ نیشاپور کا ایک حاکم مسلسل شیخ کا احتساب کرتا رہتا تھا، ایک دن شیخ کے پاس کہیں سے ہزار دینار اور عود بطور تحفہ آیا، آپ نے خادم خاص حسن مؤدب سے کہا۔دعوت کا اہتمام کرو، شوربا اور شیرینی تیار کراؤ اور سارے عود کو آگ میں ڈال دو تاکہ ہمسایوں کو بھی اُس میں سے خوشبو پہنچے، دعوت کا اہتمام ہوا اور عود جلنے لگا تو حاکمِ نیشاپور بھی شیخ سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں پہنچ گیا، اُس نے شیخ سے کہا۔اس قحط سالی و تنگ حالی کے زمانہ میں آپ کا اس قدر اسراف کیا جمانہ رکھتا ہے؟ وہ آپ کے ساتھ اس قدر گستاخی و ترشی سے پیش آیا کہ ہمارے سب ساتھی بہت رنجیدہ ہو گئے۔ مگر شیخ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو شیخ نے اس کی جانب نگاہ کی اور فرمایا۔ادھر آؤ! حاکم یہ سنتے ہی دوہرا ہو کر حاضر ہوا، آپ نے کہا اور دوہرے ہو جاؤ اور اُس کی کمر مزید دہری ہوگئی اور وہیں کی وہیں رہ گئی، بمشکل تمام وہ حاکم وہاں سے نکل کر خانقاہ کے پہلو میں ایک مسجد میں بیٹھ گیا، شیخ نے ایک درویش کو اس کی دیکھ بھال پہ مقرر کر دیا۔ڈھائی سال وہ اُسی طرح دہری کمر کے ساتھ مسجد میں رہا اور وہیں انتقال کر گیا۔

اس لئے علماء اور بزرگان کرام کا کہنا ہے کہ مشائخ کرام اور اہلِ حال کے سامنے بیباکی و گستاخی

سے احتراز کرنا چاہیئے۔ ان کے وقت اور ان کی عزت کا خیال رکھتے ہوئے اُن کے حضور میں جانا چاہیئے کیونکہ اُن کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ اگر حالتِ قبض میں کسی پر ان کی قہر کی نگاہ پڑ جائے تو وہ ہلاکت سے دوچار ہو جائے،

شوق پابوسی:- خواجہ اسماعیل مکرم کا بیان ہے کہ ایک روز میں جا رہا تھا کہ سامنے سے شیخ ابوسعید آتے دکھائی دیئے، میں نے قریب جاکر سلام عرض کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا، میں ان کے پیچھے روانہ ہوگیا، اور میری نظر رکاب میں اُن کے پاؤں پر تھی اور دل میں یہ سوچتا جاتا تھا کہ کاش شیخ اجازت دیں تو ان کے پائے بوسی کا شرف حاصل کروں، کہ اُسی وقت شیخ گھوڑے کی لگام کھینچ کر رُک گئے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو رکاب سے پاؤں نکال کر میرے سامنے کیا میں نے پاؤں پر بوسہ دیا، اور شیخ ایک طرف اور میں دوسری جانب چل پڑا۔

برکتِ شیخ:- رشید الطائفہ عبدالجلیل کہتے ہیں کہ نیشاپور میں شیخ ابوسعیدؒ کے ایک درویش صفت مُرید کا انگور کا باغ تھا اُس نے شیخ کو مریدین سمیت وہاں آنے کی دعوت دی، مگر شیخ نے کہا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ کئی بار آیا مگر شیخ نہ مانے بہت التجاء کے بعد شیخ اپنے مریدین کے ساتھ روانہ ہوگئے، باغ چھوٹا تھا اور لوگ کافی، سارے انگور ختم ہوگئے، اس درویش نے دو خوشے انگور کے باغ کے ایک کونہ میں اس طرح چھپا کر رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ مریدین شیخ نے جب انگور کی بیلیں خالی کر دیں تو وہاں سے چل پڑے، اُس مردِ درویش جب اپنے باغ پر نظر ڈالی تو وہاں کچھ بھی باقی نہ پایا، کسی نے اُس سے کہا اللہ برکت دے گا، اُس نے کہا۔ اس سال کی برکت تو گئی، الغرض شیخ کے جانے کے بعد اُس مرید شیخ نے بہت غصّے کا اظہار کیا اور باغ کا دروازہ بند کر کے باہر آگیا، اور اب کے گرمیوں کے موسم میں باغ میں نہیں گیا، نہ ہی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، دوسرے سال جب باغ کی نگہداشت اور دیکھ بھال کا موسم آیا اور لوگ اپنے اپنے باغوں کے بندوبست میں لگ گئے تو اس نے دل میں سوچا کہ اسے بھی باغ کو تیار کرنا چاہیئے، آخر باغ

کا کیا قصور ہے سارا قصور تو اس کا اپنا ہے، یہ سوچ کر وہ باغ میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہے کہ جو دو خوشے انگور کے اُس نے چھپا رکھے تھے وہ جوں کے توں تازہ حالت میں تھل سمیت پڑے تھے، خود سے کہنے لگا، یہ انگور بادشاہ کی خدمت میں لے جاؤں گا تاکہ وہ مجھے انعام واکرام دے، اور انگور ایک طشت میں رکھ کر وہ بادشاہ سوری کے پاس گیا، بادشاہ نے خوش ہو کر اُس کے طشت کو دولت سے بھر دینے کا حکم دیا، اس انعام سے اُسے بڑی خوشی ہوئی اور اُسے شیخ کی آمد کی برکت سمجھا اپنے کئے پر نادم ہوا۔ اور دس دینار بادشاہ کی دی ہوئی دولت میں سے لے کر شیخ ابوسعیدؒ کی خدمت میں معذرت چاہتے حاضر ہوا، جب شیخ کی نگاہ اُس پر پڑی تو فرمایا، اگر بادشاہ سوری تیرے انگور نہ کھاتا تو ہلاک ہو جاتا، وہ مُرید شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور اپنے کئے کی معافی چاہی۔

عجیب چلّہ کشی:۔ نیشاپور میں اپنے قیام کے دوران خانقاہ پر بڑی پُرتکلف دعوتوں کا اہتمام فرماتے تھے، وہاں کے ایک مخالف عالم نے ایک روز آپ کے پاس آ کر کہا۔ شیخ! میں آپ کے ساتھ چلّہ کرنا چاہتا ہوں، اُس بے چارے کو شیخ کی ابتدائی ریاضتوں کی خبر نہ تھی بے خبری میں یہ سمجھ بیٹھا کہ شیخ ساری عمر اسی طرح پُرتکلف دعوتوں کے عادی رہے ہیں میں اُن کو بھوک سے دوچار کر دوں گا، تو ان کی اہلیت لوگوں پر آشکارا ہو جائے گی، اور میں برسرِ عام اُن کو رسوا کر سکوں گا، الغرض شیخ نے اُس کی بات تسلیم کر کے چلّہ کاٹنے کے لئے سجادہ بچھایا اور اِس مخالف عالم نے بھی اُن کے پہلو میں سجادہ بچھا دیا، دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے، وہ شخص چلہ کشی کے مطابق کچھ کھا لیتا تھا مگر شیخ تھوڑا بہت کچھ بھی نہ کھاتے، اور پُرتکلف دعوتوں کا اہتمام جاری رکھا۔ جس میں خانقاہ پر اُن کے سوا موجود سارے درویش شریک ہوتے، شیخ کا چہرہ باوجود کچھ نہ کھانے کے روز بروز سرخ سے سرخ تر ہوتا جاتا تھا جبکہ اُس مخالف کا چہرہ دن بدن کمزور سے کمزور تر دکھائی دینے لگا۔ اور پُرتکلف دعوتیں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہتا، اُسے اس قدر ضعف ہو گیا کہ نماز پڑھنا بھی دشوار ہو گیا، اپنے دعوے پر پشیمان ہوا اور جان گیا کہ اُسے تو کچھ پتہ ہی نہ تھا۔ جب چالیس روز کا چلہ مکمل ہو گیا تو شیخ نے فرمایا۔ تمہارا کہنا میں نے

مانا اب میرا کہنا تم مانو، اُس مدعی نے کہا، فرمائیے۔ شیخ نے کہا۔ اب چالیس روز کا ایک اور چلہ کریں گے اور وہ یہ کہ ہم دونوں چیزیں کھائیں گے مگر رفعِ حاجت کے لئے نہیں جائیں گے اس پر دونوں کا اتفاق ہو گیا تو شیخ نے پرتکلف کھانے لانے کے لئے کہا کھانے آگئے، اس مخالف عالم نے چالیس روز کی بھوک گذاری تھی، خوب جی بھر کر کھایا، ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ اسے پیشاب کی حاجت ہوئی، شیخ اُس کی حالت کو دیکھ کر خاموش رہے، مگر وہ شخص صبر نہ کر سکا، اور شیخ کے پاؤں پہ گر کر توبہ کی، پھر شیخ نے کہا۔ اب تو رفع حاجت کر لے، جس طرح چاہے زندگی بسر کر اور میرے پاس بیٹھ تاکہ میں وہ کچھ تمہیں کر کے دکھادوں جو ہم نے باہم طے کیا تھا، بعدازاں وہ مدعی چالیس روز شیخ کے پاس بیٹھا رہا اور جب چاہتا رفع حاجت کے لئے چلا جاتا، مگر شیخ پورے چالیس دن رفع حاجت کو نہ گئے۔ جبکہ وہ برابر کھانا بھی کھاتے رہے، اور اپنے معمول کے مطابق وجد و سماع میں بھی مشغول رہے، مدعی نے یہ حالت دیکھی تو معذرت چاہی اور شیخ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا

مسلمان آزار محتسب: ابو عبداللہ کرام کے ساتھیوں میں سے ایک محتسب نیشاپور میں رہتے تھے جو شیخ ابو سعید کے مخالف تھے ایک روز وہ دھوبی کو کپڑے دینے جا رہا تھا خانقاہ شیخ راستے میں تھی، جب وہ وہاں سے گذرا تو شیخ ابو سعیدؒ وعظ فرما رہے تھے، محتسب نے خود سے کہا کہ ابھی واپس آکر شیخ سے نبٹ لوں گا، الغرض وہ دھوبی کے پاس پہنچا اور اسے چاندی کا ایک درہم دیا، دھوبی نے کہا کم ازکم صابن اور ریکھار کا خرچہ تو دیتے جاؤ، کیونکہ میں تو ایک ترک کے ہاں مزدور ہوں، محتسب نے اس کے چند سخت دُرّے رسید کئے، وہ بوڑھا دھوبی رونے لگا، اور محتسب واپس چلا گیا، جب خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو شیخ ابھی وعظ فرما رہے تھے۔ وہ اندر گیا اور شیخ سے کہنے لگا۔ یہ دوغلا پن اور مکر وحیلہ کب تک جاری رہے گا، شیخ نے فرمایا۔ پھر کیا کرنا چاہیئے؟ محتسب کہنے لگا۔ یہ مجلس اور اشعار سنانا بند ہونا چاہیئے، شیخ نے جواب دیا ایسا ہی کروں گا جو تم چاہتے ہو مگر تمہیں بھی تو صبح صبح لیا

نہیں کرنا چاہیئے کہ دھوبی کو کپڑے دھونے کے لئے ایک درہم دیا۔ جب وہ کہے کہ کم از کم کھارصابن کا خرچہ دو کہ میں ایک ترک کے ہاں مزدور ہوں اور تو اُسے درے مارے اور وہ روتا ہوا صحرا میں درد سے بلبلائے، اور تمہیں ترس نہ آئے، اگر کپڑے دھلوانے ہوں تو حسن مؤدب کو دے جایا کرو وہ دھودیا کرے گا، اور عطر و گلاب میں بسا کر آپ کے پاس بھجوادیا کرے گا، تاکہ کوئی مسلمان تیرے آزار سے بچا رہے، اور تو گناہ سے محتسب نے جب یہ سُنا تو بہت شرمندہ ہوا۔ شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور اس دن سے شیخ کی مخالفت سے تائب ہوا۔

خواجہ ابوالفتوح عیاضی فرماتے ہیں، کہ میں نے خواجہ حسین عباد دلیشی سے سنا تھا کہ وہ خود نیشاپور میں حضرت شیخ کی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت گفتگو فرما رہے تھے۔ میرے دل میں اپنی والدہ اور سرخس کا خیال آیا۔ شیخ نے اسی وقت مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

یتجعل علی اُم علیک حنینتہ تنوح و تبکی من فداتک دا ئبا

میں اسی وقت مجلس سے اٹھا۔ باہر آیا۔ اور سرخس کو روانہ ہو گیا۔ میں گھر پہنچا تو والدہ اس وقت مرض موت میں تھیں۔ میں اس کے سرہانے پہنچ کر آبدیدہ ہو گیا۔ وہ دوسرے روز وفات پاگئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت شیخ نے مجھے جلدی کرنے کا جو حکم دیا تھا۔ وہ اسی وقت کے لئے تھا۔

حضرت شیخ ایک دن نیشاپور میں مجلس فرما رہے تھے۔ ایک تاجر بھی آپ کی مجلس میں تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔ کہ وہ حضرت کو اپنے گھر لے جائے گا۔ اور آپ کی حلوے سے تواضع کرے گا۔ آپ نے دوران وعظ ہی اس تاجر کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے نوجوان۔ ہمارے لئے جو حلوہ تیار کر رہے ہو۔ وہ کسی مزدور کو دے دینا۔ وہ ہمارے پاس اٹھا لائے گا۔ راستہ میں جہاں تھک جائے وہ رکھ دے گا۔ وہ شخص اپنے گھر گیا۔ حلوے کا دیگچہ مزدور کے سر پہ رکھا۔ راستے میں ایک جگہ مزدور تھک گیا۔ اور اس نے ایک مکان کے دروازے کے سامنے دیگچہ رکھ دیا۔ گھر والوں کو آواز دی ایک بوڑھا آیا۔ اور کہنے لگا۔ تم گرم کا حلوہ لائے ہو تو اندر لے آؤ۔ مزدور نے سوچا غالباً یہ بھی

حضرت شیخ کی کرامت ہے۔ کہ آنے والے نے خود ہی سمجھ لیا کہ یہ گڑ کا حلوہ ہے اندر جا کر پوچھا۔ آپ لوگوں کو کس طرح معلوم ہوا ہے کہ یہ گڑ کا حلوہ ہے۔ اس نے کہا۔ ہم کئی روز سے بھوکے تھے۔ ہمارے بچے نے اللہ سے دعا کی تھی۔ اے اللہ۔ ہمیں گڑ کا حلوہ بھیج دے۔ اللہ نے یہ ہماری دعا قبول فرمادی۔ اور حضرت شیخ کے تصرف سے ہماری بھوک جاتی رہی۔

وہ دیکھتے ہیں آپ کو پر دیکھتے نہیں:۔ حضرت شیخ ابوالحسن سنجاری نے شیخ ابومسلم فارسی کی زبانی سنا تھا۔ کہ نیشاپور میں شیخ عبدالرحمن سلمی کا انتقال ہوا۔ میں حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے میہنہ روانہ ہوا۔ یہ زمانہ آپ کی ابتدائی زندگی کا تھا۔ میں میہنہ میں پہنچا تو سیدھا مسجد میں گیا۔ وہاں حضرت شیخ جلوہ فرما تھے۔ آپ نے مجھے بے حد عزت و احترام سے بلایا۔ ایک درویش کو حکم دیا۔ کہ کچھ کھانے پینے کے لئے لاؤ۔ وہ درویش گیا اور واپس آکر کہنے لگا حضرت آج تو کچھ بھی نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ یَا فَقِیْرُ مَا اَفْقَرَکَ! میں ایک دن آپ کی خدمت میں رہا۔ دوسرے دن واپس آنے لگا تو میں نے حضرت سے التجا کی۔ کہ مجھے کاغذ پر کچھ لکھ دیں۔ میں نے کاغذ پیش کیا۔ تو آپ نے لکھا۔

تقشع غیم الھجر عن قمر الحبّ وَاشرق نور الصبح فی ظلمۃ العتبِ۔
وَجانسیم الاعتذار محمّفا فصادفعہ حسن القبول من القلب۔

ترجمہ:۔

میں نے کاغذ اٹھایا۔ اور حضرت شیخ سے اجازت لی۔ شیخ فرمانے لگے۔ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ط (تم جانتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتے) میں میہنہ سے واپس آیا اور پارس آگیا۔ ایک عرصہ رہا۔ بہت سالوں بعد وہاں کے ایک درویش محمد کو حیاں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر زیارت کے لئے خراساں روانہ

ہوئے۔ میں نے انہیں کہا۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچو تو میرا اسلام عرض کرنا۔ اور کہنا۔ تَرٰیهُم یَنظُرُونَ اِلَیکَ وَهُم لَا یُبصِرُونَ۔ وہ درویش چلا گیا۔ اور حضرت کی زیارت کی۔ واپس آیا۔ تو کہنے لگا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خود ہی فرمایا۔ وعلیک السلام۔ وتَرٰیهُم ینظرون اِلَیکَ وهُم لا یُبصِرُونَ ط

استاد امام اسماعیل صابونی فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ میں زیارت کو گیا۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ جن دنوں میں بوعلی زاہر سے سرخس میں حضرت شیخ کے ساتھ احادیث پڑھا کرتا تھا۔ وہ کون سی احادیث تھیں۔ میں حضرت کے پاس پہنچا سلام عرض کیا۔ حضرت اٹھے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ جونہی میں بیٹھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ استاد جن دنوں ہم لوگ بوعلی زاہر کی خدمت میں احادیث پڑھا کرتے تھے۔ یاد رہے۔ پہلی حدیث کیا تھی۔ میں نے گذارش کی۔ جب تک میں مطالعہ نہ کر لوں مجھے یاد نہیں آتی حضرت شیخ فرمانے لگے۔ پہلی حدیث تو یہ تھی۔ حُبُّ الدُّنیا رَاسُ کُلِّ خَطِیَّۃٍ۔ پھر آپ نے فرمایا۔ دوسری حدیث کون سی تھی۔ میں نے کہا۔ مجھے یاد نہیں فرمایا۔ دَعْ مَا یُرِیبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیبُکَ حضرت نے فرمایا۔ اب تیسری حدیث تو سناؤ۔ میں نے پھر عرض کیا کہ مجھے یاد نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تیسری یہ ہے۔ کہ کَانَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَا یَدَّخِرُ شَیئًا لِغَدٍ۔

استاد اسماعیل فرماتے ہیں جب حضرت شیخ نے یہ احادیث پڑھیں تو مجھے یاد آیا کہ واقعی یہی احادیث تھیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے میرے راسنہ میں خیال کی ترجمانی فرمائی ہے۔ اس دن سے مجھے تقین ہو گیا کہ حضرت شیخ دلوں کے حالات اور اسرار سے کتنے واقف ہیں۔

شیخ اسماعیل سادی فرماتے ہیں کہ جن دنوں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں قیام فرماتے تھے۔ تو میں بلا توقف آپ کی مجلس وعظ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں شیخ اپنے کلام

میں اکثر اشعار پڑھا کرتے۔ میں اس شعر خوانی کو دل سے پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک دن مجلس
میں شیخ کی نگاہیں میرے چہرے پر ٹکیں۔ اور فرمانے لگے۔ قَدْ عَشِقْنَا وَكُلُّنَا يُفْنِي۔
یہ بات سنتے ہی میرے دل سے شعر کے خلاف عناد ختم ہو گیا۔ ایک دوسرے روز میں حضرت
شیخ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک خوش الحان قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ وَكَذٰلِكَ
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ
حضرت اس آیت کریمہ سے لفظ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ کا بار بار تکرار فرماتے۔ مجھے سنتے
ہی رقت طاری ہو گئی۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اپنے آپ پہ قابو پا لوں۔ اور حضرت پر
اعتراض نہ کروں۔ گھر گیا مجھے بخار نے آ لیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ کوئی چیز حضرت
شیخ کی خدمت میں بھیجوں۔ دوسرے روز ہی میرا بخار ٹوٹ گیا۔ میں بڑا پشیمان تھا۔ چند دن
گزرے میں پھر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس دن میں نے ایک خوبصورت گدڑی پہن رکھی
تھی حضرت شیخ کی مجلس میں ایک درویش اٹھا اور لوگوں سے کپڑے کا سوال کرنے لگا حضرت
شیخ نے مجھے دیکھا۔ اور فرمایا۔ اگر تم اس درویش کو گدڑی دے دو گے تو بڑی برکت ہو گی۔ اس
دن کی طرح افسوس نہ کرنا۔ میں نے گدڑی اور دوسرے کپڑے درویش کے حوالے کر دیئے۔

یہودی دامن اسلام میں :- جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ ایک دن اتوار
کی صبح صوفیاء اور درویشوں کو لئے حضرت کی طرف
جا رہے تھے۔ راستے میں ایک یہودی جاتا دکھائی دیا جس نے زربفت اور ریشم کا لباس
پہنا ہوا تھا۔ اور ایک خوبصورت حلہ اوڑھے ہوئے تھا۔ غالباً وہ اپنی عبادت گاہ کنشت
کی طرف جا رہا تھا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے اسے بصیرت دی کہ حضرت شیخ کے مقامات اور
اپنی ذلت دیکھے۔ حضرت شیخ اور صوفیاء کو دیکھ کر آتے آتے راستے سے ایک طرف پلٹ گیا
حضرت شیخ نے دیکھا۔ تو آپ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ یہودی جدھر جاتا حضرت اس
کے پیچھے پیچھے جاتے۔ ایک ایسی گلی آئی۔ جو آگے سے بند تھی۔ یہودی کو نکلنے کا راستہ نہ ملا حضرت

نے اسے جالیا۔ اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے۔

اشتربانان مرد بناید گفتن - او را چو خوش است غریبی شب رفتن

اونٹوں کے ساربانوں کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ لوگ ہمیشہ مسافری میں دن رات چلتے رہتے ہیں) اے اللہ کے بندے! اللہ تمہیں زندگی دے۔ تم کیسے ہو۔ اور کیسے رہو گے؟ شیخ یہ کہہ کر واپس آگئے۔ اب یہودی تھا۔ جو شیخ کے پیچھے پیچھے دوڑا دوڑا آرہا تھا شیخ نے دوڑنا شروع کیا۔ مگر وہ پیچھے دوڑتے دوڑتے با آواز بلند کہتا تھا۔ اَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ حضرت شیخ گھر پہنچے۔ تو یہودی آپ کے قدموں میں آگرا۔ اور خانقاہ میں داخل حلقۂ درویشان ہو گیا۔ اور حضرت کے مجاوروں میں شامل ہو گیا۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔ تو حضرت کے ہاتھ پر بہت سے یہودی اور آتش پرست مسلمان ہوئے ان دنوں نیشاپور کے علماء کی بھی کوشش ہوا کرتی تھی۔ کہ ان کے ہاتھوں بھی ایسے لوگ اسلام قبول کرتے۔ مگر انہیں کوئی خاصی کامیابی نہ ہوتی۔ نیشاپور میں ابو محمد جوینی بڑے زبردست عالم دین اور باکمال بزرگ تھے۔ ان کا وکیل یہودی تھا۔ آپ کوشش کرتے کہ وہ کلمہ پڑھے مگر وہ اتنا ضدی کہ اسلام قبول نہیں کرتا تھا۔ ایک دن حضرت جوینی نے اسے کہا۔ اگر تم اسلام قبول کر لو۔ تو میری ساری جائیداد کا تیسرا حصہ تمہارا ہو گا۔ اس نے کہا حضرت میں اپنا مذہب جائیداد کے لئے تبدیل نہیں کر سکتا۔ حضرت نے ایک دن پھر کہا۔ کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو میری جائیداد کا نصف حصہ تمہیں ملے گا۔ یہودی کہنے لگا۔ میں اپنا مذہب دنیاوی دولت کے بدلے نہیں بیچوں گا۔ آپ نے ایک دن بڑے زور سے تبلیغ کی اور کہا اگر تم کلمہ پڑھ لو۔ تو میں اپنی جائیداد کے دو حصے تمہیں دے دوں گا۔ اس نے پھر کہا۔ کہ میں دین فروش نہیں ہوں۔ شیخ جوینی مایوس ہو گئے اور خاموش ہو گئے۔

ایک دن محمد جوینی اپنے اس یہودی وکیل کے ساتھ کوچہ عدنی گویاں سے گزر رہے تھے۔ کہ مسجد میں حضرت شیخ ابوسعید کی تقریر سنائی دی۔ دل میں آیا۔ کہ چند لمحے سن لیں۔ یہودی نے بھی سوچا۔ کہ اتنا بڑا مجمع۔ اتنے انہماک سے لوگ وعظ سن رہے ہیں۔ میں بھی اندر جاکر سن لوں مجھے کون جانتا ہے۔ چنانچہ وہ یہودی بھی مسجد میں داخل ہوکر لوگوں کے مجمع میں گھل مل گیا۔ اور ایک ستون کی اوٹ میں بیٹھ کر وعظ سننے لگا۔ چند لمحوں بعد حضرت شیخ ابوالخیر نے فرمایا۔ ستون کے پیچھے ایک یہودی وکیل بیٹھے ہیں وہ میرے سامنے آجائیں یہودی نے کوشش کی کہ اپنے آپ کو سمیٹے۔ مگر بے اختیار اٹھا۔ اور حضرت کے سامنے حاضر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ کہو۔ یہودی کہنے لگا۔ کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یوں کہو!

من گبر بدم کنوں مسلماں گشتم - بد عہد بدم کنوں بفرماں گشتم

(ترجمہ:۔ میں یہودی تھا اب مسلمان ہوگیا ہوں۔ میں بدعہد تھا۔ اب فرمانبردار خدا ہوگیا ہوں)

یہودی نے یہ بیت کہا۔ اب حضرت شیخ نے فرمایا۔ تم محمد جوینی کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمہیں اسلام کی تفصیلات سے آگاہ کر سکیں۔ اور انہیں کہنا آپ کو معلوم نہیں کہ اِنَّ الْاُمُوْرَ مَوْقُوْفَۃٌ عَلٰی اَوْقَاتِہَا فَاِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ لَا یُحْتَاجُ اِلٰی ثُلُثِ الْمَالِ وَلَا اِلٰی نِصْفِہٖ وَلَا اِلٰی ثُلُثَیْہٖ ط ہر کام ایک وقت پر موقوف ہوتا ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو مال تیسرا حصہ۔ یا نصف یا دو حصوں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ شیخ بو محمد یہ بات سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور آپ نے توبہ کی۔

نیشاپور میں بو نصر شیروانی بہت بڑے مالدار تاجر تھے۔ دنیاوی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید نیشاپور میں اپنی مجالس کی وجہ سے اوج شہرت پر تھے۔ سارا شہر آپ کی مجالس میں امنڈ آتا تھا۔ ابونصر بھی ایسے ہی عقیدت مندوں میں سے تھے۔ اور آپ سے محبت اور ارادت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں جاتا۔ کئی کرامات دیکھتا۔ اور

کھڑے ہیں۔ مجھے پوچھا حسن۔ حضرت حمام میں ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنے کپڑے تو حجام کو دے دیئے ہیں۔ خود لباس کے بغیر بیٹھے ہیں۔ ابونصر نے بتایا سبحان اللہ۔ میں تھوڑی دیر پہلے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا لیکن مجھے نیند نے آ لیا۔ خواب میں کسی نے تاکیداً کہا۔ اٹھو! حضرت شیخ حمام میں ہیں۔ انہوں نے اپنا لباس کسی کو دے دیا ہے۔ خود بے لباس رہ گئے ہیں۔ ان کے لئے کپڑے لے جاؤ۔ میں اٹھا۔ اور اس خواب کو واہمہ سمجھا۔ قرآن پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ مگر پھر مجھے نیند نے دبا لیا۔ اور وہی شخص مجھے دوبارہ کپڑے لے جانے کا کہہ رہا ہے۔ میں نے پھر بھی قبول نہ کیا۔ تیسری بار مجھے اتنی نیند آئی۔ کہ میں قرآن پاک کو ایک طرف رکھ وہیں لیٹ گیا۔ خواب میں پھر اس شخص نے سختی سے کہا۔ ابونصر! تمہیں میں نے تیسری بار کہا ہے کہ حضرت شیخ حمام میں کپڑوں کے بغیر بیٹھے ہیں۔ تم کپڑے لے جاؤ اور پیش کرو۔ اگر اب تغافل برتو گے تو تمہارے لئے اچھا نہ ہو گا۔ میں اٹھا کپڑے تیار کئے۔ اور لے آیا۔

حسن مؤدب کہتے ہیں کہ ابونصر حمام کے دروازہ پر کھڑا رہا میں نے کپڑے لئے اندر چلا گیا۔ اس وقت حضرت وضو فرما رہے تھے۔ وضو کر کے باہر نکلے تو میں نے کپڑے پیش کئے۔ آپ لباس زیب تن کئے باہر آئے تو ابونصر نے ایک صد دینار نقد نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سو دینار حمام کے مالک کو دے دیں۔ جب اس کے شاگرد کی شادی ہو گی تو وہ شیرینی تقسیم کر سکے گا دینار حمامی کے حوالے کئے حضرت شیخ وہاں سے رخصت ہوتے۔ ابونصر حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا مال و متاع شیخ پر نثار کر کے اپنے آپ کو حضرت کی خدمت میں وقف کر دیا۔ آپ جب تک نیشاپور میں رہے۔ ابونصر حضرت کی خدمت کرتا رہا۔ نیشاپور سے میہنہ آئے۔ تو آپ نے ابونصر شیروانی کو ایک سرچشمہ خلعتِ خلافت کے طور پر دیتے ہوئے فرمایا۔ تم اپنے شہر چلے جاؤ۔ ہمارا جھنڈا بلند رکھو۔ ابونصر شیروان پہنچے۔ ایک خانقاہ تعمیر کی۔ جو اب تک آپ کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت شیخ کا عطا کردہ خرقہ وہاں رکھا۔ اس علاقہ کے صوفیہ کے لئے روحانی فیض جاری کر دیا۔ ابھی تک یہ خرقہ وہاں

پیارا تھا۔ آپ نے اسی دن احمد کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ اور شیخ کے پہنچنے کے دن دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔ مگر کچھ لوگوں نے عین اسی دن احمد کو پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔ اور باپ کے حجرہ کے سامنے رکھ دیا۔ نماز صبح کے وقت حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اپنے حجرے سے نکلے اور مسجد کی طرف نماز کے لئے آئے اور لڑکے کی نعش سے ٹھوکر لگی۔ آپ نے بیٹے کو آواز دی کہ چراغ لائے۔ آپ کی بیوی چراغ لے کر آئی۔ اس روشنی میں باپ کی نگاہیں بیٹے کی سربریدہ نعش پر پڑیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن نے فرمایا۔ اے جان پدر تم نے یہ کیا کیا؟ تم کیا کر سکتے تھے۔ کہ نہ کرتے؟ اسی وقت چند آدمیوں کو بلایا۔ احمد کو غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ اور ایک علیحدہ جگہ رکھ دیا اسی اثنا میں دیکھا حضرت شیخ ابوسعید معہ جماعت آ رہے ہیں۔ ایک درویش نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ کہ آپ لوگ اتنی دیر سے کیوں پہنچے انہوں نے بتایا ہم لوگ راستہ بھول گئے تھے۔ ورنہ رات کو پہنچ جاتے۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے اپنے مریدوں کو فرمایا۔ چپ رہو۔ یہ لوگ راستہ نہیں بھول سکتے۔ اس راستہ کی بدنصیب زمین مدت سے ان بزرگوں کے لئے چشم براہ تھی۔ اس پہ آہستہ آہستہ چلنا اس کی پیاس کو دُور کرنا تھا وہ اس فخر سے نازاں تھی۔ کہ اُس پر ان بزرگوں کے قدم آئے وہ اردگرد کی زمینوں پر فخر کرتی ہے۔ کہ اس کے سینہ کو ان بزرگوں کے قدموں سے روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو خوش رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو بھیجا تھا۔ کہ اس بزرگ ولی اللہ کی عنانِ سفر پکڑ کر اس علاقہ کی زمین پر لے آئیں اور اس زمین کو خلعتِ اعزاز سے نوازا۔ ان کی غیر حاضری میں ہمارے بیٹے کا سر قلم کیا گیا۔ اس درویش نے یہ باتیں سنیں۔ تو حضرت ابوسعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اللہ اکبر اس وقت لوگوں کو خیال آیا کہ نیشاپور سے چلتے ہوئے حضرت نے وہ بات کیوں کہی تھی حضرت شیخ ابوسعید خرقان میں پہنچے۔ خانقاہ میں داخل ہوئے مسجد کے ساتھ ہی ایک کمرہ تھا جس میں حضرت ابوالحسن خرقانی رہا کرتے تھے۔

حضرت خرقانی۔ سرو قد کھڑے مسجد کے صحن کے درمیان پہنچ کر حضرت شیخ کا استقبال کیا ایک دوسرے کو گلے لگایا حضرت ابوالحسن خرقانی نے فرمایا۔ ایسے زخم کو یہی مرہم درکار تھی میں ان قدموں پر اپنے بیٹے احمد کی جان قربان کرنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ شیخ ابوالحسن خرقانی نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند پر بٹھایا حضرت بیٹھ گئے۔ دونوں مسجد میں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ اس دوران قاری حضرات قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے لوگ رو رہے تھے۔ اور آہ و فغاں برپا تھا حضرت ابوالحسن نے اپنا خرقہ قاریوں کے سامنے پھینک دیا کہ ہم نے ایک فرض ادا کرنا ہے۔ لوگ جنازے کے منتظر ہیں۔ جنازہ باہر لایا گیا۔ نماز جنازہ ادا کی۔ تدفین سے فارغ ہونے قبر پر بڑے رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے صوفیہ اور درویشوں نے قاری حضرات کو کہا۔ کہ حضرت کا خرقہ پارہ پارہ کر کے سب نیازمندوں میں تقسیم کیا جائے حضرت خواجہ ابوالحسن کے ایک خادم نے یہ بات آپ کے گوش گزار کی تو آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کریں۔ یہ سالم خرقہ تو قاری حضرات کو دے دیں۔ ایک اور خرقہ لے جائیں وہ صوفیہ کو دے دیں۔ دوسرا خرقہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور تمام عقیدت مند ایک ایک ٹکڑا بطور تبرک لے گئے۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے لئے ایک علیحدہ کمرہ مختص کیا گیا۔ تاکہ آپ اس میں آرام فرما سکیں۔ حضرت خواجہ ابوالحسن نے اپنے تمام عزیزوں اور عقیدت مندوں کو ایک ایک کر کے سمجھا دیا۔ کہ حضرت ابوسعیدؒ سے "معشوق مملکت" ہیں۔ وہ تمام لوگوں کے دلوں کے حالات جانتے ہیں۔ کوئی بدگمانی اور بے لطفی کا اظہار نہ کرے۔ حضرت ابوالخیر تیس دن رات حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے مگر اس قیام کے دوران ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔

حضرت شیخ ابوالحسن بار بار بات کرتے تاکہ آپ بھی گفتگو فرمائیں۔ مگر آپ صرف اتنا فرماتے ہم تو سننے آئے ہیں سنانے نہیں آئے۔ حضرت خرقانی نے کہا آپ ہماری ضرورت ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کی درخواست کی تھی۔ وہ چل کر ہمارے گھر آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں سے ایک دوست بھیجا تاکہ میں رازِ دل کا اظہار کر سکوں۔ میں بوڑھا تھا۔ ضعیف تھا۔ میں خود حاضر

نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوت دی ہے ہمت دی ہے۔ عزت دی ہے۔ آپ خود بخود تشریف لے آئے۔ آپ کو مکہ مکرمہ میں قیام نہیں کرنے دیا جائے گا۔ آپ مکہ سے بھی عزیز تر ہیں۔ کعبہ کو آپ کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ وہ آپ کا طواف کرے گا۔

اس سفر میں خواجہ ابو طاہر کی والدہ (حضرت ابو سعید ابو الخیر کی بیوی) بھی موجود تھیں فرماتی ہیں کہ حضرت ابو الحسن خرقانی ہر صبح دروازے کے پاس آتے۔ اور سلام عرض کرتے اور فرماتے آپ ایک برگزیدہ شخص کی رفیقہ حیات ہیں۔ اس مقام پر بشریت ختم ہو جاتی ہے۔ نفس کی خواہشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف حق ہی حق موجود ہوتا ہے۔ رات کو حضرت ابو سعید ابو الخیر کے خلوت کدہ میں حاضر ہوئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر پردہ اٹھاتے اندر آنے کی اجازت طلب کرتے اجازت پا کر اندر قدم رکھتے۔ ابو الحسن قسم دلاتے کہ خدارا جس طرح تشریف فرمائیں بیٹھے رہیں تکلیف نہ فرمائیں دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ جاتے۔ اور فرماتے حضرت میرے سینہ میں اتنا درد ہے کہ انبیاء کرام بھی اسے برداشت مشکل سے کر سکے۔ اگر اس درد کا ایک ذرہ ظاہر کر دوں تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر اٹھتے اور حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے کی طرف آتے۔ اور آہستہ سے کچھ کہتے۔ تو دونوں رونے لگتے۔ حضرت خواجہ ابو الحسن حضرت ابو سعید کے کرتے کے اندر اپنا ہاتھ لے جاتے اور کہتے میں اللہ کا نور لے رہا ہوں۔

ایک دن اس شہر کے قاضی القضاۃ فاتحہ خوانی اور تعزیت کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے بتایا کہ شیخ بو سعید رحمۃ اللہ علیہ آئے ہوئے ہیں قاضی صاحب نے کہا میں اندر جا کر سلام عرض کر لیتا ہوں آپ نے فرمایا۔ وہاں صرف حاضری دینا اور خاموش کھڑے رہنا۔ قاضی اندر گئے۔ سلام عرض کیا زیارت کی۔ قاضی نے دیکھا کہ حضرت شیخ بادشاہوں کی طرح چوکڑی مار کر بیٹھے ہیں اور ایک درویش پاؤں کو دبا رہا ہے۔ قاضی صاحب نے دل میں کہا۔ یہ کیسی درویشی ہے؟ یہ ناز و نعمت میں آرام کرنے والے فقر اور درویشی کو کیا جانیں۔ یہ تو بادشاہ ہیں صوفی یا درویش تو نہیں! یہ خیال آتے ہی حضرت شیخ نے سر اٹھایا۔ اور قاضی کی طرف

نظریں گاڑ کر فرمایا۔ اے دانشمند! مَنْ کَانَ فِی مُشَاھَدَۃِ الْحَقِّ ھَلْ یَقَعُ عَلَیْہِ اِسْمُ الْفُقَرَاءِ ط (جو مشاہدہ حق میں ہو گیا اس پر فقر کا نام درست نہیں آتا) یہ بات سنتے ہی قاضی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گیا۔ درویش اندر گئے اور قاضی کو اٹھا کر باہر لے آئے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے کہا میں نے تجھے کہا تھا کہ ہوش کرو۔ تم اس نگاہ کی تاب نہیں لا سکو گے قاضی نے کہا۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ مگر وہ پھر بے ہوش ہو گیا اور سارا دن بے ہوش پڑا رہا۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے اور حضرت شیخ کو کہا حضرت آپ نے قاضی پر نظر ہیبت ڈالی ہے۔ نظر رحمت بھی ڈالیں۔ کیونکہ قاضی حال سے بے حال ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ نے اسے معاف کرتے ہوئے صرف گوشمالی کر دی اور وہ اپنی اصل حالت میں آ گیا۔

کعبہ ہر رات طواف کرتا ہے:۔ ایک دن حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی یا حضرت! میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ کعبۃ اللہ ہر رات آپ کے گرد طواف کرتا ہے۔ آپ کو کعبۃ اللہ میں جانے کی کیا ضرورت ہے آپ واپس چلے جائیں۔ آپ کو تو اس لئے مقرر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے بندے کو پائیں۔ آپ کا حج تو ہو گیا ہے۔ ابوالحسن کی وادی اندوہ کو عبور کر لیا ہے! اس کی نیازمندانہ صدائے لبیک سن لی ہے! اس کے صومعہ عرفات میں قیام کر لیا ہے! اس کے نفس کو رجم کر لیا ہے۔ ابوالحسن کو اپنے جمال پر قربان کر لیا ہے! اس کے بیٹے کی نماز جنازہ ادا کر لی۔ غم زدہ عقیدت مندوں کی فریادیں سن لی ہیں! واپس چلے جائیں۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آج ابوالحسن زندہ نہ ہوتا۔ آپ معشوق عالم ہیں۔ حضرت شیخ نے کہا ہم بسطام جانا چاہتے ہیں اور حضرت بایزید کے مزار کی زیارت کر کے واپس جائیں گے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی فرمانے لگے۔ حج کر چکے ہو۔ اب عمرہ کر دو گے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے تین شبانہ روزہ

مزار بایزید بسطامی پر:۔ قیام کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب بسطام پہنچے وہاں ایک پہاڑی ہے۔ جہاں سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دکھائی دیتا ہے۔ حضرت شیخ کی نگاہیں مزار پر پڑیں تو رک گئے۔ ایک لمحہ خاموش ہو کر سر ادب سے جھکا دیا سر اٹھا کر فرمایا۔ جو شخص دوسری جگہ کھو دیتا ہے۔ یہاں پا لیتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کی زیارت کی۔ آپ مزار مبارک کے پہلو میں کھڑے تھے تو حسن مؤدب بھی آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید کچھ دیر تک سر جھکائے کھڑے رہے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا۔ یہ پاک بازوں کا مقام ہے۔ یہاں ناپاک نہیں آسکتے آپ ایک دن اور رات بسطام میں رہے۔ وہاں سے دامغان روانہ ہوئے تین روزہ دامغان میں قیام فرمایا۔ آگے سفر کا انتظام کیا۔ اس سفر میں حضرت کے ساتھ ایک سو آدمی تھے۔ گھوڑے تھک چکے تھے۔ بہت سے ضعیف اور بوڑھے بھی تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ کہ ہر روز نماز عصر کے بعد مجلس سماع برپا فرماتے رات گئے تک مجلس سماع رہتی۔ قوالوں کی زبان پر یہ شعر عام ہوتا۔

آوازہ در آمد بنگر یار من ست ۔ من خود دانم کہ راغم کار من ست

سیصد گل سرخ بر رخ یار من ست ۔ خیزنہ بچنم کہ گل چیدن کار من ست

(مجھے آواز آئی۔ دیکھو! یہ میرا محبوب ہے! میں خود جانتا ہوں۔ میرے لئے کیسے غم ہے۔ میرے محبوب کے چہرے پر تیس ہزار سُرخ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ میں ان پھولوں کو چننے کے لئے نکلا ہوں۔ کہ پھول اکھٹے کرنا ہی میرا کام ہے)

حضرت شیخ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک پر آپ سواری فرماتے دوسرے پر آپ کا سامان لدا رہتا۔ ایک گھوڑا قوال کے حوالے کر دیا۔ فرمایا کہ یہ تمہارا ہے۔ نماز شام ادا کی۔ گھوڑا طلب کیا۔ اپنے بیٹے ابوطاہر کو کہا۔ تمام صوفیوں کو نماز کی جماعت کا اہتمام خود کریں۔

اور امامت بھی خود کرائیں۔ اور کل میرے پیچھے چلے آنا حسن مؤدب اور ایک دوسرا درویش حضرت شیخ ابوسعید کے ساتھ ہمرکاب رہے۔ جب شہر کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اس وقت شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ قفل پڑا ہوا تھا۔ چابی شہر کے امیر کے پاس پہنچ چکی تھی۔ دربان نے کہا۔ اگر حکم کریں تو میں آپ کا نام لے کر امیر شہر سے چابی لے آؤں۔ حضرت شیخ نے سنتے ہی ایک نعرہ بلند کیا۔ حسن مؤدب کو کہا۔ قفل کھینچ لو۔ حسن نے تالا کھینچا تو دروازہ کھل گیا۔ اور آپ اندھیرے میں شہر سے باہر نکلے اور صحراؤں میں پہنچے۔ یہ تاریک راتیں تھیں۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ حسن کہتے ہیں مجھے بڑا ڈر تھا۔ کہ کہیں سے کوئی بلا نازل نہ ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا۔ حسن کچھ سناؤ۔ میں نے یہ شعر خوش الحانی سے پڑھے۔

وَعدُ البدرِ لی زیارتَ اللیلیٰ - فاذا اما وفی قفیتُ نذ دُرِی

قُلتُ یا شیدی وَلم تو ثرالبہ - قل علیٰ لبھجتہ النہائی المنیرہ

قَالَ لَو استطیع تغیر رَسمی هٰکذا الرسم فی طُلوع البُدُر

حضرت یہ اشعار سن کر نعرہ زن ہوئے۔ رات کا ایک پہر گزرا تھا تو شیخ خاموش ہوئے۔ کھانے کو کچھ طلب فرمایا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا چلتے چلتے سامنے ایک قلعہ نما عمارت نظر آئی۔ میرا دل چاہا کہ اندر جاؤں کچھ کھانے کو لاؤں۔ میں آگے بڑھا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کسی شخص نے دیوار پر سے جھانک کر پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا۔ کچھ کھانے والی چیز ہے۔ اس شخص نے تین روٹیاں پگڑی کے ایک کونے میں باندھ کر دیوار سے لٹکا دیں میں نے وہ روٹیاں لے لیں۔ اور شیخ کے پیچھے چل پڑا۔ میں بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آپ سے جا ملا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ کچھ لائے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے تین لقمے لئے اور کھائے۔ اور فرمایا۔ باقی تمہارے لئے ہیں۔ آدھی رات ہو گئی تو آپ نے فرمایا۔ اب چند لمحے آرام کر لینا چاہیئے ہم سب لوگ اتر آئے راستے سے ہٹ کر تھوڑی دُور ایک جگہ آرام کرنے لگے۔ ہمارے پاس

مصلّٰی نہیں تھا۔ گھوڑے کی زین کا کپڑا ہی لیا۔ زمین پر بچھایا۔ حضرت شیخ اسی پر لیٹ گئے۔ میرے پہلو پر سر رکھ لیا۔ اور ایک درویش پاؤں پھیلا کر فوراً سو گئے۔ صبح ہوئی۔ ہم ایک گاؤں میں آ پہنچے۔ اور گاؤں کے نمبردار کے ہاں قیام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ نمبردار کو کہہ دو رات بہت سے مہمان آ رہے ہیں۔ شام کے وقت تمام درویش آ پہنچے۔ نمبردار نے بڑا تکلف کیا۔ وہ رات تمام لوگوں نے وہاں ہی گذاری۔ حضرت شیخ بالکل خاموش رہے صرف اتنا کیا۔ تم لوگ تھک گئے تھے۔ سفر میں تکلیف اٹھائی ہے۔

دوسرے دن نماز صبح ادا کی۔ اوراد و وظائف سے فارغ ہوئے۔ سورج خاصا نکل آیا تھا حضرت شیخ مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ تمام احباب بھی آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ نے خواجہ طاہر کو مخاطب فرمایا اور کہا۔ ہم یہاں تک صرف تمہاری موافقت میں آ گئے ہیں۔ ہم میں مزید طاقت نہیں رہی۔ اس سے زیادہ ہمت نہیں رہی۔ تمہاری ہمت کا کیا حال ہے۔ ابو طاہر نے گذارش کی۔ جب حضرت شیخ کی قوت و ہمت جواب دے گئی ہے تو ہماری کیا مجال ہے، ہم تو آپ نے زیر رکاب نہیں۔ حضرت شیخ تمام لوگوں کو ایک ایک کر کے خیریت دریافت فرماتے رہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم لوگ واپس جا رہے مگر جو شخص حجاز مقدس جانا چاہتا ہے۔ اسے اختیار ہے۔ وہ جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ حجاز کے سفر میں چلے گئے مگر اکثر آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے سفر کی تیاری شروع کی۔ حجاز مقدس کو جانے والوں کے لئے زاد راہ تیار کی۔ اور دعاؤں اور خوشیوں سے تمام کو الوداع کیا۔ نمبردار کو بلایا۔ اور فرمایا۔ ہمیں ذرا اچھی اور خوشگوار جگہ چاہیئے۔ اس نے بستی کے قریب ہی ایک بڑے خوبصورت باغ میں حضرت کے تمام درویشوں کی دعوت کا انتظام کیا۔ تمام حضرات اس باغ میں بڑے خوش خوش رہے۔ دوسرے دن وہاں سے کچھ دور دو گاؤں اڈماں اور نوشاد تھے میں پہنچے اور قیام فرمایا، یہ گاؤں بڑی سرسبز اور خوشگوار وادی میں واقع تھے۔ حضرت شیخ اب بسطام اور خرقان کے راستے جانا نہیں

جانے تھے تاکہ انہیں دوبارہ تکلیف نہ دی جائے۔تمام سواریوں کو تیار کیا۔زادِ راہ مہیا کیا۔بیابان کا چار پانچ دنوں کا سفر تھا لوگ بھی کافی تھے۔حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا۔کہ شیخ تشریف لا رہے ہیں۔ان کا خیال تھا۔کہ ان کے صومعہ کی طرف سے ہو کر گزریں گے تین درویش بھیجے۔وہ لوگ نماز عشاء کے بعد اس گاؤں میں آ پہنچے ان کا ارادہ تھا۔کہ سحری کے وقت تین چار خچر لا کر بیابان میں آ پہنچے۔اس وقت حسن مودب نے دیکھا۔کہ تین درویش کھڑے ہیں۔انہیں خیر و خیریت پوچھی۔بٹھایا۔حضرت شیخ نے حسن مودّب سے پوچھا۔کون لوگ ہیں۔اس نے بتایا حضور! خرقان کے درویش ہیں۔پوچھا کیا کہتے ہیں عرض کیا حضرت میں نے پوچھا نہیں۔آپ نے حسن کو فرمایا روشنی جلاؤ اور انہیں لے آؤ۔حسن نے چراغ روشن کیا۔اور انہیں اندر لے آیا۔درویش حاضر خدمت ہوئے سلام عرض کیا۔حضرت ابوالحسن خرقانی کی طرف سے سلام پیش کیا۔حضرت نے فرمایا عَلَیہِ مِنا سلام پھر دریافت فرمایا۔کہ ابوالحسن کیا فرماتے تھے۔انہوں نے کہا۔خواجہ ابوالحسن نے قسم دی ہے کہ آپ مجھے ملے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔شیخ نے کہا بسر و چشم حسن کو فرمایا ان درویشوں کو کچھ کھلاؤ۔بڑی دور سے آئے ہیں دو درویشوں کو واپس بھیج دو۔اور ایک ہمارے ساتھ رہے گا۔اگر خرکار آئیں۔تو انہیں معذرت کر دینا۔اور ان کی خدمت بھی کرنا۔تاکہ دل شکستہ نہ ہو جائیں۔حسن نے بتایا۔حضرت خرکار تو رات گئے آ گئے ہیں۔میں نے انہیں کچھ روپے پیسے دے دیئے ہیں۔میں نے انہیں کے سامنے ہی سب درویشوں کا زادِ راہ بھی رکھ دیا ہے۔حضرت شیخ خاموش رہے صوفیاء کو سفر کی اس تبدیلی کا کوئی علم نہ تھا۔اس کا خیال تھا کہ بیاباں کے راستے جانا ہے۔علی الصباح حضرت شیخ براستہ بسطام خرقان کو روانہ ہوئے۔بسطام سے ایک عالم حضرت کے پاس سوار ہو کر آیا۔چنانچہ وہ بھی حضرت کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا حضرت اس سفر میں بڑے خوشگوار مزاج میں تھے۔عربی کے اشعار پڑھتے جاتے تھے۔اس عالم دین کا کہنا ہے کہ اس دن کم از کم ایک ہزار

اس طرح اس کا عقیدہ اور مضبوط ہوتا۔ ایک دن حضرت شیخ کوئے عدنی گویاں کے ایک حمام میں صوفیاء کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس دن حضرت نے بڑی عمدہ صوف کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ قیمتی دستار سر پر تھی۔ حضرت حمام کے اندر گئے۔ حمام کا مالک دوڑا دوڑا آپ کی خدمت بجالایا۔ بڑی تواضع کی۔ اور بڑے ادب سے غسلخانہ میں لے گیا حمام میں ایک ایسا حجام موجود تھا۔ جو یہ تردد اور تکلف دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ حمام کے مالک سے پوچھنے لگا۔ یہ کون شخص ہے۔ جس کے لئے تمام لوگ مودب ہیں۔ حمامی نے اسے بتایا۔ آپ شیخ ابوسعید ہیں۔ صوفی ہیں۔ صاحب کرامات ہیں اور بڑے بزرگ ہیں۔ وہ شخص صوفیہ اور ان کی کرامات کا منکر تھا کہنے لگا۔ اگر یہ صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ تو یہ صوف کا لباس اور یہ خوبصورت دستار مجھے دے دیں۔ میری ابھی شادی ہوئی ہے۔ میری دلہن ایسے قیمتی لباس کی گرویدہ ہے اور میں تہیدست ہوں۔ حضرت شیخ غسلخانہ سے نکلے۔ اور حجام کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ اے نوجوان! تین چیزیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ایک تو یہ ہے۔ جب کسی کی حجامت کرنے لگو تو اپنے ہاتھ اور استرہ دھولیا کرو۔ دوسرے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتدا کیا کرو تیسری بات یہ ہے۔ کہ جب کسی کے سر کے بال مونڈو تو انہیں ایک طرف رکھا کرو۔ تاکہ عام لوگوں کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں۔ اس حجام نے حضرت کی تینوں باتوں پر عمل کیا۔ اور سارے بال سمیٹ لئے۔ حضرت فارغ ہوئے تو اپنے خادم حسن مودب کو آواز دی اور فرمایا۔ میرا لباس اور دستار اس نوجوان کو دے دو۔ تاکہ اپنی دلہن کو خوش کر سکے۔ وہ نوجوان حضرت کے قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا۔ حسن مودب کہتے ہیں۔ کہ میں نے کپڑے لا کر حجام کو دے دیئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ حضرت کے لئے دوسرا لباس نہیں گھر کیسے جائیں گے۔ میں دربار حمام میں گیا۔ میرا دل بڑا متردد اور متفکر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ حسن جب تک ہمیں حکم نہیں دیا جاتا۔ ہم کچھ نہیں کرتے۔ حمام سے باہر جاؤ۔ ابونصر شیردانی تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے حسن کہتے ہیں۔ میں باہر نکلا۔ ابو نصر شیردانی کو دیکھا۔ ایک خوبصورت لباس مصلیٰ میں لپیٹے

موجود ہے لوگ ہر جمعرات کو آتے ہیں۔ نماز جمعہ وہاں ہی ادا کرتے ہیں۔ خانقاہ کا خادم اس خرقہ کی زیارت کے لئے دروازہ کھول دیتا ہے۔ لوگ نماز جمعہ کے بعد جوق در جوق آتے ہیں اور خرقہ کی زیارت کرتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ قحط خشک سالی یا کوئی آفت آجائے تو اسی خرقہ کو صحرا میں لے جاکر دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ ابو الخیر کے وسیلہ سے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور وبائیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ اس خرقہ کو تریاق اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس علاقہ میں حضرت ابوسعید کی نظرِ کرم سے چار سو خانقاہیں تعمیر ہوئی ہیں۔ جن سے آج تک روحانی فیضان جاری وساری ہے۔

یہ واقعہ بڑی سند کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض اسے خواجہ ابو طاہر کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ بعض خواجہ حسن مودب اور بعض ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہم کی روایت سے بیان کرتے ہیں۔ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں مجلس سماعت میں موجود تھے۔ خواجہ ابو طاہر کو سماع کے دوران وجد طاری ہو گیا۔ اسی حالت رقت میں خواجہ طاہر نے لبیک کہا اور حج کے لئے احرام باندھ لیا۔ سماع سے فارغ ہوئے خواجہ طاہر سفر حج کو روانہ ہونے لگے۔ اور شیخ سے اجازت لی۔ شیخ نے تمام حضرات کو حکم دیا کہ ہم سب لوگ بھی حج کو چلیں گے۔ تمام مشائخ نے کہا حضرت آپ لوگوں کو کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اس طرف سے کشش ہو رہی ہے۔ چنانچہ مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت شیخ ابوسعید کے ساتھ ہی حج کے لئے تیار ہو گئی۔ نیشاپور سے باہر نکلے تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ اگر ہم نہ ہوتے۔ تو ان تمام درویشوں کو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ جماعت کے تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر انہیں سمجھ نہ آئی کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

دیجی اور معر کے علاقہ میں پہنچے تو کسی نے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی کہ حضرت شیخ ابوسعید اپنی جماعت کو لئے ہوئے یہاں پہنچ رہے ہیں، وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کا ایک صاف دل تھا جس کا نام احمد تھا حضرت کو یہ لڑکا بڑا ہی

بعیت حضرت کی زبان سے سنے۔

راستہ میں درویشوں نے حسن موذب سے تقاضا کیا کہ انہیں کھانے کے لئے کچھ چاہیئے اس نے بتایا۔ میں نے تو تمام کھانے پینے کی چیزیں خرکاروں کے سامان میں رکھ دی ہیں انہوں نے پوچھا کہ تم نے تازہ کھانا بھی رکھ دیا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ کیونکہ حضرت شیخ نے مجھے اس راستہ آنے کی ہدایت نہیں کی تھی۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حضرت شیخ ادھر سے گزرے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے حسن نے سارا معاملہ بتایا۔ حضرت نے فرمایا ان دوستوں سے معذرت کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی فضیلت دی ہے۔ شیخ بسطام کو جاتے ہوئے خوش تھے۔ آپ نے فرمایا جس کسی کا وقت ضائع ہو چکا ہو۔ وہ بسطام میں آئے اللہ تعالیٰ اس کا گیا ہوا وقت لوٹا دے گا۔ حضرت شیخ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کی اور خرقان کو روانہ ہوئے تیس دن حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کے پاس گزارے۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی کی مجلس:۔ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید اور خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ بزرگان دین کی خاصی تعداد اس مجلس میں موجود تھی۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ قیامت کے دن تمام بزرگوں کو اللہ کے حضور لایا جائے گا۔ ہر ایک کو مسند پر بٹھایا جائے گا۔ ان پر عرش بریں کا سایہ ہو گا۔ آواز آئے گی ان بزرگوں کی طرف سے کون بات کرے گا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کی کرسی آگے کی جائے گی تاکہ وہ اپنے اللہ سے بات کر سکیں"۔

تین روز گزرنے کے بعد حضرت شیخ نے اجازت لی۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جناشک کے راستے جایئے۔ اس راستہ میں بہت سے قصبات اور دیہات آتے ہیں درویشوں کو آرام رہے گا۔ آپ نے تیس آدمی حضرت شیخ کے ساتھ کئے تاکہ خدمت کرتے رہیں۔ اور

نیشاپور تک ساتھ رہیں۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹوں۔ عزیزوں اور بہت سے صوفیاء کو لے کر حضرت شیخ کو الوداع کہنے نکلے۔ عرض کی۔ کہ آپ کی راہیں کشادہ اور وسیع ہیں۔ اور ہماری راہ قبض اور حزن سے پڑ ہے۔ اب آپ خوش رہیں اور شاد جئیں۔ ہم مغموم اور افسردہ رہیں گے۔ مگر یہ دونوں انعامات اسی کی طرف سے ہیں۔

زر خالص گم ہو گیا:- حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی نے چند ایسے لوگ بھی حضرت کے ساتھ روانہ کر دیئے جو ہر منزل کی خبر لا کر دیتے حضرت شیخ کی رخصت کے بعد خانقاہ خرقانیہ سے پردے۔ بستر اور دوسرے کپڑے سمیٹے گئے جس جگہ حسن مؤدب بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں سے ایک کاغذ ملا۔ اس میں کچھ چیز تھی۔ جو حضرت خرقانی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے پوچھا اس میں کیا ہے لوگوں نے کہا حضرت معلوم نہیں۔ کاغذ کھولا تو اس میں زر خالص تھا۔ یہ خالص سونا تولا گیا تو بیس تولے تھا آپ نے فرمایا۔ دیکھو ہم پر کتنا قرضہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت بیس تولے سونے کی قیمت کے برابر قرضہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے قرضہ بے باق کیا جائے۔ ہمارا قرضہ ان کی عزت ہے اور ہماری عزت ان کا قرضہ ہے

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے راستہ میں ایک گاؤں دیکھا۔ وہیں قیام فرمایا۔ آپ نے حمام میں غسل کرنا چاہا۔ آپ کی عادت تھی جہاں جاتے گرم پانی سے غسل فرماتے۔ اور حسن مؤدب ساتھ کچھ نہ کچھ چیزیں لے جاتے۔ انہوں نے اپنے کاغذات دیکھے تو اس کاغذ کا خیال آیا۔ جسے وہ خرقان میں بھول آئے تھے۔ بڑے پریشان ہوئے۔ حضرت نے پوچھا! حسن کیا بات ہے؟ حسن نے بتایا کہ میں اتنا سونا بھول آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں وہاں بھی ہمارا سکہ چلتا ہے دوسرے دن خرقان سے خبر ملی کہ اتنا سونا حسن مؤدب کی جگہ سے نکلا تھا۔ اور خواجہ ابوالحسن نے اس سے قرضہ ادا کر دیا۔ حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ خواجہ ابوالحسن نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جاجرم پہنچے۔ تو آپ نے حضرت خواجہ ابوالحسن کے آدمیوں کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا۔ حضرت خواجہ محمود خرقانی کو ہمارا اسلام پیش کرنا اور کہنا کہ اپنا دل ہمارے ساتھ رکھو! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ علاقہ کاردنی میں پہنچے تو وہاں ایک گاؤں نظر آیا صوفیا کی خواہش تھی۔ کہ اس میں قیام کریں۔ حضرت نے پوچھا اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کلف۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں نہ ٹھہرو! چنانچہ ایک دوسرے گاؤں پہنچے آپ نے فرمایا۔ اس کا نام کیا ہے۔ کہا۔ بند آپ نے فرمایا بند نہیں ہونا چاہیئے۔ یہاں سے بھی آگے چلو۔ تیسرے گاؤں پہنچے تو اس کا نام خداشاد تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہاں اس میں قیام کرلو۔ خداشاد میں خدا خوش ہوگا۔ اس گاؤں میں قیام فرمایا۔ یہاں ایک خانقاہ نظر آئی جو خالی تھی۔ صرف ایک خادم موجود تھا اسی نے قافلہ کا استقبال کیا۔ اور رسمی طور پر خدمات بھی بجالایا۔ چند بکریاں ذبح کیں اور گوشت پکنے تک کلیجی بھونی کہ حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا پہلے جگر کھانا چاہیئے۔ خادم نے ادب بجالاتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی زندگی کو بقائے دوام بخشے میں نے جگر و دل سے دوستی کی ہے حضرت شیخ کو یہ بات بڑی اچھی لگی۔ فرمایا اگر دل میں دوستی ہو تو بہت اچھی بات ہے۔ ابوسعید تو خود دلوں کو ہی پسند کرتا ہے۔"

ایک دن رات وہاں گزاری۔ دوسرے دن نیشاپور کو روانہ ہوئے جب نیشاپور پہنچے۔ تو صوفیہ کی ایک جماعت نے کہا۔ کہ حضرت شیخ اپنے تمام افکار و مقالات بھول چکے ہوں گے۔ کیوں کہ انہوں نے دیکھا تھا۔ آپ نے خرقان کے قیام کے دوران ایک بات بھی نہ کی تھی۔ کیونکہ خواجہ ابوالحسن نے کہا تھا۔ کہ تم تو میری آرزو ہو۔ میں نے اللہ سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ اپنے دوستوں سے ایک دوست کو بھیجے۔ تاکہ میں تیرے اسرار اسے کہہ سکوں۔ جب ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ اس سفر میں گئے تو زبان سے بات نہ کرتے تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خواجہ ابوالحسن ہر بار فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ کچھ بات کریں۔ ہمیں نصیحت کریں

وہ فرماتے تھے:" ہمیں آپ نصیحت کریں میں تو سننے آیا ہوں" چونکہ لوگوں کو اس صورت حال کا علم نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے آپ کی خاموشی کی وجہ آپ سے ہی دریافت کی آپ نے فرمایا۔

اِتَّیاتَتُ تِلْکَ التُّرْبَتُہ اِلَیْنا فَلَمّا اَلتَقینا فِتَیِّنا فِی تِلْکَ التُّرْبَتِہ

اس مٹی کو ہماری آرزو تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم اس مٹی میں ہی مٹی ہو گئے اور اعلیٰ مقام پر پہنچے۔

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ میں خرقان اور بسطام کی زیارتوں کا مقصد بیان فرما دیا۔

نیشاپور سے میہنہ تک:- حضرت خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نیشاپور سے میہنہ اس وجہ سے منتقل ہوئے کہ آپ کے دو مریدوں میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ اگر دو شخص آپس میں لڑتے تو آپ خاموش رہتے تاکہ وہ لوگ اپنے اپنے جذبات باہر پھینک سکیں۔ ایک دوسرے کو باتیں کہہ چکتے تو حضرت شیخ دونوں کو بلاتے۔ اور صلح کراتے۔ ایک عرصہ ہوا تھا کہ حضرت کے بیٹے۔ پوتے اور نواسے نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ میہنہ میں چلیں۔ اس خاندان کے بڑے اور چھوٹے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ جب یہ معاملات زیادہ تلخ ہو گئے تو حضرت نے اپنے بیٹے ابوطاہر کو فرمایا۔ کہ ان معاملات کو درست کرو۔ اور ان بچوں کو سمجھاؤ۔ ہمارا دل تنگ آ گیا ہے۔ ہم بھی میہنہ میں جانا چاہتے ہیں۔ ابوطاہر نے اس تیاری کے لئے خاصہ قرضہ حاصل کیا اور ان کیلئے اسباب سفر تیار کیئے۔ چالیس خچریں چالیس درویشوں کے لئے چالیس تھیلے خریدے ہر درویش کا سامان ایک ایک تھیلے میں بند کیا۔ آٹھ درویشوں کو تیار کیا کہ وہ راستے کے متعلق دریافت کریں۔ نیشاپور کے لوگ بھی اس تیاری میں امداد کرتے رہے۔ اور کہتے تھے۔ ہم حضرت شیخ کے بیٹوں اور درویشوں کے جانے کے بعد اچھی طرح دیکھ سکیں گے۔ جس دن یہ سارے لوگ روانہ ہوئے۔ آپ

خود بھی سوار ہوئے۔ اور دروازہ شوخناں تک ساتھ آئے آپ تو وہاں ہی رک گئے ایک ایک شخص آپ کی نظروں میں آتا گیا اور ہر ایک کی خیریت و عافیت پوچھتے اور نصیحت فرماتے اور ایسا ایسا رہنا۔ حتیٰ کہ تمام آپ کے سامنے روانہ ہوئے سب سے آخرین شخص جو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا خواجہ ابوالفتح تھے۔

خواجہ ابوالفتح بیان کرتے ہیں۔ میں ان دنوں اٹھارہ سالہ تھا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ تمہاری سواری اور سامان کہاں ہے۔ میں نے عرض کی میں تو پیادہ پا جاؤں گا فرمایا۔ اپنی والدہ کو میرا سلام کہنا بچوں کا خیال رکھیں ہم انشاء اللہ چالیس دن تک تمہارے پاس آجائیں گے میں نے قدم بوسی کی اور روانہ ہوا۔ یہ تک کے واقعات کا تو میں خود چشم دید گواہ ہوں۔ آئندہ کے واقعات حضرت کے خادمان خاص کی زبانی سنے ہیں۔

حضرت خواجہ ابو فتح راوی ہیں کہ اس سفر میں ہمارے والد مکرم ابوطاہر بھی ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ وداع کرنے کے بعد پھر حضرت شیخ کے ساتھ واپس نیشاپور چلے گئے تھے۔ حضرت نے اپنی خانقاہ پہنچ کر اس دن مجلس نہ کی۔ دوسرے دن مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کے بیٹے مجلس کے وقت آپ کی نشست کے دائیں ہاتھ بیٹھا کرتے تھے حضرت شیخ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے ساتھ ہی گھر سے نہ نکلتے۔ اس دن آپ آئے آپ کی نگاہیں اس خالی جگہ پر پڑیں جہاں آپ کے بیٹے بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا۔ ہماری اولاد ہمارے جگر گوشہ ہیں ہم ان کی خالی جگہ نہیں دیکھ سکتے۔ چونکہ ابوطاہر پر قرضہ تھا۔ اس لئے وہ چند دنوں تک رک گئے ہیں۔ لوگوں نے آپ کی اس بات سے جان لیا۔ کہ آپ عنقریب نیشاپور سے چلے جائیں گے۔ ان کے دل افسردہ تھے۔ وہ آپ کی مجالس سے محروم رہنا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ جو قرضہ ادا کیا گیا۔ اور تیاریاں ہونے لگیں۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہوئیں ساز و سامان تیار ہو گیا۔ تو نیشاپور کے تمام علماء اور آئمہ جمع ہوئے اور حضرت کے

رُک جانے پر اصرار کیا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جانے کا وقت قریب آیا۔ تو شیخ محمد جوینی اور انسار امام اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہما دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ ہر ایک دوسرے کو کہتا کہ تم پہلے آغاز گفتگو کرو۔ مگر اُن کا کوئی بھی پہل نہیں کرتا تھا۔ آخر دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے حاضر ہوئے اس وقت حضرت شیخ اپنی خانقاہ کے سامنے ایک تخت پر جلوہ فرما تھے۔ سلام عرض کیا حضرت شیخ نے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں ہاتھ بٹھا لیا۔ حضرت نے انہیں بہت سے ایسے اسرار بیان فرمائے جو ان تینوں کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا۔ اب ان دونوں بزرگوں نے آپ کو نہ جانے کے لئے گذارش کی بے پناہ اصرار کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہاں بھی میرے نیازمند ہیں اور وہاں بھی ہم نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے سر سامنے تسلیماً پیش کیا ہے۔ وہ جس مقام پر چاہیئے گا لے رکھے گا۔

حضرت شیخ کی نیشاپور سے روانگی:-

انہوں نے کہا۔ حضرت میلنہہ تو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ آپ اس قصبہ میں کیسے قیام کر سکیں گے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم اس جہاں یا اس جہاں میں کیسے قیام کر سکیں گے؟ اس بات پر ان حضرات کو ندامت آئی۔ اور دل میں سمجھ گئے کہ اب حضرت نیشاپور میں نہیں رکیں گے۔ میں نے دلی طور پر آپ کو الوداع کہہ دیا حضرت نے چند دنوں میں تمام امور ضروریہ کو سمیٹا۔ اور تیار ہو گئے۔ گھوڑے پر زین رکھی خانقاہ کے دروازے کے پاس ایک دکان تھی حضرت باہر آئے۔ اور اس دکان پر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے اردگرد کھڑے احباب کو فرمانے لگے ہم جس طرح آئے تھے۔ اس جگہ کو ویسے ہی چھوڑے جا رہے ہیں۔ کسی قسم کا تصرف نہیں کیا پھر یہ شعر پڑھا

مرغے بسر کوہ نشست و برخاست ۔۔۔ بنگر کہ ازاں کوہ چہ افزود و چہ کاست

مریدوں نے کہا۔ یہ قصبہ آپ کے حسن وجمال سے مزین تھا۔ ہم نے آپ کی برکت سے

بڑی آسائشیں حاصل کیں۔ اب آپ کسی کو مقرر فرمادیں۔ تاکہ اگر کوئی مسافر آئے تو محروم نہ جائے۔ ہم نے آپ سے کچھ نہیں لینا جس طرح اللہ کو منظور رہو گا وہی ہو گا۔

شیخ نیشاپور سے روانہ ہوئے تو ایک درویش آپ کے ہم کاب تھا درویش کو فرمایا۔ تم واپس چلے جاؤ۔ ہماری خانقاہ کے چھت پر ایک ہڈی بڑی ہوئی ہے اسے اٹھا کر باہر پھینک دو۔ اسی دوران تمام عقیدت مندوں نے آپ کی زبانی یہ شعر سنا اور واپس آگئے۔

؎ آنجا کہ مرا باتو ہمی ہست دیدار آنجا دوم دادے کنم در دیوار

حضرت شیخ نے سارے مجمع کو الوداع کہا اور نسک کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے گھوڑے پر ٹوٹا ہوا صندوق تھا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور ایک پہلو پر گرا۔ حضرت کی ران پر دباؤ پڑا جس سے شدید زخم آیا۔ ران کا گوشت نرم ہو گیا۔ درویشوں نے زمین پر ایک کپڑا بچھا کر حضرت کو وہاں لٹا دیا۔ اسی حالت میں چار درویشوں نے کپڑا اٹھا کر حضرت کے چار درویشوں نے کپڑا اٹھا کر حضرت کو وہاں سے ذرا پیچھے اونچی جگہ لے گئے۔ اور پتھروں کے بنے ہوئے گھر میں رکھ دیا ایک درویش طوس کی طرف سے آرہا تھا حضرت نے آنکھیں کھول کر اس درویش کو دیکھا۔ اور پوچھا کہ کس جگہ سے آرہے ہو؟ اس نے کہا۔ طوس سے! فرمایا۔ کہاں جا رہے ہو عرض کیا نیشاپور۔ فرمایا نیشاپور پہنچ کر صوفیوں کے گھر جانا۔ اور انہیں ہمارا سلام دینا انہوں نے مجھے جانے سے بہت منع کیا تھا۔ مگر میں نہ رکا انہیں کہنا۔ گھوڑے کی غلطی تھی۔ ہماری غلطی نہیں تھی۔

شیخ کو اس گھاٹی سے اٹھا کر طوس لے آئے۔ استاد ابو بکران دنوں طوس میں موجود تھے۔ گاؤں کی خانقاہ رفیقاں میں پہنچے وہاں سے آپ کو پالکی میں ڈال کر لوگوں نے کندھوں پر اٹھایا اور میہنہ میں لے گئے آپ چند روز تک بیمار رہے پھر صحت یاب ہو گئے۔

ابو الفضل محمد بن نوقانی عارف رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے

یہ کیسے صوفی ہیں ؟ ہیں کہ جب حضرت ابو سعید ابو الخیر نیشا پور سے میںنہہ آرہے تھے۔ تو ہم پہاڑ کی بلندی پہ تھے۔ ایک شخص ہمارے ساتھ تھا وہ دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ کلچہ۔ حلوا۔ اور رنگا رنگ کے کھانے ساتھ لئے کھاتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہم صوفی ہیں۔ حضرت اس کے دلی ارادے کو بھانپ گئے اور نہ چاہتے تھے۔ کہ وہ شخص اس بدگمانی پر کسی قسم کا نقصان اٹھائے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا اس پہاڑ کے اس طرف جاؤ۔ اور ہمیں واپس آکر بتاؤ کہ وہاں تم نے کیا دیکھا ہے۔ وہ شخص اٹھا۔ اور پہاڑ کے اس طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا لیٹا ہوا ہے۔ ڈر کر بھاگا۔ اور حضرت کی خدمت میں آکر کھڑا ہوا۔ ڈر کے مارے منہ سے لفظ نہیں نکلتا تھا۔ کانپتا کانپتا کچھ کہہ نہ سکا۔ حضرت نے پوچھا۔ کیا دیکھ کر آئے ہو۔ وہ ابھی کچھ کہہ نہ سکا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا۔ وہ اژدہا ایک عرصہ سے ہمارا دوست ہے۔ وہ آدمی شرمندہ ہوا۔ اور آپ کے پاؤں پہ گر کر معافی چاہی۔!

حضرت شیخ نیشا پور سے میںنہہ میں آرہے تھے۔

بے نماز سو رہا تھا :۔ راستے میں ایک مقام پہ ٹھہرے۔ نماز کا وقت تھا تمام درویشوں نے وضو کیا۔ موذن نے اذان دی۔ تمام نے سنتیں ادا کیں۔ اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ ایک درویش شاید تھکا ہوا تھا۔ ابھی سو رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو تمام لوگ فرضوں کی دوسری رکعت ادا کر رہے تھے۔ اب اسے ندامت آئی۔ کہ اب اٹھ کر نماز پڑھے۔ اسی طرح سویا رہا۔ شرمندگی سے چاہتا تھا۔ کہ یہ سب لوگ نماز پڑھ کر ادھر اُدھر چلے جائیں گے تو اٹھ کر نماز پڑھے گا۔ ایک چور نے دیکھا کہ تمام درویش نماز میں مشغول ہیں۔ ان کا سامان چوری کر لیا جائے وہ سامان کے پاس آیا۔ درویش جاگ رہا تھا۔ محض بہانے سے سو رہا تھا۔ ایک پتھر اٹھایا اور چور

کے دے مارا چور جان گیا۔ کہ مجھے کسی نے دیکھ لیا ہے۔ بھاگا۔ اور کچھ نہ اٹھا سکا تمام لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ کیونکہ ان کی نماز کے وقت پشتیں سامان کی طرف تھیں نماز ادا کرنے کے بعد اسے سویا دیکھا تو کہنے لگے یہ بے نماز ابھی تک سویا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بے نماز نمازیوں کے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ ہوا۔ کہ آپ نے کیا کہا۔ جب اپنے سامان کے پاس آئے۔ سارے واقعہ کا علم ہوا تو پھر انہیں معلوم ہوا کہ شیخ نے کیا کہا تھا۔

رفتیم وشنیدیم و دیدیم و یافتیم! لوگوں نے یہ روایت میرے جد امجد شیخ الاسلام ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی بیان کی ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ایک بار مجلس کے دوران فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء کرام انبیاء کے وارث ہوتے ہیں)، آج میں اسی حدیث پر گفتگو کروں گا اس وقت ایک ایسا شخص میمنہ میں آیا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے (جل جلالہٗ، وصلی اللہ علیہ وسلم)، یہ بات حضرت رسول کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے متعلق کی تھی۔ آج ہم اسی بات کی روشنی میں وراثت نبوت پر گفتگو کریں گے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے اپنے بیٹے ابوطاہر کو حکم دیا۔ کہ تم درویشوں کے خدمتگذار ہو۔ اٹھو! اور حضرت یحییٰ تشریف لا رہے ہیں ان کا استقبال کرو۔ خواجہ ابوطاہر اٹھے۔ ایک جماعت ان کے ساتھ تیار ہو گئی اور استقبال کے لئے باہر نکلے۔ ایک درویش پہاڑ کی بلندی سے اتر رہے تھے۔ جن کے کپڑے گرد آلود تھے۔ ایک کوزہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے اور کندھے پر ایک بوری اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ میمنہ میں پہنچے تو حضرت شیخ ابھی تک منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ یحییٰ ماورالنہری کی نگاہیں حضرت کے چہرے پر پڑیں۔ تو دور سے ادباً سر جھکا دیا۔ مشہد کے دروازے پر ہی ایک دکان تھی۔ وہاں پہنچے تو حضرت نے اشارہ کیا کہ وہاں ہی بیٹھ جائیں۔ وہ درویش

بیٹھ گئے۔ اب تمام اہل مجلس کی نگاہیں اس درویش پر لگی ہوئی ہیں۔ حضرت مجلس سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ یحییٰ کو غسل کرائیں۔ یحییٰ اٹھے۔ غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنائے گئے۔ یہ بزرگ تین دن تک حضرت کے پاس رہے۔ ہر روز حضرت کی مجلس میں بیٹھتے آپ بات کرتے وقت انہیں کی طرف منہ کرتے۔ یحییٰ آپ کی ہر بات کو نہایت غور سے سنتے۔ چوتھے دن اٹھے۔ اور عرض کی حضرت میں حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیں حضرت نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ ہمارا اسلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا روانہ ہوئے جب تک انہیں حضرت دکھائی دیتے رہے۔ الٹے پاؤں چلتے رہے نظروں سے غائب ہوئے تو سیدھے چلے حضرت شیخ نے اپنے بیٹوں اور درویشوں کو حکم دیا تھا کہ یحییٰ کو وداع کرنے جائیں۔ تمام بیٹے اور درویش ساتھ ہولئے۔ ان لوگوں میں ابوبکر مودب جو آپ کے بیٹوں کے استاد تھے۔ بھی شامل تھے۔ آپ کو حضرت شیخ نے حکم دیا۔ کہ اس الوداعی پارٹی میں آپ بھی جائیں۔ جہاں تک ہو سکے یحییٰ کے قدموں پر قدم رکھتے جائیں۔ ابوبکر مودب دوڑے اور حضرت شیخ کے حکم کے مطابق قدموں پہ قدم رکھتے گئے، سب سے آخری جس شخص نے انہیں الوداع کیا۔ اور سب کے بعد جدا ہوئے وہ حضرت ابوبکر مودب ہی تھے۔

دوسرے سال ہی موسم تھا اور غالباً یہی دن تھے کہ حضرت شیخ نے مجلس میں حکم دیا کہ لوگو! یحییٰ کے استقبال کے لئے آگے بڑھو۔ خواجہ ابوطاہر ایک مجمع لے کر استقبال کو نکلے۔ جناب یحییٰ کو دیکھتے آرہے ہیں۔ وہی لوٹا ہاتھ میں۔ وہی بوری کندھے پہ اٹھائے حضرت کے بیٹوں اور درویشوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اسی مکان پہ آ بیٹھے حضرت شیخ حسب سابق منبر پہ بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ آگے بڑھے ہدیہ سلام پیش کیا دست بوسی کی حضرت نے بھی آپ کے سر پہ بوسہ دیا۔ مجلس میں بیٹھے تو آپ نے فرمایا یحییٰ! حضرت کی فتوحات میں سے اس مجلس میں بھی کچھ حصہ دینا چاہیئے۔ ان کا بھی حق ہے۔ یحییٰ نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا یا حضرت۔

رفتیم۔ شنیدیم۔ دیدیم۔ دیافتیم۔ ہم گئے۔ سنا۔ دیکھا اور بہت کچھ پایا۔ مگر یار تو وہاں نہیں تھے۔ حضرت شیخ نے سن کر ایک نعرہ بلند کیا۔ اور فرمایا۔ ایک بار پھر کہو۔ انہوں نے وہی الفاظ دہرائے۔ شیخ نے پھر نعرہ مارا۔ اور کہا ایک بار پھر کہو! انہوں نے پھر کہا حضرت نے پھر نعرہ مارا۔ اب حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب کیا۔ اور کہا اس سچے شخص نے سچ کہا! پھر فرمایا۔ یحییٰ ان فتوحات کے بعد شکرانہ بڑا ضروری ہے۔ درویشوں کو فرمایا۔ شکرانے کی تیاری کرو۔ آج رات تمام مجمع کو باداموں کا حلوہ جس میں زعفران پڑا ہوا ہو کھلایا جائے گا۔ حسن مؤدب۔ خواجہ ابو طاہر اور یحییٰ اٹھے۔ باہر نکلے۔ بڑے فکرمند تھے کہ ایسے حلوہ کے لئے میہنہ سے کب چیزیں ملیں گی۔ ایک سو سے زیادہ لوگ ہیں۔ حسن مؤدب کہتے ہیں۔ کہ ہم سر بازار ایک دوسرے سے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ ایک شخص دوڑا دوڑا آیا۔ اور کہنے لگا میں حضرت شیخ کے خادموں کو تلاش کر رہا تھا۔ آپ لوگ آگئے وہ نوجوان ہمارے نزدیک آیا۔ اور کہنے لگا۔ ہمارا ایک بڑا قافلہ اسی علاقے سے گزر رہا تھا کہ ڈاکوؤں کے جتھے نے حملہ کر دیا۔ میں نے اسی وقت نذر مانی کہ اگر آج بچ گئے۔ تو باداموں کی ایک بوری میہنہ کے درویشوں کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اللہ نے ہمیں بچا لیا آپ لوگ میرے ساتھ قافلہ میں چلیں۔ ہم اس نوجوان کے ساتھ گئے تو اس نے باداموں کی بوری پیش کی۔ ایک شخص اور آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے نذر مانی تھی کہ دس سیر میدہ دوں گا۔ تیسرا آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے پانچ دینار نیشاپوری نذر مانے تھے۔ یہ حاضر خدمت ہیں! ہم یہ ساری چیزیں لے کر واپس آگئے۔ امیر میہنہ خواجہ حمویہ راستے میں ملے۔ دریافت کیا۔ کہ کہاں گئے تھے۔ ہم نے تمام واقعات سنائے اس نے بھی بائیس سیر نان اور ران کے لوازمات دیئے۔

واپس آکر حضرت شیخ کے حکم کے مطابق دعوت تیار کی۔ سارے مجمع نے یہ پُرلطف دعوت کھائی۔ یحییٰ تیس دن میہنہ میں رہے اور پھر ماوراءالنہر چلے گئے۔

شیخ بوسعید کے تین خلال:- شیخ ابوعمر بخشوانی بڑے بزرگ اور اللہ کے عزیز بندوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ تیس سال مکہ مکرمہ میں مجاور رہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اَلْیَدُ الیمنٰی لِاَعَالَی البدن والیدِ الیسریٰ لاسفل البدن (دائیں ہاتھ بدن کے اعلیٰ حصوں پر اور بائیں ہاتھ بدن کے زیرین حصوں کے لئے ہے) کی روشنی میں میں نے تیس سال تک دائیں ہاتھ کو ناف سے نیچے استعمال نہیں کیا۔ ایسے ہی میرا بایاں ہاتھ ناف سے اوپر کبھی نہیں گیا۔ ہاں کبھی کسی سنت کی اتباع میں ایسا ہوا ہو۔ تو ہوا ہو۔ آپ کی زندگی میں ایسے احتیاطی معاملات بہت ملتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت عالم اسلام میں پہنچی تو حرم کے علماء و مشائخ نے کیا۔ کہ کوئی آدمی بھیج کر معلوم کرنا چاہیئے کہ واقعی شیخ کو وہ مقام حاصل ہے جس کی شہرت ہے۔ اس سلسلہ میں کسی تجربہ کار پختہ علم عالم دین۔ اور صاحب دل انسان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ سب علماء و مشائخ کی نگاہیں۔ شیخ بوعمرو پر جمیں۔ ان سے درخواست کی گئی کہ وہ میہنہ میں جاکر شیخ کو ملیں۔ اور صحیح خبر لائیں حضرت شیخ ابوعمرو طوس پہنچے۔ وہاں سے میہنہ آئے۔ راستے میں آپ نے سترہ بار غسل فرمایا۔ یہ غسل بھی اس لئے کرتے کہ جب کوئی دنیاوی خیال آتا تو اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے غسل فرماتے۔ میہنہ کے پاس پہنچے۔ تو نماز ظہر کا وقت تھا۔ اس وقت اذان ہو چکی تھی۔ موذن سنتیں پڑھ کر شیخ کے اشارے کا منتظر تھا۔ کہ وہ تکبیر کی اجازت دیں۔ حضرت نے موذن کو فرمایا۔ تھوڑی دیر رک جاؤ۔ ایک زندہ دل بزرگ تشریف لا رہے ہیں۔ مل کر نماز پڑھیں گے۔ آپ کو بصیرت سے معلوم ہو گیا تھا۔ کون آ رہا۔ کیوں آ رہا ہے۔ کس وقت پہنچ رہا ہے۔ ادھر حضرت بوعمر موضع میہنہ سے تین میل دور قدم رکھتے ہی پا برہنہ ہو گئے۔ حضرت شیخ نے اپنے بیٹوں۔ اور دوسرے احباب کو حکم دیا۔ تم لوگ بھی ننگے پاؤں ایسے شخص کے استقبال کے لئے آگے بڑھو جس سے زیادہ پاکیزہ اور بابرکت پاؤں آج تک میہنہ کی سرزمین پر نہیں پڑے۔ تمام لوگوں نے استقبال

کیا شیخ ابوعمر مسجد میں آئے ۔سنتیں پڑھیں ۔حضرت شیخ کو سلام عرض کیا ۔نماز با جماعت ادا کی اور فارغ ہوکر دونوں باتیں کرنے لگے ۔اس طرح دونوں حضرات تین دن رات یکجا ہم مجلس رہے اور خلوت کدہ میں کسی دوسرے کو جانے کی اجازت نہ تھی تین دن بعد ابوعمر دنے اجازت طلب کی ۔آپ نے فرمایا بشنواں ہوتے جانا ۔آپ اس علاقہ میں ہمارے نائب اور خلیفہ ہوں گے اور سب اولیاء اللہ سے بلند رتبہ ہوں گے ۔حضرت بوعمر آپ کا اشارہ پاکر بشنواں ۔روانہ ہوئے ۔ وداع کے وقت آپ نے بوعمرد کو تین خلال دیئے اور فرمایا اگر ایک خلال کے دس دینار ملیں نہ دینا ۔بیس دینار ملیں نہ دینا ۔تیس دینار ملیں ...... اس پر آپ چپ ہو رہے ۔شیخ بوعمر دالو داع کہہ کر بشنواں کو روانہ ہوئے ۔وہاں آپ ایک حجرے میں قیام پذیر ہوئے اب یہ حجرہ خانقاہ بوعمرد کے نام سے مشہور ہے اس علاقہ کے لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے نساد کے لوگ بھی پہنچنے لگے ۔آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو ختم شریف کراتے ۔آپ کے مرید گاؤں کے لوگ اور ارد گرد کے مواضعات کے لوگ اس ختم میں شریک ہوتے ختم سے فارغ ہوتے ۔تو آپ پانی کا کوزہ لیتے اور حضرت ابوسعید کا خلال اس میں بگوتے اور پانی بیماروں کو پلاتے جاتے ۔خلال کی برکت سے جو پانی پیتا شفایاب ہوتا ۔ان دنوں بشنواں میں ایک رئیس آدمی تھا اسے بعض اوقات درد قولنج اٹھتا جس سے وہ بے تاب ہو جاتا ایک دن اس رئیس آدمی کو درد قولنج نے آ لیا ۔کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا ۔ایک شخص حضرت ابوعمر کی خدمت میں حاضر ہوا ۔کہ آپ کے پاس خلال ہے اس کا پانی عنایت فرمائیں ۔تھوڑا سا پانی بھیجا تو رئیس صحت یاب ہوگیا ۔دوسرے دن وہ رئیس حاضر خدمت ہوا ۔عرض کی حضرت آپ کے پاس تین خلال ہیں ۔ایک مجھے فروخت کردیں ۔آپ نے فرمایا ۔کیا دو گے ۔رئیس کہنے لگا ۔دس دینار ۔آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا ۔بیس لے لیں ۔آپ پھر خاموش رہے ۔اس نے کہا تیس لے لیں ۔یہ کہہ کر رئیس خاموش رہا ۔آپ نے فرمایا ۔لے لو ۔بوعمرد نے رئیس کو حضرت شیخ کی گفتگو سنائی ۔کہ آپ نے تیس سے کم فروخت کرنے سے منع فرمایا تھا ۔آپ نے تیس دینار لیئے

اور خانقاہ کی تعمیر میں خرچ کر دیئے۔

جب تک وہ رئیس آدمی زندہ رہا۔ خلال کو اپنے پاس رکھا۔ موت سے پہلے اس نے وصیّت کی۔ کہ خلال کے ٹکڑے کر کے کفن کے ساتھ اس کے منہ میں رکھ دینا۔ دوسرے دونوں خلال شیخ بو عمرو کی ساری زندگی کے دَوران عوام الناس کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ رہے آپ نے بھی وصیّت کی کہ مرتے وقت ان دونوں خلالوں کو میرے ساتھ دفن کرنا۔ چنانچہ دونوں خلال آپ کے ساتھ دفن کئے گئے۔

وُضُوءٌ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ:- خواجہ ابوالقاسم زرّاد حضرت شیخ کے مرید تھے۔ بڑے سفر کئے اور ریاضتیں کیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں کوفہ سے نکلا اور حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ میرے ساتھ ہی مشائخ کرام کی ایک جماعت تھی۔ باہر آئے تو بعضوں نے کہا۔ کہ ہم تجرید اختیار کریں۔ بعضوں نے کہا۔ توکل اختیار کریں۔ میں نے دل میں کہا۔ ابوالقاسم بیداری اختیار کر دجو قدم رکھو۔ بیداری سے رکھو۔ چنانچہ میں نے اسی عزم کے ساتھ وادی طے کی۔ واپسی پر حضرت شیخ کے شہر کے نزدیک سے گزرا۔ رات حضرت شیخ کی مسجد میں گذاری۔ شیخ کے پیچھے نماز پڑھی۔ میرا سر شیخ کے قدموں کو چھوتا تھا۔ رات کے وقت غسل کیا۔ تو مجھے سینے میں ایک نور آتا دکھائی دیا۔ مجھے بڑی مسرّت ہوئی۔ سحری کے وقت میں نے پھر غسل کیا۔ تو مجھے اور نور آتا محسوس ہوا جس سے میں مزید خوش ہوا جس وقت غسل کرتا نور میں اضافہ محسوس کرتا۔ میں نے دل میں کہا۔ میں جو چاہتا تھا مجھے مل گیا۔ دوسرے دن حضرت شیخ قدس سرہٗ اپنی خانقاہ سے نکلے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا میں دل ہی دل میں فخر کر رہا تھا۔ حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ رات کی کیفیت تم بیان کرو گے یا ہم بتائیں۔ میں نے عرض کی حضرت آپ ہی فرمائیں۔ یہ برکات تمہارے راستے کی ریاضتوں سے نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا فیضان ہے اَلْوُضُوْءُ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ لَّا وضو پر وضو کرنا نوراً علیٰ نور ہے۔ یہ وضو کا نور ہے اس پہ مغرور نہیں ہونا چاہیئے میں اپنے

آپ میں آیا۔ اور غرور و عجب سے توبہ کی۔

جن دنوں سلجوقیوں نے بخارا

عراق و خراساں آلِ سلجوق کے حوالے کر دیا:۔ کے گرد و نواح میں نکل کر خراساں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ فوجی میںنہہ کی طرف بھی بڑھے۔ خراسان کے اکثر لوگ ان کے ساتھ مل گئے۔ کچھ انہوں نے جنگی ضرورت کے لئے بھرتی کر لئے۔ یہ حملہ سلطان محمود کی نااہلی کی وجہ سے ہوا تھا۔ تاریخ کا یہ ایک مشہور واقع ہے کہ سلطان مسعود ظلم و فساد ہو میں مصروف ہو گیا تھا یہاں ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات ہمارے موضوع سے باہر ہے، سلطان مسعود نے سلجوقیوں کو اپنے سفیر کے ذریعہ انتباہ کیا کہ وہ ادھر نہ بڑھیں مگر انہوں نے کہلا بھیجا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس تمام انقلابی حالات کا حضرت شیخ کو پہلے ہی علم تھا۔ ان دنوں دونوں بھائی جفری اور طغرل حضرت کی زیارت کو آئے حضرت شیخ اپنے مشہد میں تمام صوفیہ اور درویشوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ یہ دونوں بھائی آپ کے منبر کے پاس آئے۔ قدم بوسی کی۔ اور خدمت میں کھڑے رہے۔ حضرت شیخ چند لمحے مراقبہ میں رہے۔ سر اٹھایا تو فرمایا۔ جفری ہم نے سارا خراسان تمہیں دے دیا ہے اور عراق طغرل کو دے دیا ہے۔ دونوں ادب بجالا کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد سلطان مسعود کا لشکر جنگ کرنے لگا۔ میںنہہ تک فوجیں آئیں میںنہہ کی ساری آبادی قلعہ میں محصور ہو گئی حضرت شیخ اپنے درویشوں کو لے کر قلعہ بند ہو گئے میںنہہ میں اِدھر اُدھر کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ اس طرح یہ قصبہ لوگوں سے پُر ہو گیا قلعہ میں اکتالیس ایسے نوجوان تھے جو تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جہاں نشانہ لگاتے خطا نہ جاتا۔ ان لوگوں نے سلطان مسعود کے بہت سے قابل فوجی چن چن کو نشانے میں رکھے اور ہلاک کر دیئے حسن مؤدب کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ نماز عشا پڑھ رہے تھے۔ حضرت شیخ نے مجھے حکم دیا کہ بادنہ میں جاؤ۔ یہ گاؤں قلعہ سے تقریباً چھ میل دور تھا وہاں فلاں بوڑھی عورت ہوگی

اسے میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ گائے کے گھی کا فلاں برتن جو ہمارے لئے تم نے رکھا ہوا ہے دے دو۔ مجھے قلعہ کی عقبی دیوار سے ایک رسے کے ذریعہ نیچے پہنچا دیا گیا۔ میں بادینہ میں پہنچا رات کے اندھیرے میں کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔ گھی لے کر واپس آیا۔ سحری کے وقت قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچا تو قلعہ والوں نے مجھے اسی رسے سے اوپر کھینچ لیا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نماز صبح کی تیاری کر رہے تھے۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور چولہے آگ سے بھڑکنے لگے۔ برتن رکھ دیئے گئے۔ اور گھی ان برتنوں میں ڈال کر گرم کرنے لگے لوگوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ کیوں گرم کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف لوگ سلطان مسعود کی فوجوں سے جنگ بھی کر رہے تھے۔ اور بعض حضرات صلح کی باتیں بھی کر رہے تھے۔ میہنہ کے رئیس نے سلطان مسعود سے صلح کر لی۔ اور شرط یہ قبول کی۔ کہ ان اکتالیس تیر اندازوں کو سلطان مسعود کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ سلطان نے ہر ایک کا دایاں ہاتھ کٹوا دیا۔ وہ لوگ روتے روتے آئے تھے۔ حضرت شیخ ان کے کٹے ہاتھوں پر گرم گرم گھی لگاتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اور کہتے جاتے۔ مسعود نے اپنے ملک کے ہاتھ کاٹ دیئے ہیں۔

بادشاہ کی اس سختی نے سارے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اس کی فوجیں یہ علاقہ فتح کر کے مرو کی طرف چلی گئیں۔ وہاں سلجوقیوں کو ان کے آنے کی اطلاع ملی۔ تو صف آرا ہو گئے سلطان مسعود کو شکست ہوئی۔ سارا ملک مسعود کے خاندان کے ہاتھوں نکل کر سلجوقیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جغری کو خراسان کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ اور طغرل عراق کے علاقہ پر حکمران بن گیا۔

ایک بار حضرت شیخ نے ایک مجلس میں طغرل کا ذکر کرتے ہوا فرمایا۔ ایک وقت تھا جب طغرل بیگ میہنہ میں آیا تھا۔ اس کے پاس گھوڑے کی ایک زین اور سونے کے لئے ایک غدہ تھا۔ کسی آدمی کو ہمارے پاس بھیجا کہ ہم مسافر ہیں۔ اور آپ لوگوں کے مہمان ہیں ہمارے لئے تھوڑا سا آٹا بھیج دیں۔ آٹا بھیجا تو وہاں سے سرخس کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس

کے علاقہ میں طغرل بیگ کے بہت ماننے والے تھے۔ جو بھی اسے ملتا اس سے گھوڑا لشکر کے لئے لے لیتا۔ اس طرح اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کا ایک منظم لشکر تیار کر لیا۔ دوسرے خود بخود اس کے زیر اطاعت آتے گئے۔ مسعود سوری (غزنوی) نے اسے پیغام بھیجا۔ یہ تم کیا کر رہے ہو کیا ہمیں مجبور کرتے ہو کہ ہم اس علاقہ میں آئیں۔ اور تمہاری سرکشی کو دبا دیں۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا یہ نہ تو ہمارا کام ہے۔ نہ ہی تمہارا یہ ساری تحریک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کچھ وہ چاہے گا ہو کر رہے گا۔ ہم نے اسی وقت کہہ دیا تھا۔ کہ جس شخص کو اللہ کی ذات پر اتنا پختہ ایمان ہے۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ دنیاوی حکمرانی اسے ملے گی۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سارا خراسان اس کے زیر نگین ہے۔

حسن مؤدب بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ قدس سرہٗ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ میں حسب معمول رکاب تھامے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ آہستہ آہستہ فرماتے جاتے تھے۔ اے اللہ۔ میں بوڑھا ہوں ضعیف ہوں۔ بے طاقت ہوں فضل کر۔ اور درگذر فرما۔ یہ بات کہتے ہی آپ کا گھوڑا بدکا۔ اور سر کے بل گرا حضرت شیخ بھی گھوڑے سے گر پڑے مگر کوئی زخم نہ آیا۔ زبان سے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِفْ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَقْدُرًا ط سجدہ شکرانہ ادا کیا۔ حسن کہتے ہیں۔ میں نے جان لیا۔ کہ حضرت کی تضرع اور دعا اس نادیدہ حادثہ پر تھی۔ جس سے یہ مصیبت ٹل گئی۔

شیخ کی ایک نگاہ

میرے جدّ امجد حضرت شیخ الاسلام ابو سعد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ کہ میہنہ میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ وہ رشتہ میں میری والدہ کا ماموں تھا۔ لوگ اسے شبوئی کہا کرتے تھے۔ وہ عمر رسیدہ۔ چھوٹے قد۔ گھنی داڑھی اور درویش صورت شخص تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا تھا۔ حضرت شیخ کی کوئی مجلس بھی نہ چھوڑتا۔ آنکھوں سے آنسو اور دل میں سوز رکھتا۔ ایک دن حضرت کی مجلس وعظ میں اس پر رقت طاری ہو گئی۔ مجلس

ختم ہوئی۔ اہل مجلس اٹھ کر چلے گئے۔ تو ہوش آیا۔ اٹھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اس کے گلے میں کانٹا ہوتا ہے۔ حضرت نے پوچھا۔ کیا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔ مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا معلوم تو ہونا چاہیئے۔

دوسرے دن مجلس شروع ہوئی تو حضرت نے فرمایا۔ شبوئی کی کمر پہ پٹکا کو باندھو اور اُس کی آستینیں لپیٹ دو۔ ہاتھ میں ایک جھاڑو پکڑا دو۔ وہ مسجد کو صاف کرے گا۔ بیچارہ بوڑھا جھاڑو پکڑے مسجد کو صاف کر رہا تھا۔ اس وقت میہنہ کے رئیس خواجہ حمویہ حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں آیا۔ یہ فریضہ تو کسی نوجوان کے سپرد ہونا چاہیئے تھا۔ یہ ضعیف بوڑھا اس کام کو کس طرح کرے گا۔ حضرت شیخ نے معلوم کر کے فرمایا۔" خواجہ! اس بوڑھے کی ارادت بڑھاپے میں ظاہر ہوئی ہے۔ جب تک راستہ طے نہ کیا جائے۔ منزلِ مقصود پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگا۔ حضرت میں بوڑھا ضعیف ہوں اور علیل ہوں۔ میرے حق میں دعا رحمت فرمایئے۔ حضرت شیخ نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ جھاڑو زمین پر پھینک دو۔ تمہارا کام ہو گیا!

میرے والد محترم خواجہ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کے وقت بعض صوفیا درویشوں کے لئے گندم پسانے پن چکی پر لے جا رہے تھے۔ یہ بدامنی کا زمانہ تھا ترکمانوں کے فتنے سے لوگ ہراساں تھے میں نے شیخ سے کہا۔ کہ پن چکی پر کسے بھیجوں۔ فرمانے لگے۔ شبوئی کو میں نے چند درویشوں کے ساتھ اسے بھیج دیا۔ جب یہ لوگ پن چکی میں پہنچے۔ تو دروازہ بند کر کے چکی چلانے لگے اور آٹا تیار کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ڈاکو ترکمانوں کا ایک جتھہ دروازے کے باہر آ پہنچا۔ اور دروازہ کوٹنا شروع کر دیا۔ لیکن درویشوں نے دروازہ نہ کھولا۔ یہ بوڑھا شبوئی دروازے کے پیچھے پشت لگا کر کھڑا رہا۔ ایک ترکمان نے دروازے کے سوراخ سے ایک تیر مارا۔ جو شبوئی کی پشت کو چیرتا ہوا پار ہو گیا۔ اسی حالت میں شہید ہو گیا۔ اسے ایک خچر پہ لاد کر میہنہ میں لایا گیا۔ حضرت کے گھر کے دروازے کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے اس کے سفید بدن کو خون

سے سرخ دیکھا۔ تو رونے لگے اور فرمایا فَمِنْہُم مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْہُم مَن یَنتَظِر۔ نماز جنازہ ادا کی۔ دوسرے دن اس کی قبر پر مجلس برپا کی گئی حضرت کی مجلس میں رئیس مینہہ خواجہ حمویہ نے دل ہی میں کہا۔ بھلا اس ضعیف کو مارنے سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا ہے۔ حضرت شیخ نے خواجہ کے دل کی بات بھانپ لی۔ اس کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

چندیں چہ زنی نظارہ کردمیداں - انہجادم اژدہاست وزخم ہیلاں

تا ہر کہ درآید بہ ہنداؤ دل دجاں - فارغ چہ کند گرد سرائے سلطان

وصلی اللہ علیہ ومحمد والہٖ اجمعین۔ ہاتھ منہ پر پھیرا۔ اور منبر سے نیچے اتر آئے۔

ماوراء النہار میں بزرگان دین اور صوفیا کی ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہی ہے جن کی اپنی اپنی مخصوص نشست گاہیں ہوتی ہیں۔ اور طریقت میں بڑی خوبصورت گفتگو کرتے ہیں ان کے ایک پیر طریقت ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہی بزرگ انسان ہیں۔ بہت سے مرید ہوتے ہیں ان کے ہر مرید کے ہاں ایک ایک ایسا محب ضرور ہوتا ہے جو دنیاداری میں صاحب ثروت ہو۔ وہ محب انہیں اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے ان کے معمولات میں ایک بات ضروری ہوتی ہے کہ جب نماز عشاء سے فارغ ہو کر اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر اسی طرح مصلوں پر بیٹھے رہتے ہیں ساری رات مراقبہ میں گزارتے ہیں صبح کی نماز کے بعد پیر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ اس رات جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ یا قلبی خطرات سے دوچار ہوتا ہے اس کا حل یا جواب دیتے ہیں۔ اس ضمن میں جو کچھ کہنا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ اس صوفیاء کی جماعت کا ایک خادم عمران نامی تھا یہ شخص بڑا سرگرم خدمت گذار تھا۔ ایک رات اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ عجیب بات ہے کہ اگر میں اسے طلب کرتا ہوں۔ تو مجھے حکم ہوتا ہے۔ اے ناکس تم کہاں اتنی جلدی کرتے ہو۔ کیا خیال کرتے ہو کہ اتنی جلدی مجھے پا لو گے؟۔ اور اگر میں طلب نہیں کرتا تو حکم آتا ہے وَسَارِعُوْا (جلدی کرو) اگر غیر اللہ کی طلب کرتا ہوں تو تنبیہ ہوتی ہے کہ تم مشرک ہو؟ اگر واپس لوٹو

تو ارشاد ہوتا ہے کہ تم مرشد ہو؟ اسی سوچ میں عمران کی ساری رات گذر گئی علی الصباح پیرو مرشد نے گفتگو کا آغاز کیا۔ تو تمام مریدوں کی مشکلات کا حل بتانے آئے۔ جب عمران کی باری آئی تو عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنی مشکل بیان کی۔ کہ ایک شخص طلب میں نکلا۔ تو ساری عمر اسی طلب میں گذار دی۔ کبھی طاعت کرتا ہے۔ کبھی مجاہدہ کرتا ہے اس طرح ساری ساری عمر اسی طلب میں بسر ہوتی ہے مگر جس طلب کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے وہ حاصل نہیں ہو سکی۔ پیر نے اپنا سر مراقبہ میں نیچا کر لیا۔ اور اس اشکال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ بہت فکر کیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ سر اٹھا کر کہا ۔عمران! تھوڑے دن صبر کرو۔ جمعہ کے دن سارے مشائخ جمع ہوں گے۔ ہر ایک سے اس مسئلہ پر سوال کیا جائے گا ہو سکتا ہے کہ کوئی بزرگ تسلی بخش جواب دے دیں۔

جمعہ کے دن تمام بزرگانِ ولایت جمع ہوئے۔ عمران نے اپنی مشکل کو پیش کیا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر اظہار خیال کیا مگر ان کی مشکل حل نہ ہو سکی۔ سائل کا دل صاف نہ ہوا کیونکہ ہر ایک بزرگ مختلف حل پیش کرتا رہا۔ سارا دن گذر گیا۔ عمران کو تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ سب کے سب بزرگ خاموش رہے۔ سائل نے احتجاجاً شور مچایا کہ مجھے ساری عمر آپ کی خدمت میں گذری ہے۔ اتنے اتنے بزرگ پہلوان دیکھے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو روحانی طبیب خیال کرتا تھا۔ لیکن میری بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ عمران کی بات سن کر بزرگوں کی مجلس میں ایک شور برپا ہوا اس رات سب نے مل کر غور و فکر کیا۔ سر گھٹنوں پر رکھ دیئے صبح تک ہی سوچتے رہے جب صبح ہوئی رات کو جو کچھ کسی کو دکھائی دیا۔ بیان کر دیا لیکن پھر بھی مشکل حل نہ ہوئی۔ ان کے مرشد نے کہا۔ اس مشکل کا حل ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم اس مسئلہ میں عاجز ہیں اور اس بیماری کا ہمارے پاس علاج نہیں ہے۔ ہاں! ایک مردِ کامل خراسان میں موجود ہے۔ جسے شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ اور اس مشکل کا حل دریافت کرنا چاہیئے۔ ہم اس وقت تک جدا نہیں ہوں گے جب تک اس مشکل کا حل نہ مل جائے عمران اٹھا۔ اور روانہ ہو گیا۔ وہ سفر میں جا رہا

تھا۔ اپنے حال میں مست تھا۔ نہ کھانے کی فکر نہ سفر کا ڈر۔ مینھہ میں پہنچا۔ تو صبح کا وقت تھا۔ اس وقت حضرت شیخ مجلس میں تشریف فرما تھے اور وعظ کہہ رہے تھے۔ عمران آگے بڑھے تو حضرت نے ایک نگاہ بھر کر دیکھا۔ تو مجمعے کے درمیان سے سر اٹھایا اور فرمایا مرحبا! عمران آؤ۔ آگے آجاؤ۔ آج ہم تمہارے لئے ہی بیٹھے ہیں۔ عمران نے سلام کیا۔ اور کھڑے رہا۔ مگر حضرت شیخ نے فرمایا۔ میرے نزدیک آؤ۔ تم تو بہت دور سے آئے ہو۔ عمران اور نزدیک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ عمران! احوال ایک سمت نہیں چلتے تم اسے طلب کرتے ہو یا اس سے کچھ طلب کرتے ہو؟ ایک لاکھ بیس ہزار انبیاء کرام نے اس سے کچھ طلب کیا تھا۔

حتیٰ کہ حضور سرور کائنات اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے اسے طلب کیا۔ سب سے پہلا طالب حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب طلب کی بات پوری کی تو مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آپ نے نہ آنکھ جھپکی اور نہ نظر بھٹکی) اگر تم اسے طلب کرتے ہو۔ تو یاد رکھو۔ الطلب کرد۔ السبیل شد و المطلوب بلا حد (طلب نامنظور ہوتی ہے۔ راستہ بند ہوجاتا ہے۔ اور مطلوب کی کوئی حد نہیں ہوتی) اگر تم اس سے کچھ طلب کروگے تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ تو اسی صورت ہوسکتا ہے۔ کہ اسی کی باتیں کرو۔ اور اس کے دوستوں سے ملو تم غور تو کرو اس نے دوسروں کو سلادیا ہے۔ مگر تمہیں اپنی بارگاہ پہ بیدار رکھا ہے دوسروں کو غیر کی طلب میں لگا دیا ہے۔ تو تمہیں اپنی طلب میں مشغول رکھا ہے۔ عمران نے کہا۔ حضرت کیا اس کی ذات کریم نہیں ہے؟ فرمایا۔ اَلْکَرِیْمُ الَّذِیْ یُعْطِیْ قَبْلَ السُّوَالِ وَیَعْفُوْ قَبْلَ الْاِعْتِذَارِ۔ (کریم وہ ہے۔ جو سوال کرنے سے پہلے عطا فرمائے اور معافی مانگنے سے پہلے معاف فرمائے)

عمران واپس جاؤ۔ کہ لوگ تمہاری انتظار رہیں ہیں۔ عمران نے سلام کیا اور واپس ہوگیا ایک اور سوال کیا حضرت ہم گنہگاروں کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا۔ فرمایا۔ اے نوجوان حضور فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یَرْحَمُوْنَ عَلَی الْمُقَرَّبِیْنَ عَلَی الْمُتَضَمِّخِیْنَ بِالذُّنُوْبِ

(بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان مقربین پر رحم فرماتے ہیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں سے مبرا ہو جائیں)

عمران واپس آیا۔ تو وہاں کے پیر اور صوفیہ ابھی تک انتظار کر رہے تھے۔ عمران نے سارا واقعہ سنایا۔ سب اٹھے۔ اور میہنہ کو روانہ ہو گئے

پیر کے مرید اور مرید کے پیر پر حقوق:- ایک درویش عراق سے چلا اور حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میہنہ میں پہنچا۔ تو حضرت اس وقت بادنہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ قصبہ میہنہ سے دو تین کوس پر واقع ہے۔ وہ درویش میہنہ میں نہ ٹھہرا۔ بادنہ میں چلا آیا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قدم بوسی کی۔ اور حضرت کے ساتھ ہی میہنہ کی طرف آیا۔ راہ میں حضرت سے سوال کیا۔ حضور۔ پیر کے مرید پر کیا حقوق ہیں۔ اور مرید کے پیر پر کیا حقوق ہیں، حضرت نے بات سنی۔ تو کوئی جواب نہ دیا۔ میہنہ میں پہنچے دوسرے دن حضرت مجلس میں آئے تو اس درویش کو فرمایا۔ کہ تم اسی وقت اٹھو۔ اور غزنین جاؤ۔ اور فلاں شخص کے پاس جا کر ایک سو دینار لے آؤ اور ساتھ ہی دو سیر عود کی خوشبو ان صوفیوں کے لئے بھی لیتے آنا۔ درویش اٹھا۔ اور غزنین پہنچ کر حضرت کا پیغام دیا۔ اور ایک سو دینار اور عود لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں ہرات میں رکا۔ ایک ہروی درویش کو لے کر ایک حمام میں چلا گیا۔ اس حمام میں اسے ایک خوش شکل لڑکا دکھائی دیا۔ جسے دیکھتے ہی دل دے بیٹھا۔ ہروی درویش کو کہنے لگا۔ کسی طرح اس لڑکے کو میرے کمرے میں لے آؤ۔ اس نے کہا۔ اسے کچھ دینا پڑے گا۔ درویش نے دو دینار دیئے۔ ہروی نے اس لڑکے کو دو دینار دکھائے اور ورغلا کر درویش کے کمرے میں لے آیا۔ درویش اس لڑکے کے ساتھ برا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ حضرت شیخ ابو سعید ایک طرف سے تیز تیز آتے دکھائی دیئے اور چلا کر اُس بُرے کام سے روک دیا۔ درویش نے دیکھا۔ تو نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو میہنہ کو روانہ ہوا۔

مینھہ پہنچا تو حضرت شیخ مجلس میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ درویش ویسے ہی مجلس میں آگیا حضرت نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔ مرید کا حق تو پیر پر یہ تھا کہ پیر کا حکم پاتے ہی تم غزنین چلے گئے۔ اور پیر کا مرید پر حق یہ تھا کہ دو سال سفر جب تمہارا پاؤں لغذ نے لگا۔ تو پیر نے روک دیا۔ یہ بات سنتے ہی درویش شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور گناہوں سے توبہ کی۔

نگاہ محبت کی اثر انگیزیاں:- خواجہ علیک بیان کرتے ہیں۔ میں نیشاپور میں تھا ایک دن مجھے حضرت کی یاد نے ستایا۔ میرا دل چاہا کہ آپ کی زیارت کے لئے مینھہ جاؤں۔ چنانچہ میں دن رات سفر کر کے مینھہ پہنچا۔ میں نے سوچا۔ حضرت کی خدمت میں جانے سے پہلے غسل کر لوں۔ مگر میں نے دیکھا۔ ایک درویش آرہا ہے۔ مجھے کہنے لگا۔ حضرت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی چلے آؤ۔ میں سفر کے لباس میں ہی حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت حضرت مشہد کی دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کرسی لاؤ، کرسی لائی گئی۔ مجھے فرمایا۔ اپ جوتے اتار دو۔ اور سفر کا سامان علیحدہ کر دو۔ اور یہ سامان سفر مجھے دے دو۔ فرمایا۔ جو شخص اس ایک بات کے لئے ایک قدم اٹھاتا ہے۔ وہ بزرگ ہوتا ہے پھر مجھے محبت کی نظروں سے دیکھتے ہوا فرمایا یہ نہ سمجھنا کہ تم خود ملنے آئے ہو۔ ہم نے تمہیں بلایا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ صوفیاء کا منکر ایک شخص اسی مجلس میں آکر ستون کی روٹ میں آپ کی باتیں سننے لگا۔ آپ ممبر پر تشریف فرما تھے۔ اور چوکڑی مارے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور بزرگان دین کی کرامات پر اظہار خیال فرما رہے تھے۔ وہ شخص ظاہراً تو حضرت کو دیکھتا جاتا مگر دل سے تمام باتوں کو لغو قرار دیتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ستون کی روٹ میں بیٹھنے والے نوجوان! دل سے انکار دور کر دو۔ اور ہمارے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔ وہ شخص اٹھا۔ اور دھاڑ مار کر کہنے لگا۔ یہ کیا خدائی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کہو۔ یہ کیا بے اختیاری ہے؟ تمام مجمع سے فریاد آئی اور وہ شخص تائب ہوا

مرید ہوا۔ اور مرد کامل بن گیا۔

حضرت خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں۔ میں حضرت کی خدمت کو جایا کرتا تھا۔ آپ کی حالت دیکھا کرتا۔ آپ کے ابتدائی دَور کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر سنتا تھا۔ میرا خیال یہ تھا۔ کہ حضرت شیخ کو جو مقام ملا ہے وہ ان ریاضتوں کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا۔ کہ میں بھی یہ مجاہدے اور ریاضتیں خفیہ طور پر اختیار کر لوں سب سے پہلے میں نے اپنے کھانے احتیاط برتنا شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو حکم دیا ہے یَا ایھا الرسل کلوا من طیبات وَاعملوا صالحاً (اے میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو!) لہذا ضروری ہے۔ کہ میں اپنی روزی محنت سے کماؤں اور کھاؤں۔ اور صوفیہ کو جس قسم کا کھانا آتا ہے۔ اسے نہ کھاؤں۔ اس وقت مجھے کوئی کام کرنا تو آتا نہ تھا۔ حضرت شیخ کے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا تھا جو خراس پر کام کرتا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اور کچھ کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہم نے پروگرام بنایا۔ دوپہر کے وقت حضرت آرام فرماتے ہیں۔ صوفیہ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاتے ہیں میں گاؤں سے نکلتا اور صحرا کی راہ لیتا۔ وہاں سے رسی بانٹنے کا سامان اکٹھا کرتا اور رسی بنا کر بازار میں فروخت کر لیا کرتا۔ اس مزدوری سے جو خریدتا۔ خود پتیا۔ اور خود ہی پکاتا۔ خود تو روزہ رکھتا۔ مگر جو کچھ پکاتا درویشوں کے پاس لے جاتا۔ اور افطاری کے وقت ان کے ساتھ شریک طعام ہوجاتا۔ لیکن اپنی آستین سے جَو کی روٹی نکالتا۔ اور چوری چوری کھا لیتا۔ میں ہمیشہ حضرت شیخ سے ذرا دُور ہی دسترخوان پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ حضرت میری اس حرکت کو دیکھ نہ لیں۔ اس روٹی کے علاوہ میں غسل کرتا۔ اور اپنی نمازیں طویل کرتا۔ میرا خیال تھا۔ کہ میرے ان اطوار و احوال کی کسے بھی خبر نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے مجھے اس موضوع پر کبھی کچھ نہ کہا۔

ایک دن حضرت مینہ سے نیشا پور میں جا رہے تھے ہم لوگ بھی ساتھ ہی تھے راستے میں طوس آئے تو وہاں ایک شخص سید ابوطالب جعفری حضرت کے مخلص دوستوں میں سے تھے حضرت آپ کے بغیر کسی سے کھانا نہ کھاتے۔ طوس سے چل کر نوقان پہنچے۔ ابوطالب جعفری بھی آپ کے

ساتھ ہی تھے۔ یہاں دونوں ایک تختے پر بیٹھے کھانا کھانے لگے۔ اس موضع نوغان میں ایک عابد اور زاہد تھا۔ اس نے حضرت شیخ کی نوغان میں آمد سنی تو زیارت کو آیا۔ اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب تو دے دیا۔ مگر خاص توجہ نہ فرمائی۔ آپ کے اس رویہ سے زاہد بڑا شکستہ خاطر ہو۔ کیوں اس شہر میں لوگ اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی طرح شکستہ خاطر مجلس سے اٹھا اور باہر آیا۔ ابوطالب نے کہا۔ حضرت آج آپ نے ہمارے اس زاہد اور عالم کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں زاہدوں کی ضرورت نہیں! زاہدوں کی ضرورت نہیں!!۔ پھر فرمانے لگے۔ سیّدی! تاریوں سے دور رہا کرو۔ یہ لوگ چغل خور ہوتے ہیں! لیکن اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں ان کے کہنے پر نہ کسی کو سزا دے گا۔ اور نہ ہی مخلوق کو ان کے کہنے سے رہائی ملے گی۔ یہ بات کہنے کے بعد آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا۔ اگر تم وہاں موجود ہو۔ تو دیکھتے رہیں۔ ان کی بات نہ کرنا۔ میں تو شیخ اور فقیر ہوں۔ اور تم زاہد بن رہے ہو اپنے پیر و مرشد کی متابعت کے بغیر ہی منازل طے کرنے میں لگے ہوئے ہو۔

حضرت خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی یہ بات سن کر زمین پر گر پڑا۔ اس بات کے خوف سے میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں استغفار کرنے کی بجائے زار زار رونے لگا۔ میری یہ حالت دیکھ کر حضرت کو مجھ پر ترس آ گیا۔ خوش دل کر کے فرمایا۔ اس کام کو چھوڑ دو۔ میں نے کہا حضرت میں نے چھوڑ دیا۔ لوگوں نے مجھے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا؟ میں نے ساری حالت بیان کی سب تعجب کرنے لگے۔ کیونکہ اتنا عرصہ کسی کو بھی میری اس بات کا علم نہ تھا صرف شیخ ہی جانتے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔!

شیخ کی جیبیں لوگوں پر کھلی رہتیں:۔ خواجہ ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ نہایت بزرگ آدمی تھے اور سرخس میں رہا کرتے تھے۔ مریدوں کی خاصی تعداد آپ سے عقیدت رکھتی تھی۔ یہ سب کے سب بڑے ہی صاحب دل لوگ تھے۔ جب حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت سرخس میں پہنچی۔ انہیں یہ تجسّس

پیدا ہوا۔ کہ یہ حضرت شیخ ابو سعید کون ہیں؟ ان کا مقام کیا ہے؟ ایک دن سارے بیٹھے آپ کے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ کہ وہ بڑے بزرگ انسان ہیں دوسرے نے کہا کہ پہاڑ کے پیچھے رہنے والے ہیں۔ یعنی دیہاتی ہیں۔ ان میں ایک شخص یحیٰی ترکی بھی تھے کہنے لگے غیبت میں بلا سر و پا باتیں کرنا اچھی بات نہیں۔ میں میہنہ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہ بزرگ کیسے ہیں۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا اور میہنہ کو روانہ ہو گئے۔ صوفیاء کی ایک جماعت نے انہیں الوداع کہا۔ اور کہنے لگے ذرا غور سے دیکھنا وہ کیسے بزرگ ہیں۔ ان کی کرامات یہاں تک پہنچتی ہیں۔ یحیٰی میہنہ میں پہنچے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ منبر پر جلوہ فرما وعظ فرما رہے تھے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت نے آپ کو دیکھا۔ فرمایا۔ یحیٰی مرحبا! آؤ۔ ہمیں خوب دیکھ لو۔ تمہارے درویش تمہاری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ بتاؤ۔ تم آنے لگے تو انہوں نے تمہیں کیا کہا تھا؟ یحیٰی نے کہا۔ حضرت آپ ہی بتا دیئے! حضرت شیخ نے فرمایا۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ دیکھنا۔ وہ کیسا مرد خدا ہے؟ آپ نے پوچھا تم نے مجھے دیکھ لیا ہے؟ یحیٰی نے کہا۔ حضرت دیکھ لیا ہے۔ اب بتاؤ انہیں جا کر کیا کہو گے یحیٰی نے کہا جو حضرت فرمائیں وہی کہوں گا! آپ نے فرمایا۔ جاؤ۔ اور انہیں کہو کہ میں نے ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کی جیب کبھی بند نہیں رہتی۔ اور خلق خدا کی خدمت سے نہیں رُکتا۔

یحیٰی نے یہ سنتے ہی نعرہ مارا۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا۔ تو اپنے دوستوں کی طرف روانہ ہوا۔ ابو القاسم کے سامنے صوفیہ کی موجودگی میں اپنے تاثرات پیش کئے۔ تمام سن کر بہت خوش ہوئے دوسرے دن تمام کے تمام میہنہ کی طرف روانہ ہوئے تا کہ حضرت شیخ کی زیارت کریں۔

شیخ ابو سعید مرو میں:- ایک دفعہ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ مرو کی طرف روانہ ہوئے ان دنوں وہاں خواجہ علی خباز رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے۔ پیر بوعلی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عقیدت مندوں کا مجمع رہتا تھا۔ حضرت کی آمد کی خبر سنی تو کہنے لگے۔ ایسا پرندہ آ رہا ہے۔ جو سب پرندوں کا چینہ چن لے گا۔" اُٹھے

اور کہنے لگے حضرت کا شاندار استقبال کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ خواجہ علی نے حضرت کے شایان شان استقبال کی تیاری کی۔ اور انتظامات کے علاوہ آپ نے حکم دیا۔ کہ آج دو موٹے موٹے خچر ذبح کیے جائیں۔ اور ان کا گوشت محلے کے کتوں کو کھلایا جائے۔ اس شہر کے کتے بھی حضرت کی آمد پر چربین گوشت کھائیں۔ آپ کے خادم نے کہا۔ آپ نے ایسا کیوں کہا۔ فرمایا۔ جب بادشاہ آتے ہیں۔ تو اس شہر کی ہر چیز پر رحمت برستی ہے۔ کتے بھی پیٹ بھر کر کھائیں۔ آپ حضرت کے استقبال کے لیئے ایک بڑا پر وقار جلوس لے کر نکلے حضرت شیخ کی خواہش تھی۔ کہ رباط عبداللہ ابن مبارک میں قیام فرمائیں گے۔ بوعلی سیاہ نے کہا۔ ہم ایک سال میں ہزار باز دوں کی تربیت کرتے ہیں۔ کہ ایک شاہباز ہمارے قابو آئے۔ آج اتنا بڑا شہباز آیا ہے۔ اسے کسی دوسری جگہ نہیں ٹھہرنے دیا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ جوانمرد تمام کے تمام شہباز ہی ہیں۔ ان میں کوئی بھی باز نہیں ہے۔ پیر بوعلی نے کہا حضرت آپ کی زیارت ہوگئی۔ ورنہ ہم لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شہر میں آئے۔ اور خانقاہ میں نزول فرمایا تخت پر جلوہ فرما ہوئے۔ تمام پیراں عظام اور صوفیہ حلقہ نشین ہوئے نوجوان چاروں طرف صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے سلسلہ کلام شروع کیا۔ غالباً خواجہ علی جناز رحمۃ اللہ علیہ کو رشک آیا۔ بوعلی سیاہ اندر آئے اور اپنے مریدوں پر نگاہ ڈالی۔ اور حضرت کو تخت پر بیٹھے ایک نظر دیکھا حضرت شیخ کی ہیبت اور سلطنت دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ دل میں خیال آیا۔ اگر لوگوں نے آپ کی عارفانہ گفتگو سن لی تو ہماری ولایت ختم ہو جائے گی۔ اور مرد کا وقار جاتا رہے گا۔ حضرت شیخ نے اسی وقت خواجہ علی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا۔ خواجہ باہر اپنے بازار میں جاؤ۔ یہاں بڑی اچھی روٹیاں پکاتے ہیں۔ اپنے چہرے جیسی ایک خوبصورت روٹی تو لے آؤ۔ علی باہر دوڑے گئے۔ ایک پاکیزہ سی روٹی لائے شیخ نے یہ روٹی لی اور پیر بوعلی کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ آج سے ہم شہر مرو اور ولایت مرو اس روٹی کے بدلے آپ لوگوں کو بخشتے ہیں۔ اور یہ روٹی بھی تمہاری ہو گی۔

آپ یہ بات کہہ کر باہر آ گئے۔ انہوں نے بڑی منت سماجت کی۔ مگر آپ نہ رکے پھر

بار بار کہا حضرت کھانا تو کھالیں مگر آپ نے وہاں ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔ اور رباط عبداللہ مبارک میں تشریف لے آئے۔ خواجہ علی جناز نے دستر خوان صحرا میں بچھا دیا۔ فارغ ہوئے تو آپ واپس میہنہ آ گئے۔

اہلِ محبت کی آمد:- میرے والد مکرم نور الدین منور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خواجہ ابو الفتح سے سنا۔ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید مشہد کی دکان پہ مجلس فرما رہے تھے۔ دوران گفتگو فرمانے لگے۔ آج خلد بریں سے نسیم جانفزاء چل رہی ہے اور یہ نسیم درویشوں کی آمد کے بغیر نہیں چل سکتی" یہ کہہ کر پھر وعظ فرمانے لگے۔ چند لمحے بعد دوسری بار فرمایا۔ آج خلد سے نسیم جانفزا چل رہی ہے اور یہ درویشوں کی آمد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ تیسری بار پھر یہی جملہ دھرایا۔ خواجہ موذب اور عبدالکریم اور کچھ دوسرے صوفیاء اٹھے۔ انہیں اس بات سے معلوم ہوا۔ کہ کچھ درویش مہمان آ رہے ہیں وہ گاؤں کے ٹیلے کی طرف دوڑے۔ پھر حضرت کے اشارے کے مطابق دائیں جانب نگاہیں ڈالیں واقعی مرو کی طرف سے کچھ صوفی آ رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو ان سے معانقہ کیا۔ استقبال کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا۔ ان حضرات کا سامان سفر میرے پاس لاؤ۔ حسن نے صوفیاء کا سامان سفر پیش کیا۔ تو آپ نے لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ کر فرمایا۔

آنرا کہ کلاہ سر بباید زد و برد ۔ زانست کہ او بزرگ را داد و خرد

وصلی اللہ علی محمد و آلہ اجمعین۔ منہ پہ ہاتھ پھیرا، اور مجلس ختم کر دی سامعین پہ رقت طاری ہو گئی۔

نگاہ کا تازیانہ یا چقماقِ ترکمانہ:- خواجہ ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ کی خدمت میں میہنہ میں موجود تھا۔ ایک دن بے پناہ بارش ہوئی۔ ندی نالوں میں سیلاب آ گیا۔ میہنہ میں بھی زبردست سیلاب آیا۔ نماز عصر سے پہلے ہی حضرت شیخ باہر آئے۔ اور فرمایا۔ پانی میں تیرنے کی اجازت عام ہے

تمام درویش سیلاب میں کودنے لگے۔ نماز عصر صحرا میں ادا کی گئی۔ میں حضرت شیخ کے ساتھ ہی تھا۔ کہ انہیں سیلابی دریا کے کنارے لے جاؤں۔ آپ نے مجھے دوبارہ فرمایا سارے درویش سیلاب میں کود رہے ہیں تم بھی جاؤ۔ اجازتِ عام ہے۔ لیکن میں پاک صاف کپڑے پہنے حضرت شیخ کی خدمت میں کھڑا رہا۔ اسی اثنا میں حسن مودّب پیچھے سے آئے۔ اور مجھے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے اپنی گردن پر اٹھا لیا۔ اور سیلاب میں جا پھینکا۔ پانی میرے سر سے گذر گیا۔ میں تو تیرنا جانتا نہ تھا۔ میری پگڑی اور جوتے پانی میں بہہ گئے۔ کپڑے بھیگ گئے۔ غوطے کھانے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ مجھے اپنی اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی لوگوں نے مجھے پانی سے باہر نکالا۔ سرنگوں کیا گلے کے راستہ سے پانی باہر نکالا اسی دوران حضرت شیخ نے اعلان کیا۔ کہ سب نماز جنازہ کے لیے آجاؤ۔ مجھے اٹھا کر حضرت شیخ کے سامنے لا رکھا۔ حضرت نے میرے سامنے مصلّی بچھایا۔ اور تمام صف بستہ کھڑے ہو گئے حضرت نے چار تکبیریں پڑھیں۔ اور اس طرح نماز جنازہ ادا کی۔ میرے پاؤں کی طرف بیٹھ گئے چادر کا ایک کونہ کھینچا۔ اور فرمایا۔ ابوبکر۔ موت کے بعد اٹھ کھڑے ہو۔ اور ہمارے ساتھ باتیں کرو۔ یہ کہہ کر اٹھے۔ اور سواری لی۔ اور گھر کی طرف چل پڑے میں بھی اسی طرح گیلے کپڑوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چل پڑا۔ تمام درویش وہاں ہی رہے۔ حضرت آتے ہی گھر چلے گئے۔ رات کھانا کھانے بھی دستر خوان پر نہ آئے۔

دوسرے دن منبر پر بیٹھے تاکہ وعظ کہہ سکیں۔ گفتگو کرنے سے پہلے حسن مودّب کو بلایا اور فرمایا۔ ابھی اٹھو۔ اور بلخ چلے جاؤ اور پچیس تاریخ کو ہر حالت میں واپس پہنچ جانا۔ بارہ دن جاتے لگیں گے اور بارہ دن واپسی پر اور ایک دن بلخ میں ٹھہرنا۔ اور پچیسویں دن یہاں ضرور آجانا ابو عمر و خوشگو یہ نیشاپور سے ۲ کروہاں ٹھہرے ہیں۔ انہیں میرا سلام کہنا کہ صوفیوں کے لئے تین سیر عود چاہیئے۔ اور ایک سو دینار قرضہ دینا ہے۔ یہ دونوں چیزیں لے کر آجانا حسن مودّب اٹھے۔ اور سفر کو روانہ ہوئے۔ موضع زردک پہنچے تو

اسی دن ترکمان ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ سب کو گرفتار کر لیا۔ حسن مؤدب بھی پکڑے گئے اسے بہت مارا پیٹا۔ بے عزتی کی۔ اور کہنے لگے تم جاسوس ہو۔ انہوں نے اسی حالت میں ایک دن اور رات زیر تادیب رکھا۔ شکنجے میں کس دیا۔ حسن مؤدب کہتے ہیں۔ ان شدید سردیوں میں مجھے جس تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ بیان نہیں کر سکتا۔ آدھی رات ہوئی تو میں نے حضرت شیخ کا تصور کر کے فریاد کی۔ اور پکارا۔ ابھی میں نے یہ بات کہی تھی۔ کہ ڈاکوؤں کا سردار اپنے گھر سے نکلا۔ اور میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ اور مجھے ایک خیمے میں بھیج دیا۔ گرم پانی دیا گیا۔ جس سے میں نہایا مجھے نئے کپڑے دیئے گئے۔ اور پھر مجھے اپنے خیمہ میں بلایا کہنے لگا۔ تم کس شخص کی جاسوسی کر رہے ہو۔ میں نے بتایا۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں تو میہنہ کے بزرگ کا مرید ہوں۔ جن کا اسم گرامی ابوسعید ابوالخیر ہے۔ اس نے پوچھا کہ ان کا حلیہ اور شکل و صورت کیسی ہے؟ میں نے بیان کی۔ سردار کہنے لگا۔ جس شکل و صورت کے بزرگ بتاتے ہو۔ وہ ابھی ابھی میری خواب میں آئے اور ہاتھ میں تلوار اٹھائے حکم دیا۔ کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ ابھی ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ میں ڈر سے اٹھا۔ اور اب تمہیں آزاد کرتا ہوں تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔ میں وہاں سے نکلا بلخ پہنچا۔ میرے جانے سے پہلے ابوعمرو خوشگو غزنین جا چکا تھا۔ میں مایوس واپس آیا۔ اور پچیسویں دن میہنہ پہنچ گیا۔

حضرت شیخ صبح منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمانے لگے آج حسن نے آنا ہے۔ اس کا استقبال کیا جائے۔ حضرت شیخ کے بیٹے اور دوسرے درویش صحرا میں میرا استقبال کرنے آئے۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن مرحبا! حالات سفر تم سناؤ گے یا میں بتاؤں۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت آپ سنائیں تو بہتر ہو گا۔ فرمانے لگے۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ابوعمرو خوشگو کو نہ مل سکو گے۔ مگر تم گئے راستے میں ترکمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ قید کر دیئے گئے۔ بڑی تکلیف دی۔ تم نے مجھے پکارا۔ اور تمہیں رہائی مل گئی۔ بلخ گئے۔ اور ابوعمرو کو نہ پا سکے۔

حسن موذب نے عرض کی حضرت جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ تو اُس غریب کو اس مصیبت میں بھیجنے کا کیا مطلب تھا۔ آپ نے فرمایا حسن "جس سرکش نفس نے ابوبکر مسکین کو پانی میں پھینکا تھا۔ اسے ہم نرم نہیں کر سکتے تھے۔ اسے تو ترکمانوں کے تازیانے ہی درست کر سکتے تھے۔"

صرّاف کے سو دینار:-

ایک دفعہ حضرت شیخ قدس سرہٗ سرخس میں تشریف لے گئے۔ میرا ابوالفضل حسن کی خانقاہ میں قیام فرما ہوئے۔ اس وقت خانقاہ کا خادم ایک ابوالحسن نامی درویش تھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ کون ہیں کہنے لگا۔ ایک بزرگ اتنے مریدوں کو لئے ہوئے آئے ہیں۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ انہیں پیش کروں۔ میرے دل میں خیال آیا ہی تھا۔ کہ حضرت نے مجھے طلب فرمایا۔ اور کہا۔ ابوالحسن! بازار جاؤ فلاں صرّاف کو کہو کہ ابوسعید کہتے ہیں تیس دینار بھیجو۔ میں صرّاف کے پاس گیا۔ اور کہا تیس دینار دے دو۔ صرّاف نے بات سنی۔ اور تیس دینار خالص نیشاپوری تولے اور مجھے دے دیئے میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اب جاؤ اور انہیں خرچ کرو۔ دوسرے دن حضرت نے مجھے پھر بلایا۔ اور فرمایا۔ ابوالحسن آج اسی صرّاف کے پاس پھر جاؤ اور تیس دینار اور لے آؤ اور خرچ کرو۔ میں گیا۔ لے آیا تیسرے دن پھر حکم دیا۔ کہ جاؤ۔ تیس دینار علیحدہ لانا۔ اور دس دینار علیحدہ لانا۔ اب دس دینار خرچ کر لینا۔ اور تیس دینار دے کر نیشاپور کے لئے ایک گدھا کرایہ پر لے آنا۔ میں صراف کے پاس آیا۔ اور کہا تیس دینار علیحدہ دینا اور دس دینار علیحدہ۔ صرّاف کہنے لگا۔ پہلے تو تم نے کبھی جدا جدا نہیں مانگنے۔ ابوالحسن نے کہا۔ آج حضرت نیشاپور جانے والے ہیں۔ کل کلاں یہ دینار مجھ سے نہ مانگتے رہنا۔ آج آجاؤ اور اپنا قرضہ لے لینا۔

صرّاف میرے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا صوفی اپنی اپنی سواریاں تیار کر رہے تھے۔ ان پر بوجھ لادے جا چکے تھے۔ صرّاف خاموش ہو کر حضرت کی خدمت میں کھڑا رہا۔ مگر شیخ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ گھوڑے پر بیٹھے اور روانہ ہو گئے۔ صرّاف آپ

کے پیچھے پیچھے دروازے تک گیا۔ آپ دروازے کے باہر نکلے تو صراف بڑا تنگ دل ہو کر پریشان ہو گیا کہ اب کیا کروں۔ نیشا پور کے راستہ پر پہنچے تو نیشا پور کی طرف سے ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔ ایک شخص قافلے کے آگے آگے آرہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور لوگوں سے پوچھا۔ کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ بتایا گیا۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر ہیں وہ شخص آگے بڑھا سلام کیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ ایک سو دینار اس صرّاف کو دے دو۔ اس نے ایک تھیلی نکالی اور سو دینار صراف کے حوالے کئے حضرت نے صرّاف کو فرمایا۔ تمہارا حساب بے باق ہو گیا اس نے کہا۔ ہاں حضرت! آپ نے فرمایا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ صراف کہنے لگا اب تو میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب تک آپ مجھے قبول نہ کریں۔ صرّاف پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے مرد کامل بنا دیا۔

قاضی سیفی کا قتل :-

سرخس میں ایک قاضی سیفی ہوئے ہیں جو قاضی القضاۃ بھی تھے۔ اور معتبر عالم دین بھی۔ وہ اصحاب الرائے تھے۔ بزرگان دین اور صوفیاء کے منکر تھے۔ ان دنوں قاضی سیفی کا حکم چلتا تھا۔ بڑا صاحب جلال اور حکومت کے ہاں قابلِ صد احترام مانا جاتا تھا۔ اس نے کئی بار لوگوں کو تیار کیا۔ لالچ دیا۔ کہ حضرت شیخ کو قتل کر دیں مگر کسی کو اس کام کی ہمت نہ پڑی۔ آخر کار ایک شخص آمادہ ہو گیا۔ اور قاضی نے اسے بہت سا پیشگی روپیہ دیا۔ اور پھر آئندہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ ایک دن مقرر ہوا کہ آج حضرت شیخ ابوسعید کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی دن آپ ایک بہت بڑے مجمع میں وعظ فرما رہے تھے۔ دوسری طرف قاضی سیفی نے بھی لوگوں سے خطاب کرنا تھا مساجد میں اور بازاروں میں اعلان کیا جا رہا تھا۔ کہ قاضی سیفی فلاں جگہ خطاب کریں گے حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان سنا تو اپنے مریدوں کو فرمایا۔ وضو کر لو آج قاضی سیفی کی نماز جنازہ پڑھی جانی ہے۔ لوگ حیران تھے کہ قاضی زندہ سلامت ہے ایک جگہ خطاب کرنے والا۔ مگر حضرت اُس کی نماز جنازہ کا اعلان کر رہے ہیں حضرت نے بات کہہ دی لوگوں نے سن لی۔

ادھر قاضی اپنے خطبے کی تیاری میں ایک حمام میں غسل کے لئے گیا۔ اس دن سے چند روز پہلے ایک ایسا شخص قید سے رہا ہو کر آیا تھا جسے قاضی سیفی نے اس بنا پر قید میں ڈالا تھا کہ اس نے طلاق کی قسم کھائی تھی۔ عورت جدا ہوگئی تھی۔ اسے مہر اور دیگر اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ قید خانہ میں رہنا پڑا۔ اسی دن وہ شہر میں رہا ہو کر آیا۔ ایک لوہار سے خنجر خریدا۔ اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ اس نے اچانک قاضی کو دیکھا۔ کہ حمام سے اکیلے ہی چلا آ رہا ہے۔ آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ اسی وقت خنجر مارا۔ قاضی کا پیٹ پھاڑ دیا وہ اسی جگہ مر گیا۔ شہر میں شور مچ گیا۔ کہ قاضی سیفی کو قتل کر دیا گیا حضرت ابھی تک وعظ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے حضرت کے اس اعلان کو تسلیم کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ قاضی نے ہمارے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہ ہمارا کیا ہوتا ہے! ہم نے اس کے قتل کا اعلان کیا۔ وہ خدا کا کیا ہوتا ہے!

گندم کے ذخیرے میں برکت:۔ شیخ عمر شوکانی امام اجل مالکان شوکانی کے والد خواجہ محمد جوانی کے عالم میں قبا پہنا کرتے اور سر پر خوبصورت سی ٹوپی رکھتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے سامنے سے اسی شاندار لباس قبا و کلاہ میں گزرے حضرت نے ایک نگاہ دیکھا۔ فرمایا۔ کہنے لگا۔ واقعی شیخ نے سچ کہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس میں تبدیلی آئی۔ توبہ کی۔ اپنے گھر کو ایک خانقاہ کی شکل دے دی۔ بہت سا مال و دولت مخلوق خدا پر خرچ کیا۔ حضرت شیخ اور آپ کے درویشوں پر بہت کچھ خرچ کیا۔ اپنی خانقاہ میں چالیس صوفیہ کے قیام و طعام کا بندوبست کیا۔ اور شوکان میں ان پر خرچ کرنے لگا۔ ایک عالیشان گنبد اور شوکان کی جامع مسجد کے بلند مینار اپنے مال سے تعمیر کرائے۔ اپنے مکان میں ایک بہت بڑا گودام بنایا۔ جو ہر وقت گندم سے بھرا رہتا تھا۔ درویشوں اور غریبوں پر خرچ کرتا رہتا۔ اپنے دل میں کہا کرتا تھا۔ یہ گندم پوری نہ ہوگی۔ دونوں عمارتیں بن کر

تیار ہو گئیں مگر گندم کا ذخیرہ ابھی تک موجود تھا۔ اسے تعجب ہوا۔ اسے یقین ہو گیا اس گندم سے جس قدر خرچ کرتا رہا ہے۔ اسی قدر برکت آتی رہتی ہے۔ ایک دن ایک شخص کو بھیجا کہ اس گودام میں دیکھو کتنی گندم ہے جتنی ہے باہر ڈھیر لگاؤ۔ وہ گیا تو وہ حیران رہ گیا۔ کہ بے پناہ گندم کا ذخیرہ پڑا ہے۔ وہ لوگوں کو ہر روز دیتا جاتا مگر گندم کا ذخیرہ کم ہونے کو نہ آتا۔ ایک عرصہ کے بعد اس نے پوچھا کہ گندم کتنی رہ گئی ہے۔ بتایا گیا۔ گودام لبا لب پڑے ہے۔

آپ نے طوس کے ایک قاری عبدالمالک شاداں کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ گندم کے ذخیرہ کا قصہ اسے سنایا۔ وہ رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔ یہ اس شیخ طریقت کی برکت ہے جس کے تم مرید ہو۔ یہ بات جو تم نے مجھے کہی ہے کسی دوسرے کو نہ سنانا۔ اور مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ کی دعا و برکت سے تم اور تمہاری اولاد عمر بھر کھاتی رہے۔ لوگوں کو کھلاتی رہے تو یہ گندم ختم نہ ہو گی۔

ڈاکوؤں کی بستی تائب ہو گئی:۔ ایک دفعہ حضرت شیخ طوس جا رہے تھے وہ برستہ داوہ روانہ ہوئے۔ ان کی خواہش تھی۔ کہ وہ راستے میں ایک گاؤں رفیقاں میں قیام کریں گے۔ چند صوفیاء اور درویش قافلے سے آگے نکل گئے۔ تاکہ اس گاؤں میں آپ کے قیام کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں وہاں کس خانقاہ میں قیام کیا جا سکتا ہے۔ وہاں پہنچے تو وہاں کوئی خانقاہ نہیں تھی۔ سارا گاؤں ڈاکوؤں اور چوروں کا تھا۔ وہاں ایک معلم یا امام مسجد تھا۔ جس نے حج کیا تھا۔ نیک آدمی تھا بچوں کو پڑھا کر روزی حاصل کرتا تھا۔ اس نے سنا کہ حضرت شیخ تشریف لا رہے ہیں تو حضرت کے پاس دوڑا دوڑا آیا۔ اور کہا یہ چوروں ڈاکوؤں کا گاؤں ہے کوئی خانقاہ نہیں۔ سب گاؤں والے حرام خور ہیں۔ گاؤں میں صرف میں ہی ایک ایسا شخص ہوں جو حلال روزی پر اکتفا کرتا ہوں۔ دوسرے کوئی ایسا شخص نہیں جو ایک دینار

بھی حلال روزی رکھتا ہو۔ اور نہ ہی ان سے اصلاحِ احوال کی توقع ہے یہ صورت حال بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ سے گذارش کی کہ آپ میرے ہاں قیام فرمائیں حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہم تو گاؤں کے نمبردار اور ڈاکوؤں کے سالار کے گھر قیام کریں گے معلّم نے بتایا۔ وہ تو پرلے درجے کا بدمعاش اور بدقماش ہے چوروں کا سردار اور ڈاکوؤں کا پیشرو ہے۔ اس کا سارا مال حرام کی کمائی ہے۔ ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے اس کے سارے گھر میں ایک کپڑا بھی نمازی نہیں۔ حضرت شیخ نے معلّم کی ان تمام باتوں پر التفات نہ کیا۔ چنانچہ معلّم وہاں سے لوٹا۔ اور نمبردار کو جاکر کہنے لگا حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ آرہے ہیں اور تمہارے گھر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ نمبردار نے سنا۔ تو حکم دیا کہ میرے اس ناپاک گھر میں پاکیزہ کپڑے بچھا دیئے جائیں۔ تاکہ شیخ اور ان کے مرید پاک جگہ پر بیٹھ سکیں وہ حیران تھا۔ کہ آج ان بزرگوں کو حلال کا کھانا کہاں سے کھلاؤں بڑا متردّد تھا۔ اس کی بوڑھی ماں زندہ تھی۔ بڑی نیک اور پارسا بی بی تھا۔ دوڑا دوڑا اس کے پاس گیا۔ اور کہا اماں کہیں سے حلال روٹی ملے تو حضرت کی خدمت میں پیش کروں۔ میرے سارے گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جو حرام نہ ہو مجھے بڑی فکر ہے ان نیک مہمانوں کو کیا کھلاؤں۔ اس کی والدہ اٹھی۔ اور ہاتھ میں پہنی ہوئی چوڑیاں اتار دیں۔ اور لڑکے کو دیتے ہوئے کہا۔ یہ چوڑیاں میری والدہ نے مجھے اپنی حلال کی میراث سے دی تھیں۔ انہیں فروخت کرو اور دعوت کا سامان کرو۔ میرا خیال ہے۔ کہ حضرت شیخ تمہارے پاس اسی لقمہ حلال کو جانتے ہوئے آرہے ہیں نمبردار نے چوڑیاں لیں بازار میں فروخت کیں۔ مہمانوں کو دعوت دی۔ والدہ کی بات نے اس کے دل میں اثر کیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنیں۔ اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ گاؤں کے اکثر و بیشتر لوگ بھی حضرت شیخ کے ہاتھ توبہ کرنے جمع ہو گئے نمبردار سوچ رہا تھا کہ آیا اُس کی والدہ کی چوڑیاں کی رقم سے کتنا خرچ ہو گیا ہے۔ جب سارے پیسے ختم ہو گئے تو حضرت

نے فوراً اعلان کیا۔ کہ میرے گھوڑے پر زین رکھو اور روانہ ہونے کے انتظامات کرو۔ مزدار نے بار بار التجا کی کہ ایک دو دن مزید قیام کریں۔ مگر حضرت نے اُس کی بات نہ مانی اور روانہ ہو گئے۔

ایک عرصہ کے بعد نظام الملک نے رفیقان گاؤں کو خرید لیا۔ اور سارا گاؤں حضرت شیخ کے بیٹوں کو ہبہ کر دیا کہ یہاں دینی علوم اور خانقاہ کے اخراجات چلائیں۔ آج (تصنیف، کتاب کے وقت) یہ گاؤں حضرت شیخ کے فرزند ما استاد ابو احمد جو ہمارے دوسری ماں کے بیٹے ہیں۔ کے پاس وقف ہے۔ اور وہ یہاں قیام پذیر ہیں۔

جناب عمر شوکانی بیان کرتے ہیں کہ حمزہ نامی درویش تھا۔ حضرت شیخ کا مرید تھا وہ کاری گر تھا۔ مگر بڑا پیارا آدمی تھا۔ دل میں محبت کے جذبات رکھتا تھا۔ آنکھیں تر رہتیں اور اکثر اوقات حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں حاضر رہتا۔ سحری کے وقت گھر سے باہر آتا۔ اسی وقت حضرت شیخ اپنے صومعہ سے نکل کر نماز تہجد ادا کرتے حضرت صبح کی نماز کے بعد مجلس وعظ میں تشریف لاتے تو حمزہ پہلے ہی موجود ہوتا۔ مجلس ختم ہوتی تو حمزہ بھی چلا جاتا۔ کوئی ایسی مجلس نہ ہوتی جس سے وہ غیر حاضر ہوتا حضرت شیخ بھی اسی درویش پر نگاہ شفقت فرمایا کرتے ایک دن میہنہ میں شیخ کی مجلس میں آ رہا تھا۔ اس کے پاس سونے کی ایک تھیلی تھی۔ دل میں خیال آیا۔ اگر یہ سونا مجلس میں لے گیا اور حضرت کی مجلس میں کسی سائل نے سوال کر دیا۔ تو حضرت نے اسی وقت مجھے حکم دینا ہے کہ یہ سونا اسی سائل کو دے دو چنانچہ اسے کسی دیوار کے نیچے رکھ کر مجلس میں جانا چاہیئے۔ اس نے ایک شکستہ دیوار دیکھی اس میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور مجلس میں حاضر ہوا۔ حضرت تقریباً آدھی مجلس کر چکے تھے۔ تو حمزہ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ حمزہ اٹھو! اس دیوار کے نیچے سونا چھپا آئے تھے۔ چور لئے جا رہا ہے۔ حمزہ مجلس سے اٹھا اور دیوار کی طرف دوڑا۔ دیکھا تو واقعی ایک چور اس دیوار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ نزدیک پہنچ کر وہ سونا اٹھا لیا۔ اور

اسے اٹھا کر حضرت کی خدمت میں لے آیا۔

اس دن کے بعد یوں ہوتا کہ جب تک حضرت کی خدمت میں نہ آتا اسے چین نہ آتا۔ گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر حضرت کا مستقل درویش بن گیا۔ زندگی بھر حضرت کی خدمت میں رہا مرنے کے بعد وہیں دفن ہوا۔ آج تک اس کی قبر زیارت گاہ عوام ہے

نظام الملک طوسی خانقاہ شیخ میں :- نظام الملک طوسی نے اپنی ابتدائی زندگی میں اصفہان شہر میں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی تو امیر سید محمد کو خانقاہ کی خدمت پر مامور کیا۔ یہ ایک بڑا عالم فاضل علوی سید تھا۔ اس خانقاہ میں سال کے بعد تمام اسلامی ممالک کے علماء و فضلا سادات کرام اور صوفیہ عظام اور اصحاب ذکر و ارباب فکر جمع ہوا کرتے تھے۔ رجب کے مہینہ میں نظام الملک خانقاہ کے ناظم سید محمد کو بلاتے اور کہتے ان بزرگوں کی ضروریات دریافت کر کے بتائیں۔ اس طرح جو جو مطالبات کرتے نظام الملک انہیں بطریق احسن پورا کر کے ان حضرات کو روانہ کرتے تھے اور اس طرح یہ حضرات بھی نظام الملک کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے۔

ایک بار رجب کا مہینہ آیا۔ شعبان گزر گیا رمضان آیا۔ مگر کسی شخص کی کوئی حاجت پوری نہ ہو سکی۔ اور نہ ہی کسی کو بلایا۔ نہ ان کے حال پر توجہ دی۔ اس موضوع پر مختلف حضرات گفتگو کرنے لگے۔ کہ نظام الملک کو کس پریشانی نے آلیا ہے کہ وہ اس کار خیر سے رک گیا ہے بعض حضرات کو شک گزرا کہ کسی شخص نے ان کے بارے میں بدگمانی پیدا کر دی ہے۔ رمضان گزر گیا۔ شوال آگیا نظام الملک نے سید محمد کو کہلا بھیجا کہ ان بزرگوں سے کم از کم دس حضرات کو میرے پاس بھیجا جائیں ان سے بعض امور پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سید محمد کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو ان بزرگوں میں سے دس صوفیہ کو لے کر نماز عشاء کے بعد نظام الملک کے پاس پہنچے۔ دل میں ڈر تھا۔ کہ خدا معلوم کیا کہتے ہیں۔ اندر گئے تو اس وقت نظام الملک مصلی

پر کھڑے نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ شمع اس کے سامنے روشن تھی۔ سلام کیا بڑی عزت سے پیش آئے اور فرمانے لگے آپ شاید نہیں جانتے میں اپنی ابتدائی عمر میں علم دین کی تحصیل میں مصروف رہا۔ میں اپنی خواہش اور طلب کے مطابق علم دین حاصل نہ کر سکا۔ میں نے اپنے والد کو کہا مجھے مرو میں بھیج دیں۔ وہاں تحصیل علم میں آسانی رہے گی میرے والد رضا مند ہو گئے۔ ایک غلام ایک خچر اور زاد راہ مجھے دیا۔ اور کہا کہ جب قافلہ میں شریک ہو جاؤ۔ تو قافلہ والوں سے اجازت لے کر راستہ میں ایک دن کے لئے میہنہ میں جانا۔ وہاں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں حاضر ہونا۔ اور یاد رکھنا کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اور کیا کہتے ہیں؟ ان سے دعا بھی طلب کرنا۔

ہمارا قافلہ باز جاہ کے مقام پہ پہنچا۔ میں نے قافلے والوں کو کہا۔ کہ مجھے ایک دن کے لئے حضرت شیخ کی زیارت کی اجازت دی جائے وہ مان گئے۔ میں علی الصباح میہنہ پہنچا۔ میری نگاہیں میہنہ پہ پڑیں۔ اِدھر اُدھر کی ساری وادی نیلگوں نظر آئی حد نگاہ تک نیلی پوش صوفیا نظر آئے۔ صوفیوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں نیلے لباس میں دکھائی دیں۔ میں حیران ہوا۔ کہ اتنے لوگ بیک وقت ایک ہی لباس میں کہاں سے آ گئے پھر ساری وادی میں مجلسیں لگائے بیٹھے ہیں۔ میں جس مجمع کے پاس سے گزرتا۔ وہ لوگ مجھے دیکھ کر اٹھتے۔ اور میری طرف آتے اور ایک ایک سلام کہتا۔ گلے لگاتے۔ معانقہ کرتے۔ اور واپس چلے جاتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ آج ہمارے شیخ نے بتایا تھا۔ کہ جس شخص نے ایک ایسے نوجوان کو دیکھنا ہو جس نے دنیا پہ حکمرانی کرنی ہے اور عاقبت کو سنوارنا ہے وہ ازجاہ کے راستہ پہ پہنچ کر اس کا استقبال کرے ہم اسی لئے استقبال کو آئے ہیں۔

ان کی یہ بات سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ایک مجمع مجھے حضرت شیخ کی خدمت میں لے گیا۔ سلام پیش کیا۔ دست بوسی کی حضرت شیخ نے مجھے دیکھا۔ فرمایا

بیٹا مرحبا! تمہیں مبارک ہو! دنیا کی سرداری تمہیں مل گئی ہے! تم آگے بڑھو۔ وقت تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم جس راستے پر جا رہے ہو وہاں سے تو تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ تمہارے فیض سے بے پناہ طلبہ علم دین فیض یاب ہوں گے۔ اور ان دین والوں کے مقاصد پورے ہوں گے۔ آج میرے ساتھ وعدہ کرو۔ کہ تم زندگی بھر طالب علموں سے رعایت کرو گے اور محبت سے پیش آؤ گے۔ نظام الملک نے کہا حضرت جس طرح آپ نے فرمایا ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں ان لوگوں کے پاؤں کے نیچے آنکھیں بچھا دوں گا۔ سر جھکا دیا۔ اور دیر تک از رہِ تعظیم کھڑا رہا حضرت نے پھر سر اٹھایا۔ اور فرمایا بیٹے ابھی تک کھڑے ہو؟ میں نے کہا حضرت مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ آپ نے اجازت دی۔ میں نے کہا حضرت جس واقعہ کی آپ بشارت دے رہے ہیں۔ اُس کی کوئی علامت یا بشارت ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک وقت آئے گا۔ کہ اس نیک کام کی توفیق تم سے چھین لی جائے گی۔ یہ تمہاری عمر کا آخریں دَور ہوگا۔"

نظام الملک یہ بات سنانے کے بعد رو دیئے اور کہا حضرات آپ یقین جانیں کہ رجب سے لے کر آج تک میں نے بارہا کوشش کی ہے کہ حسب سابق آپ کی ضروریات کو پورا کروں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق چھین لی گئی ہے۔ آج تیس دن ہوئے ہیں۔ کہ میں آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خود آنا چاہتا تھا۔ کہ تیس دن سے اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکا ہر رات نماز پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے رَو رَو کر دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے ان خدمات کی توفیق دے مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں عمر کے آخریں دَور میں پہنچ چکا ہوں اور غالبًا حضرت شیخ کی بات پوری ہونے والی ہے۔ اس کے بعد نظام الملک نے سید مہدی کو حکم دیا کل عید الفطر کی نماز پڑھو۔ تو فوری طور پر سب سے پہلے یہ کام کرو کہ ان تمام حضرات کو خزانے کے دروازے پر لے جانا۔ اور ہر ایک کی ضروریات کو پورا کرنا اب دیر نہ ہو۔ اختیار نامہ اور حکم نامہ بھی لکھ دیا۔ سید محمد فرماتے ہیں کہ دوسرے دن نماز عید ادا کرنے کے بعد سلطان سلجوقی تو فوراً کوچ کر گیا۔ مگر نظام الملک تین دن تک وہاں ہی رہا

میں نے حسب الحکم تمام حضرات کی ضروریات کو پورا کیا۔ نقد روپیہ خزانے سے لیا۔ اور تمام کو بانٹا گیا۔ چوتھے دن نظام الملک روانہ ہوئے۔ بادشاہ کے لشکر کے پیچھے جارہے تھے۔ نہاوند پہنچے تو ایک ملحد (باطنی) نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر کے شہید کردیا[1]۔ اور تمام لوگ آپ کی شخصیتوں سے محروم کر دیئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

دیواریں جھاڑا کریں:۔ خواجہ امام ابوعلی فارمدی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں

---

[1] :۔ نظام الملک رحمۃ اللہ علیہ جس پایہ کا وزیر تھا۔ تاریخ اسلام میں برامکہ کے علاوہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے تیس سال تک اس شان و شکوہ سے وزارت کے منصب کو بنا ہا کہ اس کے سامنے برامکہ کی داستانیں ماند پڑ گئیں۔ ملک شاہی دور کی ساری درخشانی نظام الملک کی ضیا پاشیوں کا نتیجہ تھی۔ اور خاندان سلجوق کا سارا عدالتی نظام اسی وزیر کی تدبیر کا رہون منت تھا۔ نظام الملک کا پورا نام و نسب ابوعلی حسن بن علی نظام الملک رضی امیرالمومنین تھا۔ باپ طوس کا معمولی زمیندار تھا۔ ۴۰۸ھ میں ولادت ہوئی۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ نو عمر میں فقہ حدیث ریاضی اور مروجہ علوم پر عبور حاصل کیا۔ والی بلخ کی ملازمت کی۔ پھر الپ ارسلان کے والد جعفری کے پاس مرو میں پہنچے۔ اس نے اس جوہر قابل کو چمکنے کا موقع دیا۔ الپ ارسلان نے اپنا کاتب بنایا۔ الپ ارسلان کے اتنا قریب ہوئے کہ قلمدان وزارت حاصل کیا۔ زمانہ وزارت میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ ملک شاہ سلجوقی نے تخت نشین ہوتے ہی نظام الملک کو اور بلند مرتبت بنا دیا۔ ملک شاہی دور ہی نظام الملک کا زریں دور ہے۔

نظام الملک نے اس وسیع ترین سلطنت اسلامیہ میں علم و فضل کے دریا بہا دیئے اس کی علم پروری علما نوازی اور اقوام مشائخ ضرب المثل ہے۔ اس کی مجالس فقہا۔ آئمہ۔ اور اصحاب خیر و صلاح سے معمور رہتیں ہوتیں۔ شیخ ابواسحق شیرازی۔ ابوالقاسم قشیری اور ابوعلی فارمدی جیسے مشاہیر اسلام ان کی مجالس کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ وہ ان کے سامنے دو زانو بیٹھتا۔ اس نے علم و فن کی اشاعت میں بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ دینی علوم کی درسگاہیں تمام ممالک میں قائم کیں۔ مدرسہ نظامیہ لاکھوں روپے سے قائم کیا۔ اور ہر سال اس دارالعلوم پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتا۔ رمضان المبارک ۴۸۵ھ میں ایک باطنی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حاضر ہوا۔ تو آپ نے مجھے بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کا عادی بنا دیا۔ اس طرح میں عبادت کے معاملہ میں بڑا مہذب اور مؤدب ہو گیا آپ نے مجھے ابوبکر عبداللہ کے ساتھ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میہنہ میں بھیجا۔ ہم میہنہ پہنچے نوافل ادا کیے سنتیں پڑھیں۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ نے حسن مؤدب کو حکم دیا کہ ایک جھاڑو لاؤ۔ وہ لے کر آیا تو آپ نے مجھے دے کر فرمایا۔ اس سے دیواروں کو جھاڑا کرو۔ ابوبکر عبداللہ کو کہا کہ تم درویشوں کے جوتے سیدھے کیا کرو۔ ہم تین دن رہے اور یہ کام کرتے رہے چوتھے دن حضرت نے ہمیں بلایا اور کہا اب تم حضرت ابوالقاسم گورگانی کی خدمت میں چلے جاؤ۔ ہم واپس آ گئے۔ ایک عرصہ گزر گیا ہے یہ دونوں بزرگ اس دنیا سے رخصت بھی ہو گئے لیکن آج میری شہرت کا یہ عالم ہے کہ دنیائے اسلام کے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ مریدوں کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ شیخ ابوبکر عبداللہ کو اس قدر شہرت اور مشہوری نہ مل سکی۔ ایک دن حضرت ابوبکر عبداللہ نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بوعلی کو کہا تھا۔ کہ دیواروں کو جھاڑتے رہو۔ اس طرح آپ ساری زندگی لوگوں کے دلوں کی دیواروں کو صاف کرتے رہے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ درویشوں کے جوتے سیدھے کرتے رہو۔ میں ساری عمر جوتوں میں بسر کر دی۔ نہ کسی نے مجھے پہچانا نہ کسی نے میری شہرت سنی!

گر شیر شوی از دستِ ماجاں نبری: امیر مسعود دنیائے اسلام کے معروف اور طاقتور بادشاہ ہوئے ہیں اپنے زمانہ میں اس کا ثانی نہیں تھا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ قرضہ میں زیر بار ہو گئے تو آپ نے حسن مؤدب کو اس کے پاس بھیجا کہ درویشوں کو قرضے کے بوجھ سے نجات دلائی جائے حسن اس کے پاس گئے سلام پہنچایا۔ تو اس نے بڑے آداب کا اظہار کیا۔ بڑی رعایات کیں۔ اور کہا ہم نے حضرت کے دل کا بوجھ اتار دیا ہے حسن دوبارہ گیا مگر اس نے ٹال دیا۔ کئی بار گیا۔ مگر وہ وعدہ فردا پر ٹالتا گیا۔ آخر کار حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ نے حسن مؤدب کو یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

گر آنچہ بگفتہ بپایاں بری — گر شیر شوی از دست ماجاں نبری

(اگر تم اپنے وعدہ کو پورا نہیں کرو گے۔ اگر تم شیر بھی ہو گے مگر ہمارے ہاتھ سے بچ کر نہ جاؤ گے)

حسن موّدب نے یہ کاغذ مسعود کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے پڑھا۔ غصّے سے لال ہو گیا اور کہنے لگا یہ کیا دھمکی ہوئی! حسن کو وہاں سے اٹھا دیا۔ اور خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ حسن نے ساری صورت حال حضرت شیخ کی خدمت میں بیان کر دی۔

مسعود کا مشغلہ تھا کہ اس نے غورستان کے بڑے بڑے کتے پال رکھے تھے یہ کتے جسے پکڑ لیتے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ دن کو زنجیروں میں جکڑے رہتے مگر رات کے وقت انہیں کھول دیا جاتا۔ وہ خیمہ کے ارد گرد گھومتے رہتے کسی کو جرات نہ ہوتی کہ خیمہ کے پاس پھٹکتا ایک رات خدا معلوم مسعود کے دل میں کیوں خیال آیا۔ کہ وہ رات کی تنہائی میں اٹھ کر لشکر اور کمانڈروں کو خفیہ طور پر دیکھے آدھی رات کو اٹھا۔ پوستین اوڑھی۔ بال بکھیر لئے تاکہ اسے کوئی شخص پہنچان نہ سکے۔ اس وقت اس کے تمام حاشیہ بردار اور غلام سو رہے تھے خیمہ سے نکلا۔ ابھی چند قدم باہر گیا ہی تھا کہ کتوں نے اسے نہ پہنچانا۔ دوڑ کر جھپٹے۔ وہ چیخا۔ چلایا تو نوکر اور خادم اٹھ کر دوڑے دائیں بائیں سے جمع ہو گئے۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے کتوں نے اسے چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا العیاذ باللہ۔

شیخ عبدالصمد بن محمد الصوفی السرخسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ تک حضرت کی مجلس سے دُور رہا۔ مجھے بڑا افسوس تھا۔ کہ میں ان فوائد روحانی سے محروم ہوں جو آپ کی مجلس سے ملتے تھے۔ میں میہنہ میں پہنچا۔ تو اس وقت حضرت شیخ مجلس میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی فرمایا۔ عبدالصمد۔ فکر نہ کرو۔ اگر تم دس سال بھی ہماری مجلس سے دُور رہو گے۔ تو ہم صرف ایک لفظ ہی کہیں گے۔ اور وہ ایک نقطہ ناخن پر لکھا جا سکتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ

کا ناخن آگے بڑھایا فرمایا۔ وہ لفظ یہ ہے ذَبْحُ النَّفْسِ وَاِلَّا فَلَاءِ۔ (نفس کو مار دو اور پرواہ نہ کرو) میں نے یہ بات سنی تو رقت میں آگیا۔ فریاد نکلی اور زمین پر گر پڑا۔

آہوانِ صحرا سر خود نہاد بر کف :- ایک بار ایسا موقعہ آیا۔ کہ کئی روز تک خانقاہ کے مطبخ میں گوشت نہ پک سکا درویشوں اور صوفیوں کو بڑی تشویش تھی۔ حسن مؤدب کو تقاضا کرنے لگے۔ مگر اس کی ہمت نہ تھی کہ گوشت مہیا کر سکے۔ ایک دن حضرت شیخ خانقاہ سے باہر نکلے۔ تمام صوفیہ اور درویش بھی آپ کے ساتھ ہو لئے۔ مرو کے راستہ چل پڑے اور میلنہہ سے دُور صحرا میں جا نکلے۔ ایک اونچی پہاڑی پر جا پہنچے (ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کہ شیخ پر صورت انقباض وارد ہوتی تو آپ مرو کے راستہ بیابان میں چلے جاتے تھے) حضرت وہاں ہی کھڑے ہو گئے تھوڑی دیر گزری تو ایک ہرنی دوڑتی ہوئی آئی اور شیخ کے سامنے زمین پر لیٹنے لگی حضرت شیخ اس کی بیچارگی دیکھ کر رونے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا!! یہ ہرنی اسی طرح زمین پر لیٹ رہی تھی۔ حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ تم جانتے ہو یہ ہرنی کیا کہتی ہے؟ وہ کہتی ہے۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ درویشوں پر قربان ہو جاؤں تاکہ آپ کے درویش خوش ہو جائیں۔ ہم نے اسے بارہا کہا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہارے بچے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ بار بار التجا کرتی ہے کہ میں آپ کے دوستوں پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شیخ اور تمام صوفیا رونے لگے ان پر رقت طاری ہو گئی اور نعرے مارنے لگے مگر وہ ہرنی اسی طرح زمین پر لوٹتی تھی اور بار بار نظروں سے دیکھتی تھی۔ حضرت شیخ نے حکم دیا۔ کہ ہرنی کو اٹھا کر قصاب کی دکان پر بھیج دیا جائے۔ حسن کو کہا کہ قصاب کو کہنا کہ تیز چھری سے ذبح کرے اسے تکلیف نہ ہو۔ رات کو سارے درویشوں نے ہرنی کے گوشت سے دعوت حاصل کی۔

خُلق کے ثمرات :- خواجہ بو علی نارمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت

شیخ اور ہم لوگ طوس سے میئنہ کی طرف آرہے تھے۔ بہت سے درویش ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک پہاڑی علاقہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ راستہ میں کھڑا ہے ہم سب ڈر گئے۔ اِدھر اُدھر بھاگے۔ مگر حضرت شیخ اپنے گھوڑے پر اسی طرح سوار تھے۔ شیخ گھوڑے سے اتر آئے سانپ آپ کے سامنے زمین پر لیٹ رہا تھا میں حضرت شیخ کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے بڑی تکلیف کی۔ اب جاؤ یہ سنتے ہی سانپ جنگل کی طرف چلا گیا۔ تمام درویش پھر جمع ہوئے۔ پوچھنے لگے حضرت یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا کئی سال ہم دونوں ان پہاڑوں میں اکٹھے رہتے رہے ہیں یہ میرا ساتھی تھا ایک دوسرے کے تعلقات اچھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اب اسے خبر ملی۔ کہ میں ادھر سے گزر رہا ہوں تو ان یادوں کو تازہ کرنے کے لئے راستہ میں آ بیٹھا تھا اِنّ حُسْنَ الْعَہْدَ مِنَ الْاِیمان ط (اچھا عہد ایمان کی علامت ہوتی ہے) پھر حضرت نے فرمایا جس کا خُلق اچھا ہو ہر چند اس سے اچھے خلق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ خلیق تھے آگ بھی اُن سے خُلق سے پیش آئی۔

ایک دن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ میئنہ میں مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ ایک درویش اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے ایک سیر گوشت دیں۔ ایک ترک مجلس میں بیٹھا تھا کہنے لگا۔ میں دیتا ہوں مجلس ختم ہوئی۔ تو وہ شخص حضرت کے پاس آیا۔ سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا۔ بھائی۔ تم گوشت کا کیا کرو گے۔ کیا میں اس سے شوربا تیار کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تھوڑے سے شوربے کے لئے تم نے اتنا شور مچایا ہے ترک نے گوشت لا دیا۔ اور وہ لے کر گھر چلا گیا۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بیگانہ مرد اس کی بیوی کے ساتھ حالت غیر میں بیٹھا ہے درویش برداشت نہ کر سکا۔ چھری لے کر دونوں کو قتل کر دیا۔ اور گوشت وہاں ہی پھینک کر بھاگ گیا۔

میں نے حضرت مالکانی رحمۃ اللہ علیہ کی قلم سے لکھا ہوا دیکھا۔ کہ لکھا تھا کہ ایک بار ایک عورت حضرت شیخ کی مجلس میں بیٹھی تھی کہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس وقت وہ کوٹھے کی

چھت پر تھی۔ نیچے گری۔ شیخ نے ایک نگاہ ڈالی تو وہ زمین پر آنے کی بجائے دیوار کے ساتھ لٹک گئی دوسری عورتوں نے اسے پکڑ کر کھینچا۔ اور اس طرح وہ بچ گئی۔ دیکھا تو دیوار میں ایک میخ گڑھی ہوئی تھی۔ جس سے اس کے کپڑے اُلجھ گئے تھے۔

میں نے اشرف ابوالیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا

درزی اور جولاہا:- ہے کہ ایک بار ایک درزی اور ایک جولاہا جو حضرت کی کرامات کے منکر تھے۔ باہم دوست تھے وہ جب بھی بیٹھتے حضرت کے متعلق کہتے کہ شیخ کی باتوں میں حقیقت نہیں ہے ایک دن دونوں نے مشورہ کیا۔ کہ یہ شخص کرامات کے دعوے کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ یہ معلوم کرلے کہ ہم کون ہیں تو ہم اسے ولی اللہ مان لیں گے دونوں حضرت کی مجلس میں آئے حضرت نے دونوں کو مجمع میں دیکھا تو فرمایا۔

بر فلک ہر دو مرد پیشہ ورانند ذاں یکے درزی و دیگر جولاہا

اشارہ درزی کی طرف کیا۔ اور فرمایا۔ یہ درزی اب بادشاہوں کا لباس تیار کیا کرے گا پھر جولاہے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ شخص اب سیاہ گدڑی بُنا کرے گا۔ دونوں نے سنا تو بڑے شرمندہ ہوئے۔ اور انکار کرامات سے تائب ہوگئے۔

خواجہ عمادالدین محمد بن العباس

ایک بال دنیا و آخرت سے محبوب ہے:- رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سات سال کا تھا۔ میں نے اپنے والد سے سُنا جنہوں نے فرمایا کہ حضرت خواجہ حمویہ رئیس میہنہ کی بیٹی نے بتایا تھا کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ میہنہ میں مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اس دن سرخ صوف کا خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر سفید پگڑی تھی۔ چہرہ سفید سُرخ تھا۔ میں آپ کے چہرے اور لباس کو بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا یا اللہ دنیا میں آج شیخ کا کوئی ثانی ہے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا تو شیخ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم جو کچھ سوچ رہی ہو۔ اگر اسے دیکھنا چاہتی ہو تو غور

سے دیکھو۔ ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جو دروازے کے باہر تھا۔ میں نے دیکھا تو درخت کے نیچے ایک خوش شکل نوجوان کھڑا تھا۔ کالا رنگ۔ خشک اور بے رنگ چہرہ۔ اور ضعیف و نزار شیخ کے بالکل برعکس وہ کھڑا کھڑا حضرت شیخ کی باتیں سننے میں محو تھا۔ میں اس کو دیکھ رہی تھی کہ اس نوجوان میں بھلا کیا خوبی ہے جس کے لئے شیخ نے میری توجہ دلائی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ حضرت نے فرمایا ہوش کرو۔ میں نے ہوش سنبھالا تو آپ نے فرمایا جس نوجوان کو تم دیکھ رہی ہو۔ اس کے بالوں کی ایک تار اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا و آخرت سے زیادہ محبوب ہے۔ ظاہریت پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔!

خواجہ امام عماد الدین محمد فرماتے ہیں۔

بخاری شریف کی آخریں حدیث :- ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ وعظ

فرما رہے تھے۔ خواجہ حسن سمرقندی مجلس میں آئے۔ حضرت شیخ کی باتیں سننے لگے۔ دل میں کہا کہ یہ کیا بات ہے جو شیخ کہتے ہیں؟ اسی وقت حضرت نے اس کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ خواجہ آپ نے پندرہ بار صحیح بخاری پڑھی ہے۔ بخاری شریف کی آخریں حدیث کون سی ہے خواجہ حسن نے واقعی صحیح بخاری کو پندراں بار پڑھا تھا۔ مگر دماغ پر زور ڈالنے کے باوجود حدیث نہ بتا سکے۔ آپ نے فرمایا۔ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ خواجہ امام حسن نہایت شرمندہ ہوئے اور دل ہی دل میں نادم تھے۔ جب باہر آئے تو کہنے لگے۔ میں نے پندراں بار بخاری شریف پڑھی اور اسے زبانی یاد کیا لیکن یہ حدیث مجھے یاد نہ آئی۔

خواجہ عماد الدین محمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد امجد استاد ابوبکر توقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ خواجہ حمویہ اور رئیس تینوں میںنہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ختن کا ایک نوجوان آیا کہنے لگا۔ رئیس میںنہ کون ہیں حضرت شیخ نے خواجہ حمویہ کی طرف اشارہ کیا۔ نوجوان کہنے لگا مجھے اسلام سکھاؤ خواجہ حمویہ نے حضرت شیخ کو کہا ۔ت

آپ اسے اسلام پیش کریں۔ میں نے کہا۔ اتنی دیر نہ کریں۔ اس نوجوان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے اسلام سے روشناس کریں۔ حضرت شیخ نے مجھے حکم دیا۔ کہ تم ہی اسے کلمہ پڑھا دو۔ میں نے اسے کلمہ پڑھایا۔ وہ نوجوان مسلمان ہوگیا۔ میں نے اسے پوچھا کہ اب بتاؤ کیا معاملہ ہے کہ تم اسلام لانے کے لیے اتنے بے تاب ہو۔ کہنے لگا۔ ہم دو بھائی ہیں بغرض تجارت ختن سے طبرستان آئے۔ ایک رات مجھے خواب میں کسی نے حکم دیا۔ کہ میں اسلام قبول کروں۔ اور میہنہ کے مہتر یا رئیس کے ہاتھوں دولتِ اسلام حاصل کروں۔ میں اٹھا۔ تو اسی دن سے ارادہ کر لیا کہ مسلمان ہوں گا۔ جب میں دریائے دجلہ کے طرف آیا۔ میرا دل تجارت سے اچاٹ ہوگیا دنیا کی طلب سے ٹھنڈا ہوگیا اور صرف دولت اسلام کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا خواب سچا تھا۔ میں نے اپنے بھائی کو مال تجارت دے دیا۔ اور خود تارک الدنیا ہوگیا۔ آج اللہ نے مہربانی کی کہ آپ کے ہاتھوں دولت اسلام پالی ہے۔

حضرت شیخ نے مجھے پھر حکم دیا۔ کہ اسے قرآن پاک کی چند سورتیں یاد کرا دوں تاکہ اسے نماز پڑھنے میں سہولت ہو۔ میں نے اس نوجوان کو سورۃ والضحیٰ تک آخری سورتیں زبانی یاد کرا دیں۔ اسی اثنا میں خواجہ حمویہ اپنے گھر چلے گئے اور گھر سے ایک پگڑی۔ کرتہ ازار بند۔ موزے کمر بند غرضیکہ پورا لباس بھیجا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے یہ ساری چیزیں اٹھائیں اور حسن مؤدب کو بلا کر کہا۔ انہیں بازار میں فروخت کرآؤ۔ اس نوجوان کے اسلام لانے کی خوشی میں تمام درویشوں کی دعوت کرو۔ اسے نہلاؤ۔ اور نیا لباس پہناؤ۔ وہ شخص چند دن حضرت کی تربیت میں رہا اور پاک بازوں میں شمار ہونے لگا۔

خواجہ عبدالکریم جو حضرت شیخ کے خاص الخاص خادم تھے نے بتایا۔ کہ ایک دن مجھے ایک درویش نے بٹھا کر کہا کہ میں حضرت شیخ کی زندگی کے چند واقعات لکھ دوں۔

کوئی شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ حضرتِ شیخ نے یاد فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیا کر رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ ایک درویش آپ کی زندگی کے چند واقعات لکھ رہا تھا۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا۔ عبدالکریم داستان نویس نہ بنو۔ بلکہ یوں زندگی بسر کرو کہ لوگ تمہاری داستانیں یاد کریں۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ ایک تو یہ بات تھی کہ حضرت نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ خواجہ عبدالکریم کیا کر رہے ہیں دوسرے اسے تادیب کی کہ یوں کرو اور یوں رہو۔ تیسرے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کرامات اور حالات لکھے جائیں اور لوگوں میں مشہور کی جائیں چنانچہ اس راقم کتاب نے ابتدائی حصے میں لکھا ہے کہ بزرگان دین اپنے حالات کو پردۂ گمنامی میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔

قوتِ برداشت کی تربیت :-

اجاہ میں ایک حمزہ سکاک نامی درویش رہتا تھا۔ وہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کا مرید تھا۔ وہ حضرت شیخ کی مجالس میں حاضر نہ ہوتا تھا لیکن جمعرات کو اہتمام سے حاضری دیتا پھر جمعرات اور جمعہ کی ساری مجالس میں شرکت کرتا۔ حضرت کے پیچھے نماز جمعہ ادا کر کے پھر چلا جاتا تھا حمزہ حضرت کی نگاہوں میں بھی بڑا عزیز و محترم تھا مگر اس میں ایک عادت تھی کہ حضرت کے درویشوں پر درشتی کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت کی مسجد میں درویش بیٹھے تھے۔ حمزہ بھی مسجد میں آیا۔ اور مسجد کے دروازہ کو بڑے زور سے بند کیا۔ تمام درویشوں کو اس حرکت سے سخت تکلیف ہوئی حضرت نے بھی اسے ناپسند فرمایا۔ آپ خلاف معمول مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر تمام لوگوں میں ایک قسم کا اضطراب اور گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اور سب نے مل کر حمزہ کی شکایت کی کہ یہ شخص ہمیں بڑا تنگ کرتا ہے۔ شیخ نے حکم دیا حمزہ کو بلاؤ اس وقت حمزہ بازار چلا گیا تھا۔ لوگ اس کے پیچھے گئے اور اسے بلا لائے۔ آپ نے فرمایا۔ حمزہ درویشوں کو تم سے شکایت ہے۔ کہ تم ان کے آرام میں مخل ہوتے ہو۔ اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ حمزہ کہنے لگا حضرت جب یہ لوگ حمزہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے

تو انہیں بار برداری کے کپڑے اتار دینا چاہیئے حضرت اس وقت بڑے اچھے مزاج میں تھے نعرہ مارا۔ اور کہا حمزہ پھر کہو۔ پھر کہو! حمزہ نے پھر کہا۔ حضرت شیخ نے پھر نعرہ مارا اور کہا حمزہ پھر کہو! حمزہ نے تیسری بار کہا حضرت نے پھر نعرہ بلند کیا۔ اور حسن مؤدب کو کہا۔ اٹھو۔ اور شکر لے کر آؤ حسن شکر کا ایک طبق بھر لائے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حمزہ کے سر پر چھاور کرنا شروع کی اور اسی طرح نعرے مارتے گئے۔ اور کہتے گئے مَنْ لَمْ یطیق احتمال الاذی فعلیہ ان ینزع ثوب الحمالین جو دوسروں کی تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ انہیں مردوں کے کپڑے اتار دینا چاہیئے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ بارود کے راستہ سے سفر فرما رہے تھے۔ وہاں ایک عارف باللہ رہا کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی حضرت اگر آپ بارود میں چند روز قیام فرمائیں تو آپ کی کتنی مہربانی ہو گی۔ یہاں کے لوگوں کو بھی آپ کے فیضان سے کچھ حصہ مل سکے۔ حضرت نے اس کی بات مان لی۔ آپ تیس ۳۰ دن قیام فرما رہے۔ یہ عارف ہر روز ایک دینار حسن مؤدب کو دیتے اور کہتے کہ درویشوں کے لئے کھانا تیار کرو۔ حسن خرچ کرتے جاتے۔ لوگوں کو اعتراض تھا آیا یہ دینار حلال کی کمائی ہے۔ کیونکہ ظاہراً وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کی بات سنتے مگر خاموش رہتے۔ تیس دن گزر رہے۔ تو شیخ نے آگے جانے کا ارادہ کیا اور لوگوں نے کہا کہ ہمارے میزبان کو بلایا جائے۔ جب آئے کہ آپ نے درویشوں پر جو کچھ خرچ کیا ہے۔ کہاں سے آیا تھا۔ اس نے کہا۔ میری دادی نے اپنے ورثے سے دیا تھا یہ میری حلال کی میراث تھی۔ دادی کے اس ہار میں سونے کے تیس دانے تھے۔ ہر روز ایک ایک دانہ خرچ کرتا رہا ہوں۔ آج یہ دانے ختم ہو گئے۔ اور حضرت نے سفر کا آغاز کر لیا ہے۔ اس کی بات سن کر لوگوں کا شبہ جاتا رہا۔ اور حضرت کے حق میں عقیدت

زیادہ ہوگئی۔

یاد رہے کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کی ذات والا صفات کرامات کا ایک مجموعہ ہے ہم نے نہایت ایجاز اور اختصار سے ان کرامات اور واقعات کو بیان کیا ہے جو مستند اور تحقیق شدہ تھے۔ اور ہم نے ان کی چھان بین میں بڑی محنت کی ہے اگر لوگ ان واقعات سے استفادہ کریں گے تو یہ حضرت کی زندگی کے نورانی واقعات۔ کا عزیز عزیز پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس شیخ عالی مقام قدس سرہٗ کی برکات عالیہ تا قیام قیامت جاری اور ساری رکھے۔ بحق محمد وعترتہ الطاہرین ط



باب دوم

فصل دوم

حضرت شیخ ابوسعید کی زبانی مفید حکایات

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ وضو فرما رہے تھے آپ نے حسن مؤدب کو آواز دی اور کہا کہ ہمارے سر سے کپڑے ہٹا لو۔ اور درویشوں کے لئے کوئی میٹھی چیز تیار کرو۔ حسن مؤدب نے عرض کی حضرت آپ وضو سے فارغ ہولیں تو میں حکم بجا لاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نیکی کی تکمیل تک شیطان حملہ کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھو نیکی کا جب بھی خیال آئے اس میں جلدی کرنا چاہیئے اور پھر زندگی پر غرور نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ انبیاء کرام اور مشائخ کرام تک برگزیدہ لوگ بھی شیطان کے مکر و فریب سے محتاط رہے ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطَانُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ۔

ترجمہ :-

اور ہم آپ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی نبی ایسا آیا ہے۔
کہ جب اس نے کسی چیز کی خواہش کی ہو تو اسے شیطان اپنی مرضی کرے۔ پھر
وہ اللہ کا حکم بنا کر پیش کرے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے زمانے میں ایک درویش تھے وہ بڑی سخت اور دشوار خدمات سرانجام دیتے جہاں کہیں کوئی مشکل کام ہوتا وہ وہاں پہنچ جاتے ایک بار وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضرت میں یہ تمام مشکل کام اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہوں اس وقت وہ درویش ایک مکان کی تعمیر میں مصروف تھے اور گارے اور کیچڑ سے لت پت تھے کم از کم آپ میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تعریف تو کر دیں حضرت شیخ ان کی بات سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اس دن کے بعد حضرت اسے کوئی کام کرتے دیکھتے تو بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور اس کی تعریف کرتے جس سے وہ درویش بڑی راحت محسوس کرتا۔ اور اپنے اندر قوت کار میں اضافہ محسوس کرتا۔

اللہ کارساز ہے !:- جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہٗ طوس میں قیام فرما تھے ایک دن خواجہ امام ابوالحسن رومی کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

حضرت شیخ کے سامنے ایک مسئلہ تھا۔ جسے آپ حل کرنا چاہتے تھے۔ باتوں باتوں میں اس مسئلے کا حل نکل آیا۔ تو شیخ نے فرمایا: "ہمارا تو اللہ ہی کارساز ہے" اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ حضرت خواجہ امام ابوالحسن فرمانے لگے۔ حضرت ہمارے کام تو ابوعلی دادرگر کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ نہیں صرف بات اتنی ہے کہ آپ جب کام کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ میں نے یہ کام ایسے کیا۔ میں ایسا کرتا ہوں۔ ہمیں ایسا کرنا چاہیئے! آپ کے کام بھی اللہ ہی کرتا ہے۔ مگر آپ لوگ اپنے آپ کو درمیان میں رکھتے ہیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو درمیان میں نہیں لاتا۔

خواجہ امام مظفر حمدانی نے ایک دن فرمایا۔ کہ ہمارا معاملہ شیخ ابوسعید کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے پیمانہ اور دانہ ہو۔ شیخ کی حیثیت ایک دانہ ہے باقی ہم ہیں۔ حضرت بوسعید کے ایک مرید بھی اسی مجلس میں سن رہے تھے۔ غصہ کھا کر مجلس سے اُٹھ آئے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ امام مظفر سے جو کچھ سنا تھا۔ بیان کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جاؤ۔ اور امام مظفر کو کہو کہ وہ دانہ بھی تم ہی ہو۔ ہم تو کچھ بھی نہیں!

ادب اور احترام:۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ طوس میں تھے۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو استاد ابوبکر قدس سرہٗ آپ کو الوداع کہنے باہر آئے۔ حضرت آپ کو واپس جانے کا کہتے مگر وہ از رہِ ادب و خلوص واپس نہ جاتے۔ حضرت نے زور دے کر کہا۔ استاد اب واپس چلے جاؤ۔ وہ کہنے لگے۔ حضرت آپ جس راستہ پر چل پڑے ہیں میں اس سے واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تدبیر کی راہ سے اٹھ کر اب تقدیر کے راستے پر چلو۔!

حضرت شیخ قدس سرہٗ کا ایک نو عمر بچہ تھا۔ فوت ہو گیا۔ حضرت کو اس سے بڑا پیار تھا۔ قبرستان میں گئے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اتارا اور مٹی کے سپرد کر دیا۔ آپ قبر سے نکلے تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور یہ شعر زبان پر تھا۔

زشت باید دید وانگارید خوب　　　زہر باید خورد وانگارید قند

توسنی کردم ندانستم ہمے　　　کز کشیدن سخت تر گردد کمند

کچھ عرصہ کے بعد آپ کا ایک اور فرزند بھی فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا بہشت والوں نے ہم سے کچھ یادگاریں طلب کی تھیں۔ ہم نے پیشگی بھیج دیں۔ تاکہ ہم پہنچیں تو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک وہاں ہو۔

حضرت نیشاپور میں تھے۔ ایک دن حکم فرمایا گھوڑے پر زین کسیں۔ تاکہ باہر چلیں۔

گھوڑے پر زین رکھی گئی۔ حضرت روانہ ہوئے بہت سے لوگ خدمت میں موجود تھے نیشاپور سے کچھ دور ایک گاؤں تھا۔ وہاں پہنچے تو پوچھا اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا۔ "درِ دوست"۔ شیخ وہاں ہی قیام فرما ہوئے۔ دوسرے دن لوگوں نے کہا۔ حضرت اب واپس جانا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔ انسان بڑی منزلیں مار کر درِ دوست پر پہنچا ہے اب اس سے آگے ہم کہاں جائیں گے۔ چنانچہ آپ چالیس دن وہاں ہی رہے اس گاؤں کے لوگ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ کی برکات سے تمام تائب ہوئے۔ حضرت کے مرید ہو گئے اور حضرت نیشاپور آ گئے تو یہ لوگ وہاں بھی آتے رہے۔

ایک بار حضرت نے فصد کرایا۔ خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے حسن مودب سے پوچھا حسن کیا دیکھ رہے ہو حسن کہنے لگے۔

مردان جہان فصد کنند خون آید   تو فصد کنی و عشق تو بیرون آید

"دنیا کے لوگ تو فصد کراتے ہیں تو ان کا خون نکلتا ہے۔ مگر آپ نے فصد کرایا تو آپ کا عشق بہہ رہا ہے۔ آپ نے اسی وقت فصد کرنے والے کو بلایا۔ اور فرمایا۔ اسے بند کر دو۔ اسی وقت خون بند کر دیا گیا۔

ابو علی سینا حضرت شیخ کی مجلس میں:- ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ العزیز نیشاپور میں مجلس میں تشریف فرما تھے اسی دوران خواجہ بو علی سینا حضرت کی خانقاہ کے دروازے پر آئے دونوں حضرات نے اس سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا جب بو علی اندر آئے تو حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔ آج ہمارے پاس ایک حکمت دان آئے ہیں۔ بو علی سینا آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے مگر شیخ نے گفتگو جاری رکھی۔ مجلس ختم ہوئی۔ تو اپنے صومعہ میں چلے گئے بو علی سینا کو بھی اندر بلا لیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ تیس رات دن دونوں حضرات خلوت میں محو گفتگو رہے دونوں حضرات

نماز ادا کرنے کے علاوہ کبھی باہر نہ آئے تھے تین دن کے بعد بوعلی سینا نے اجازت لی اور چلے گئے۔ بوعلی سینا کے شاگردوں نے آپ سے پوچھا۔ ابوسعید ابی الخیر کیسے ہیں فرمایا: "جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ دیکھتے ہیں"۔ ادھر حضرت شیخ قدس سرہٗ کے مریدوں نے حضرت سے دریافت کیا حضرت یہ ابوعلی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا "جو کچھ وہ جانتے ہیں ہم دیکھتے ہیں"

اس دن سے شیخ بوعلی سینا کے دل میں حضرت شیخ ابوالخیر کے متعلق عقیدت کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ اکثر وبیشتر حضرت کی ملاقات کو آتا۔ اور کئی کرامات دیکھتا ایک دن اچانک نیشاپور میں حضرت کے پاس آگیا حضرت نے اس سے پہلے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا۔ کہ گھوڑے پر زین رکھیں ہم اندرزن جانا چاہتے ہیں (اندرزن کا گاؤں نیشاپور کے نزدیک ایک پہاڑ کے دامن میں ہے۔ جہاں حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی غار ہے) بوعلی سینا حضرت کو ملے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہم زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے بوعلی سینا نے کہا میں بھی چلوں گا۔ دونوں حضرات چل دیئے صوفیہ کی ایک بہت بڑی جماعت بھی ہمرکاب تھی۔ بوعلی سینا کے شاگردوں کا ایک خاص بڑا گروہ بھی ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں کئی جگہ کائی کے کانٹے پڑے دکھائی دیئے۔ حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ ایک کانا مجھے بھی اٹھا دو۔ پھر ایک ایسی وادی آئی۔ جہاں سخت پتھر تھے۔ حضرت شیخ اس کانٹے کو جس پتھر پر لگاتے پتھر میں سوراخ ہو جاتا۔ بوعلی سینا اور ان کے شاگرد دیکھ رہے تھے۔ بوعلی حضرت کے پاؤں میں گر گئے۔ لیکن اس وقت تک کسی کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ حکمت کا یہ امام کیوں گرا ہے لیکن اس دن سے بوعلی سینا حضرت کے ایسے مرید ہوئے کہ تقریباً ہر روز زیارت کو حاضر ہوتے اس دن کے بعد حکمت وعرفان پر جتنی کتابیں لکھیں اس میں ایک باب اولیا کرام کی کرامات کا لکھا۔ اشارات وغیرہ کتابوں میں ایسے آثار ملتے ہیں جبر

بوعلی سینا نے اولیاء اللہ کی کرامات تصرفات ۔علوم وعرفان سلوک ۔جادۂ طریقت وحقیقت پر کئی ایک مستقل کتابیں تصنیف کیں۔

خواجہ حسن مودب کی تربیت :- خواجہ حسن مودّب پہلی بار نیشاپور میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دنیا کے تمام مالِ ومتاع کو حضرت کی خدمت میں نذر کر دیا حضرت نے چند دنوں میں ہی درویشوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا۔اور حسن مودّب کو ریاضت اور عبادت میں لگا دیا۔اس سلسلہ میں آپ بذاتِ خود حوصلہ افزائی فرماتے۔تربیت کرتے اور نگرانی فرماتے تھے۔لیکن ان ریاضتوں کے باوجود خواجہ حسن کے اندر بوئے خواجگی موجود تھی۔آپ نے ایک دن حسن کو آواز دی اور کہا جال اٹھاؤ۔اور کرمانیوں کے چوک میں چلے جاؤ۔اور وہاں سے تمام جگر بند اور شکنبے اوجھڑیاں جو بھی نظر آئیں خرید لو اس جال میں ڈال کر تمام گوشت اپنی پشت پر لاد کر لے آؤ۔آپ حضرت کے حکم سے چلے تو گئے۔مگر آپ کو یہ کام بڑا گراں گذرا۔مجبوراً کرمانیوں کے چوک میں پہنچے تمام جگر بند اور اوجھڑیاں خرید لیئے جال میں رکھے پشت پر لادے اس حالت میں چلے آرہے تھے کہ خون اور نجاست آپ کے کپڑوں اور بدن پر بہہ رہا تھا۔اور حسن لوگوں سے منہ چھپائے نہایت شرمندگی سے چلے آرہے تھے لوگوں نے حسن کو ہمیشہ خوش لباس میں دیکھا تھا۔مگر آج وہ اسی غلاظت میں اُٹے پڑے اسی بازار سے گذر رہے ہیں۔انہیں خواجگی اور امارت کے احساس سے دست بردار ہونا بڑا مشکل تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اِنَّ آخِرَمَا یَخْرُجُ عَنْ رُؤسِ الصِّدِّیقِیْنَ حُبُّ الرِّیَاسَۃِ

(صدیقین کے دماغوں سے جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے۔وہ حکمرانی کی محبت اور خودسری کی بو ہوتی ہے)

حضرت شیخ کی بھی یہی خواہش تھی کہ حسن کے دماغ میں خودسری اور حکمرانی کی اکڑ

کو ختم کر دیا جائے۔ حسن نے یہ جال اٹھایا۔ اور بدین ہئیت کذائی کرمانیوں کے بازار سے حضرت شیخ کی خانقاہ تک آئے تو عدنی گویاں کے گنجان بازار سے گزر ہوا۔ یہ بازار تمام نیشاپور کے بازاروں میں بارونق بازار تھا حضرت نے حسن کو خانقاہ کے دروازے پر دیکھتے ہی فرمایا حسن انہیں دروازہ حیرہ پرے جاؤ۔ اور وہاں کنوئیں کے پانی سے دھو کر واپس لاؤ۔ یہ تو بہت گندی ہیں۔ یہ بازار شہر کے دوسرے کنارے پر تھا حسن دروازہ حیرۃ پر گئے۔ اور ان تمام کو صاف کیا۔ دھویا۔ اور پھر خانقاہ کی طرف لائے اس دوران حسن سے خواجگی کی بو اور حکمرانی کی اکڑ مر چکی تھی۔ اب وہ آزادانہ اور خوش خوش آ رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا۔ اب اسے باورچی کے حوالے کر دو تاکہ وہ اسے تیار کرے درویشوں کے لئے پکائے۔

حضرت شیخ نے دیکھا کہ اس کام کے سرانجام دینے میں حسن نے بڑا محسوس کیا ہے اور اسے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ آپ نے آواز دے کر حسن کو بلایا۔ اور فرمایا حسن اب تم نہا لو صاف اور پاکیزہ کپڑے پہن لو۔ اور کرمانیوں کے بازار میں چلے جاؤ۔ اور وہاں سے دروازہ حیرہ جانا اور لوگوں سے پوچھنا کہ کسی شخص نے تمہیں وہ اوجھریاں اٹھائے آتے جاتے دیکھا تھا۔ حسن نہائے۔ لباس بدلا۔ اور حسب الحکم چلے گئے۔ تمام بازاروں میں عام لوگوں اور دکانداروں سے پوچھا۔ کہ کسی نے انہیں دیکھا ہو۔ سب نے بتایا۔ نہیں ہم نے تو نہیں دیکھا حسن واپس آئے تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ حسن صرف تم ہی اپنے آپ کو دیکھتے رہے ہو کسی شخص کی نگاہ نے تمہیں اس حالت میں تمہیں دیکھا تھا۔ یہ تمہارا ہی نفس ہے جو تمہیں اکڑ اور فخر پر آمادہ کرتا ہے۔ ورنہ دوسرے لوگوں کو اس سے کیا سروکار ہے اس نفس پر سختی کرنا چاہیئے اس کی سرزنش ہی کامیابی کی دلیل ہے اسے اس طرح دبائے رکھو کہ نہ اسے اپنی ذات کی پرواہ رہے نہ مخلوق کی حسن نے حضرت کی یہ گفتگو سنی۔ تو خواجگی اور دنیاوی نمائش کی ساری باتیں دل سے نکال دیں۔ رات کو کھانا پکا۔ سارے درویش دسترخوان پر جمع ہوئے۔ تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ پیٹ بھر کر کھاؤ۔ یہ حسن کی خواجگی کا سالن ہے اور آج رات تمہاری دعوت حسن کا عذر ہے۔

اسرارِ خداوندی کی حفاظت:- ایک دن حضرت شیخ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔حضرت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اسرارِ حق کی تلقین فرمائیں۔حضرت نے فرمایا کل آنا۔وہ دوسرے دن آیا حضرت شیخ نے درویشوں کو کہا تھا کہ ایک چوہا پکڑ کر ایک برتن میں بند کر کے اس کا منہ کپڑے سے بند کر دو۔اس شخص کو بلایا۔اور برتن اسے دے کر کہا۔اسے لے جاؤ۔اور اسے اپنے گھر رکھو۔مگر اسے کھولنا نہیں۔اور خیال رکھنا۔وہ لے کر چلا گیا مگر رات کو اس کے دل میں بار بار خیال آتا کہ اس برتن میں بھلا کیا ہے جسے نہ کھولنے کا کہا گیا ہے۔اس نے ضبط کیا۔صبر کیا۔مگر آخرِ کار اس نے فیصلہ کیا کہ منہ کھول کر دیکھوں۔کیا ہے۔کپڑا کھولا تو ایک چوہا چھلانگ کر بھاگ گیا۔وہ آدمی دوسرے دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور کہنے لگا۔حضرت میں تو آپ سے اسرارِ خداوندی دینے کو کہا تھا آپ نے مجھے چوہا دے دیا۔حضرت نے فرمایا بھلے آدمی۔ہم نے ایک چوہا تمہیں دیا۔تم اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔اسرارِ خداوندی کیسے برداشت کرو گے۔

گھر میں تین چیزوں کا خیال رکھو:- حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ آپ کا کوئی مرید شادی کرتا تو آپ اس کی بیوی کو بلاتے اور فرماتے گھر میں تین کام ضرور کرنا۔

۱۔ تمہارا خاوند جو چیز کھانے کے لئے گھر میں لائے۔اس کی حفاظت کرو۔اور کچھ نہ کچھ بچ جائے تو اسے خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کیا کرو۔جس طرح عورتیں سوت کی چند تاریں بھی علیحدہ رکھ کر اس کے بدلے کچھ نہ کچھ خریدتی رہتی ہیں۔

۲۔ گھر میں مکڑی کا جالا کبھی نہ لگنے دو کیونکہ اس جالے میں شیطان اپنا ڈیرہ لگا لیتا ہے اور ہمارے مرید شیطان سے دور رہتے ہیں۔

۳۔ جو کچھ پکانا چاہو۔اسے پہلے دھو لیا کرو۔خواہ گوشت ہو خواہ سبزی یا دال ہو۔ان تین چیزوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔

ایک بار حضرت شیخ وضو کرنے کے لئے بیٹھے تھے کہ ایک مرید کو وضو کے لئے پانی لانے کو کہا۔ اسے دیر ہوگئی۔ دوسرے درویشوں نے اعتراض کیا اور کہہ رہے تھے۔ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اتنی نزدیک سے پانی لانا تھا۔ وہاں بیٹھ رہا ہے وہ پانی لے کر آیا تو حضرت نے ان درویشوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا دراصل جس پانی سے ہم نے وضو کرنا تھا وہ بھی چشمہ سے نہیں نکلا تھا۔ جب وہ برآمد ہوا۔ تو اس سے پانی لے آیا ہے تم خواہ مخواہ اعتراض کرتے رہے ہو مرو کے مدرسہ میں حضرت خواجہ امام ابوبکر صابونی ہمارے حضرت کے شریک مجلس تھے۔ اور ہم سبق بھی تھے۔ حضرت نے شہرت عامہ حاصل کی۔ تو ایک دن خواجہ ابوبکر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور فرمایا ہم ایک ہی مدرسہ میں ہم سبق تھے اکھٹے پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بزرگ بنا دیا۔ اور ہم اسی طرح مدرسہ میں استادی کر رہے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تمہیں یاد ہے ایک دن ہمارے استاد ہمیں یہ حدیث لکھا رہے تھے۔

مِن حُسنَ اِسلَامَ اَلمرء ترکہٗ مالا یعنیہٗ

جس شخص نے اسلام کی حقانیت کو قبول کر لیا۔ وہ اس کے علاوہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔

تمہیں یاد ہے گھر جا کر تم نے کیا کیا؟ امام ابوبکر فرمانے لگے۔ میں نے لکھا یاد کیا۔ اور مزید حاصل کرنے کے درپے ہو گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہم نے ایسا نہیں کیا تھا ہم گھر گئے۔ جو کچھ ہماری اپنی ضرورت کی چیز تھی۔ اُسے رکھا۔ باقی سب کی سب چیزیں بانٹ دیں۔ اور دل کو تمام ضروریات سے فارغ کر لیا۔ اور دل میں بٹھا لیا کہ یہ حدیث سچ ہے اب کسی چیز کو اپنے پاس دبائے رکھنا درست نہیں۔

سرخس میں لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ حضرت ظریف کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے شہر میں تو نقصان کو ظریف کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ حضرت ہمارے

شہر میں تو اس سے سخت گفتار اور سنجیدہ انسان نہیں ملتا حضرت نے فرمایا تمہیں بھول ہوئی ہے۔ ظریف تو پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیز وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری سے ملی ہوئی نہ ہو۔ اور کسی دوسرے چیز سے اس کو پیوندکاری نہ ہو۔

مرد کامل کے اوصاف:۔ حضرت شیخ کو لوگوں نے بتایا کہ فلاں بزرگ پانی پر چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بڑا آسان ہے مرغابی اور بگلا بھی پانی پر چلتا رہتا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا فلاں بزرگ ہوا میں اُڑتے ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ بھی آسان ہے یہ چیلیں یہ مکھیاں ہوا میں اڑتی پھرتی ہیں۔ پھر کہا گیا کہ فلاں بزرگ ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتا ہے۔ ان چیزوں کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ مرد خدا وہ ہے۔ جو اللہ کی مخلوق کے درمیان رہے نشست و برخاست کرے سوئے جاگے۔ لوگوں سے لین دین رکھے۔ مخلوق خدا کے معاملات میں دخل رکھے اندریں حالات ایک لمحہ بھی یادِ خداوندی سے غافل نہ رہے۔

ایک موذن مینہہ میں ظہر کی نماز کی اذان کہہ رہا تھا۔ اور اقامت کا وقت ہوا تو حضرت کو آواز دی مگر آپ گھر سے باہر نہ آئے موذن کئی بار حضرت کے گھر کے دروازے تک آیا۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر چلا گیا۔ نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ مگر آپ گھر سے نہ نکلے آخرکار حضرت باہر آئے۔ موذن نے اقامت کہی۔ نماز ادا کی گئی۔ حضرت مسجد میں بیٹھے تو مشائخ اور صوفیہ نے پوچھا حضرت آج خیر تھی کہ آج آپ گھر سے نہ نکلے آپ نے فرمایا آج دنیا نے ہمارا گریبان پکڑ رکھا تھا۔ اور کہہ رہی تھی آپ سے سب سے کچھ نہ کچھ لیا ہے میرا حصہ بھی ملنا چاہیئے۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ اس سے جان چھڑائیں فریاد بھی کی مگر وہ ہمارا گریبان نہ چھوڑتی تھی۔ نماز کا وقت جا رہا تھا۔ ہم نے پورا زور لگایا۔ مگر وہ باز نہ آئی۔ آخرکار ہم نے مفضل کو اس کے حوالے کر دیا۔ پھر کہیں جا کر اس نے ہمارا گریبان چھوڑا

ایک وقت آیا کہ آپ کے فرزندوں میں سے صرف مفضل اور ان کی اولاد دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہوتی رہی۔ ورنہ حضرت کی دوسری اولاد تنگدستی سے وقت گزارتی رہی۔ خواجہ مفضل اور ان کے بیٹے صاحب ثروت ہوئے مال و دولت سے مالا مال ہوئے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ خواجہ مفضل کی اولاد ہی دنیا کی نعمتوں سے پھلی پھولی۔

بخشش کے لئے ایک قدم:- حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ ایک بار طوس میں آئے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت وعظ فرمائیں۔ حضرت نے قبول کر لیا۔ دوسری صبح استاد کی خانقاہ میں منبر بچھایا گیا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیٹھتے جاتے تھے۔ حضرت منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ قاری نے تلاوت قرآن کی، اتنے لوگ آئے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی، ایک شخص نے اعلان کیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ سے ایک ایک قدم آگے آجائے تو بخشا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ وصلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہٖ واجمعین یہ کہہ کر آپ نے فرمایا۔ لوگو! جیسا کہ میرے دوست نے ابھی ابھی فرمایا ہے کہ جو ایک قدم آگے بڑھے گا۔ اللہ اسے بخش دے گا چونکہ تم لوگ ایک ایک قدم آگے بڑھے ہو سب کے سب بخشے گئے ہو۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے آگئے اور مزید کچھ نہ کہا۔

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے۔ کہ بزرگان دین میں سے ایک سو بزرگوں نے باتیں کیں ہیں۔ جو بات پہلے بزرگ نے کہی تھی وہی ہر ایک نے آخری بزرگ تک کہتے رہے۔ کسی ایک نے دوسرے سے اختلاف نہیں کیا۔ صرف الفاظ مختلف تھے مطلب اور معنی ایک ہی تھا۔

اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ التَّکَلُّفِ ط: تصوف کیا ہے؟ تکلف کو ترک کر دینا تکلف میں خودی اور تکبر ہوتا ہے۔ تکلف چھوڑ دیا جائے تو تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ مشائخ نے فرمایا ہے جو چیز لوگوں کو پسند آئے وہ اللہ کو پسند نہیں آتی۔ جو چیز اللہ کو پسند آتی ہے اسے لوگ پسند نہیں کرتے۔ ایک بار حضرت شیخ قرآن پڑھ رہے تھے آپ ہر

وہ آیت پڑھتے جس میں اللہ کی رحمت نمایاں تھی۔ عذاب اور وعید کی تمام آیتیں چھوڑ دیتے ایک عالم دین نے سنا تو فرمایا حضرت! اس طرح قرآن پاک کی ترتیب بدل جاتی ہے آپنے فرمایا۔

ساقی تو بدہ بادہ مطرب تو بزن رود تا مے خورم امروز کہ وقت طرب است

مے ہست! ودرم ہست وبت لالہ رخان ہست غم نیست وگرہست نصیب دل اعداست

ترجمہ:۔ اے ساقی تم جام شراب دو۔ اے مغنیہ تم ساز بجاؤ آج ہم شراب پئیں گے کیونکہ وقت اچھا ہے شراب ہے۔ خلوت ہے اور لالہ رخوں کا بادشاہ محبوب موجود ہے۔ آج ہمیں کیا غم ہے۔ اگر غم ہے تو وہ دشمن کے نصیب میں ہے۔

پھر فرمایا۔ ہمارے لئے تو خوشخبری اور مغفرت آئی ہے۔ دشمنوں کے لئے عذاب اور ڈر ہے یہ بات سنتے ہی اس درویش کے دل میں خیال آیا۔ تو حضرت رک گئے فرمانے لگے۔ عَلَى الرغم اَنفَ ابی الدَّردَا (آپ اکثر فرمایا کرتے تھے) پھر فرمایا کہ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

تَعلقَ الخَلقَ بِا الخَلقَ کتَعلقَ المَسجُون با المَسجُون۔

مخلوق کا مخلوق سے تعلق ایسا ہی ہے جو قیدی کا دوسرے قیدی سے ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ ایک سائل نے ایک بوڑھے سے درخواست کی کہ کچھ بات سناؤ۔ اس نے کہا ملاء الاعلیٰ سے تحت الثریٰ تک تمام چیزیں اللہ کی قدرت کا ایک ذرہ ہیں جتنے علوم و فنون اس کائنات میں ہیں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ایک ذرہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا ایسی ہستی کے سلسلہ میں ایک ناچیز شخص بات کرے تو اس کی کیا حقیقت ہے کسی قسم کی عبارت اس بات کے لائق نہیں ہے حضرت نے ایک دوسرے بزرگ کو کہا کہ آپ ہی کوئی بات سنائیں وہ کہنے لگے مَا سَوىٰ اللهِ فَلَيسَ لَہٗ حَقِيقَۃٌ فَمَاذَا نَتَكَلَّمُ۔

ہم جو بات اللہ کے سوا کہتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پھر ہم بات کس موضوع پر کریں۔

یشخ نے مزید بتایا۔ کہ شیخ عبداللہ بن سہیل تستری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔

قَبِیْحٌ لِمَنْ یَلْبَسُ الخِرْقَتَہٗ وَھَمُّ الاَرْزَقِ فِی قَلْبِہٖ

وہ بہت ہی قبیح انسان ہے جس نے خرقہ تو نہیں لیا۔ مگر اس کے دل میں روزی کی فکر ہو۔

وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اَرْزَقُ العِبَادِ عَلَی اللّٰہِ لَاَیَقُوْمُ بِھَا اِلَّا بِفَضْلِہٖ:

حضرت یشخ نے بتایا۔ کہ ہم ایک بار طبرستان میں حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے آپ کی خدمت میں مختلف درویش آئے۔ آپ ان کی خواہشات پوری کرتے جاتے خود فرماتے اسے ہر ایک کو خواہش دنیا اسے پورا کرنا۔ مجھے کوئی خواہش اور تمنا نہ دینا۔ ہر ایک کو آرزو دے ہمیں آرزو بھی نہ دے۔ بس ہمیں وہ دے کہ ہم نہ ہوں۔

لَیْسَ فِیْ جُبَّتِہٖ سَوَی اللّٰہِ:- ایک دن حضرت یشخ ابوسعید قدس سرہٗ العزیز نیشاپور میں مجلس میں وعظ فرمارہے تھے آپ نے دوران تقریر بڑے جوش میں فرمایا:- لَیْسَ فِی الجُبَّۃِ سَوَی اللّٰہِ (ہمارے گریبان میں اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے) یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگشت شہادت سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور سینہ مبارک پہ انگلی رکھ دی۔ اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ موجود تھے۔ جن میں ابو محمد جوینی، استاد امام، ابوالقاسم القشیری۔ استاد اسماعیل صابونی اور دوسرے حضرات رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ان بزرگان دین پہ ایک رقت طاری ہوگئی۔ تمام نے اپنے خرقے اتار کر رکھ دیئے۔ بے خودی کے عالم میں جھوم اٹھے۔ جب حضرت یشخ منبر سے نیچے آئے۔ حضرت کا جبہ مبارک اور مشائخ کے خرقے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ مگر حضرت کے جبہ کا وہ حصہ جس کی طرف آپ نے انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ بطور تبرک محفوظ کر لیا گیا۔ آنے جانے والے لوگ اس ٹکڑے کی زیارت کرتے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد یہ ٹکڑا خواجہ ابوالفتح اور ان کی اولاد کے پاس رہا۔ مدتوں

عالم اسلام کے عقیدت مند حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کو حاضر ہوتے تو اس ٹکڑے کی زیارت کرتے غزوں کے حملوں تک یہ محفوظ تھا۔ غزوں نے لوٹ مچائی تو تبرکات کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی گم ہو گیا۔

نیشاپور میں ایک حمزہ تراب نامی درویش رہا کرتا تھا۔ بڑا متواضع شخص تھا۔ ایک دن اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں رقعہ لکھا تو از رہ تواضع نیچے لکھا۔ تراب قدمیہ (آپ کے قدموں کی خاک) حضرت نے جواب میں یہ شعر لکھا۔

گر خاک شدی۔ خاک ترا خاک شدیم ۔ چوں خاک ترا خاک شدم ! پاک شدیم !

راقم (مولف کتاب) کے جد امجد خواجہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت کی زبان سے اکثر اشعار بلا ارادہ وارد ہوتے تھے۔ اگرچہ اس شعر کے علاوہ بھی آپ نے مندرجہ ذیل دو اشعار کہے تھے۔ مگر ان کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ آپ فرماتے ہیں۔

جانا بزمیں خاوراں خارے نیست ۔ کش با من و روزگار من کارے نیست

با لطف و نوازش جمال تو مرا ۔ درداں صد ہزار جاں عارے نیست

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو القاسم یاسین سے سنا کہ ایک دن آپ نے مجھے فرمایا۔ ابو سعید!

مرد باید کہ جگر سوختہ خنداں بودا ۔ نے ہمانا کہ چنیں مرد فراواں بودا

مرد حق تو وہ ہے جو جگر سوختہ بھی ہو اور خنداں بلب بھی ہو۔

ایک دن حضرت گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ کے پاس بہت سے مشائخ اور عزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص مجلس میں ہی بلند آواز سے رونے لگا جس سے تمام اہل مجلس محسوس کرنے لگے حضرت شیخ نے ایک نگاہِ پُر ہیبت سے اسے دیکھا اور فرمایا۔ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْل کما قُلْتُ نَا قُعَدَ کما نقعَدُ تُ فَاِنَّ مَنْ ثَبَتَ ثَبَتَ وَمَنْ صَبَرَ ظَفَرَ

اگر تم چاہتے ہو کہ وہ بات کہو جو میں نے کہی ہے۔ تو ایسے بیٹھ جاؤ جیسے میں بیٹھا ہوں۔ یاد رکھو جو ثابت قدم رہتا ہے وہ ثابت قدم ہو جاتا ہے جو صبر کرتا ہے۔ اسے ہی صبر کی دولت ملتی ہے۔

آپ نے مزید فرمایا۔

سمعت ان عقبہ ابن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تم

مجور العبد ملک علیہ فنبلی بہما ما شاء اللہ پھر فرمایا

لو ان ذونک بحر الیقین معترضا لخلت ذاک سرابا ذاھب لاثر

ولو وعیت وفیہا بیننا سقر لھون الشوق خوض النار فی سقر

حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن ایک شخص حضرت ابو الفضل حسن قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا حضرت میں نے کل رات آپ کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مرے پڑے ہیں اور لوگ جنازے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بات تم نے اپنے لیے دیکھی تھی۔ یاد رکھو جنہیں مرا ہوا دیکھو۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں مَن عَاشَ لِلّٰہ لَا یَمُوتُ اَبَدًا ط جو اللہ کے لیے زندہ رہتا ہے۔ کبھی نہیں مر سکتا۔

وضو کی دعا: ایک دن ایک درویش وضو کر رہا تھا۔ حضرت شیخ بھی وضو کرنے کے لیے وہاں چلے گئے۔ درویش وضو کرتا جا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ۔ (اے اللہ مجھے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ دینا) حضرت شیخ نے سن کر فرمایا اے درویش۔ اس نامہ اعمال سے کیا پڑھو گے۔ ایسا نہ کہا کرو۔ تمہیں اس بات کی طاقت نہیں ہے۔ درویش نے پوچھا حضرت میں کیا پڑھا کروں۔ فرمایا کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَلَا تُسَائِلْ۔ اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور مجھے سوال نہ فرمانا۔

نماز میں درود پاک: بابا حسن حضرت شیخ قدس سرہ کے پیش امام تھے حضرت کی

خانقاہ میں امامت انہی کے ذمہ تھی۔ ایک دن صبح کی نماز پڑھا رہے تھے دعا مانگتے ہوئے فرمانے لگے تبارک ربنا وتعالیت اللھم صل علی محمد۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ یا باحسن تم نے آلِ محمد پر درود نہیں پڑھا۔ باباحسن کہنے لگے۔ حضرت جہاں صحابہ کرام پر درود نہ پڑھا جائے۔ وہاں آلِ محمد پر درود پڑھنے سے کیا فائدہ! حضرت نے فرمایا۔ ہم تو جہاں بھی گئے۔ آلِ محمد کو وہاں ہی پایا۔

دل کی صفائی:۔ جس زمانہ میں حضرت شیخ ابوالخیر قدس سرہٗ نیشاپور میں تھے۔ تو ارد گرد کے لوگ آپ کی مخالفت کرتے تھے حضرت استاد امام ابوالقاسم بھی آغاز میں حضرت کے مخالف تھے۔ ایک بار آپ حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو مخالفت ختم کر دی۔ بایں ہمہ کبھی کبھی امام ابوالقاسم کے اندر اندر ہی آپ کی مخالفت کا خیال آتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ امام ابوالقاسم اور دوسرے صوفیاء کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے اس بازار میں ایک اجنبی کتا آ پہنچا۔ اس بازار کے تمام کتے اس کے پیچھے پڑ گئے اور بھونکنے لگے۔ اسے دبوچ لیا اور اسے زخمی کر دیا اور مار مار کر بازار سے نکال دیا۔ حضرت شیخ رک گئے اور فرمانے لگے۔ ابوسعید اس شہر میں مسافر ہے اور اجنبی ہے۔ اس کے ساتھ کتوں کا سا سلوک نہیں کرنا چاہیے اس دن سے حضرت امام ابوالقاسم کا سینہ صاف ہو گیا۔ اور مخالفت کا خیال بھی نہ آتا۔

خاشۂ راہ:۔ خواجہ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے خاص خادموں میں سے تھے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ کہ میرے والد مجھے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے میرے والد تو واپس چلے آئے مگر میں حضرت کی خدمت میں ہی رہا۔ میں نے دیکھا حضرت شیخ خانقاہ کے پردوں کی اس دھول کو دیکھنے لگے جو اڑ اڑ کر پڑی ہوئی تھی۔ حضرت نے فرمایا۔ پردوں پر پڑی ہوئی دھول کو جھاڑ کر میرے پاس لاؤ۔ میں اٹھا۔ اور جتنی مٹی تھی۔ جھاڑ لایا۔ فرمایا۔ تمہاری زبان میں

اسے کیا کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ خاشہ۔ فرمایا۔ یاد رکھو۔ دنیا اور آخرت تو راہ خداوندی کا خاشہ (خاشاک) ہیں۔ جب تک یہ خاشہ راستے سے صاف نہ ہوگا۔ منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَدۡنَاھَا اِمَاطَۃُ الۡاَذٰی عَنِ الطَّرِیۡقِ ۔ ایمان کا کمترین درجہ یہ ہے کہ راہ سے خاشہ ہٹادیا جائے۔ پھر فرمایا جہاں خدا ہے وہاں دوسری چیز نہیں رہ سکتی جہاں خدا ہے وہاں دوسرا شخص نہیں آسکتا جہاں تو ہے وہاں دوزخ ہی دوزخ ہے جہاں تم نہیں وہاں بہشت ہی بہشت ہے۔

دنیاوی تحفے:- حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کا ایک مرید عراق سے چلا اور آپ کی خانقاہ مینہہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا لباس بڑا قیمتی تھا۔ راستے میں اپنے دل میں فخر یہ سوچتا چلا آرہا تھا کہ آج میں حضرت شیخ کی خدمت میں ایسا ہی قیمتی اور خوبصورت لباس لے جاؤں گا۔ حضرت دیکھ کر بڑے خوش ہوں گے۔ یہ تحفے آپ کو خوش کردیں گے۔ وہ ابھی مینہہ سے تقریباً تیس میل دُور تھا۔ تو حضرت نے درویشوں کو حکم دیا کہ گھوڑے پر زین کسیں۔ گھوڑا تیار ہوا حضرت سوار ہوئے اور بہت سے درویشوں کو لے کر صحرا کی طرف نکل گئے۔ اب درویش نے حضرت کو درویشوں کے ساتھ دیکھا۔ تو اس کا سر غرور سے اور اونچا ہوگیا کہ میرے استقبال کو آرہے ہیں۔ غالباً انہیں میرے خوبصورت تحفوں کی خبر ہوگئی ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں حُبِ دنیا اور بڑھ گئی۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قدم بوسی کے لئے زمین پر گر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کپڑے جو ہمارے لئے تحفہ لائے ہو۔ وہ تو دکھاؤ درویش فوراً کپڑے لے آیا۔ آپ نے کپڑے لے کر درویشوں کو حکم دیا۔ انہیں پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ اور ان کے ٹکڑے صحرا کی ان جھاڑیوں پر بکھیر دو۔ یہ دیکھ کر درویش شرمندہ ہوگیا۔ اور بڑا شکستہ دل ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ دنیا کی ان چیزوں پر غرور کرنا۔ خوش ہونا۔ اور اسے بڑی نعمت سمجھنا اچھا نہیں ہماری نگاہوں میں ان قیمتی کپڑوں کی بے قیمت ہے۔ یہ دنیا پرستی درویشوں کو زیب نہیں دیتی۔ درویشوں کا طائفہ تو ان چیزوں سے

بے نیاز ہوتا ہے۔ ان کی نگاہیں تو آخرت کی نعمتوں پر ہوتی ہیں یہ دیکھ کر اس درویش سے دنیا کی نعمتوں کی محبت سرد ہو گئی۔ میںنہ میں آیا۔ تربیت حاصل کی۔ اور خاص بزرگوں سے شمار ہونے لگا۔ ایک دن ایک درویش میںنہ میں حاضر ہوا۔ اور سامان سفر لئے ہوئے حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اور عرض کی حضرت میں نے بڑا سفر کیا۔ نہ خود آرام کیا۔ نہ کسی کو آرام کرتے دیکھا آپ نے فرمایا۔ یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ سفر جسے تم مکمل کر کے آئے اس سے اپنی مراد پا چکے ہو۔ اگر تم سفر نہ کرتے۔ تو خود بھی آرام کرتے دوسروں کو بھی آرام کرتا دیکھتے۔ انسان کا اپنا آپ ہر ا اس کا قید خانہ ہے۔ اپنے آپ کے قید خانے سے باہر نکلے۔ تو آزادی کی راحتیں پاتا ہے۔

سادات سے رواداری

طوس میں ایک سید زادہ تھا جس کا نام شیر حمزہ تھا۔ ان کا گھر طوس کے صحرا کے کنارے تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ العزیز کو اس سے بڑا پیار تھا۔ آپ طوس جاتے تو اسی کے پاس ٹھہرتے۔ حمزہ آپ کا مرید بھی تھا۔ ایک دفعہ حضرت طوس میں گئے۔ تو لوگوں کو کہا حمزہ کو بلاؤ۔ لوگوں نے بتایا۔ حضرت وہ تو بگڑ گیا ہے۔ شراب نوشی میں غرق رہتا ہے۔ جام پر جام انڈھاتا جاتا ہے چالیس دن ہو گئے۔ خود بھی پیتا ہے۔ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو بھی پلاتا رہتا ہے۔ تمام کو عریاں رقص کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بڑی حیران کن بات ہے اس درگاہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس سے زیادہ نہ کچھ کہا۔ نہ اعتراض کیا۔ لوگوں نے حمزہ کو خبر دی۔ کہ حضرت ابوسعید قدس سرہٗ طوس میں تشریف لائے ہوئے ہیں اب یہ بُرے کام چھوڑ کر انسان بن جاؤ۔ دوسرے دن پاک صاف ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس سے اسی سابقہ محبت اور التفات کا برتاؤ کیا۔ اور اس کے بُرے کام کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔

شیخ ابوسعید صحیح صوفی تھے

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ تو حضرت شیخ ابو عبداللہ باکو

رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں ہی تھے وہ ان دنوں شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رہا کرتے تھے۔ اور حضرت سلمی کی وفات کے بعد اسی خانقاہ کے پیر اور نگران بنے۔ یہ ابو عبداللہ باکو حضرت شیخ سے جب بھی سوال کرتے طنزاً یا اعتراضاً کرتے۔ حضرت شیخ بڑے تحمل سے جواب دیتے یک دن حضرت شیخ کو کہنے لگے کہ آپ میں مجھے چند چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جو مشائخ میں نہیں پائی جاتیں۔ ایک تو یہ بات ہے کہ آپ بوڑھوں کو بھی نوجوانوں کے سامنے بٹھا دیتے ہیں۔ بچوں کو بڑوں کے روبرو کھڑا کرتے ہو۔ چھوٹے بڑے کے درمیان کچھ فرق نہیں رکھتے نوجوانوں کو سماع کی مجالس میں رقص کی اجازت دیتے ہو ایک درویش خرقہ اتارتا ہے تو دوسرے کو دے دیتے ہو۔ اور کہتے ہو۔ اَلفَقِیرُ اَولیٰ بِخِرقَتِہٖ درویشوں کو خرقہ ہی اچھا لگتا ہے، یہ باتیں ہمارے پیروں اور بزرگوں کے ہاں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت شیخ نے پوچھا کوئی اور بات بھی رہ گئی ہے؟ کہنے لگے۔ بس۔ آپ نے فرمایا۔ چھوٹے اور بڑوں کے بات ہمارے نزدیک واقعی کوئی چھوٹا بڑا نہیں سب یکساں ہیں جو راہ طریقت پر چل پڑا اگر چہ جوان ہو۔ اسے بڑوں کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جو چیز ہم ستر سالہ بوڑھوں کو نہیں مل ہو سکتا ہے ان نوجوانوں کو مل جائے۔ یہ اس کی دین ہے۔ اس میں ہم امتیاز نہیں کر سکتے۔ باقی رہی بات کہ نوجوان سماع میں رقص کرتے ہیں۔ یاد رکھو۔ نوجوانوں کے نفس خواہشات کے پتلے ہوتے ہیں۔ وہ جب ہاتھ مارتے ہیں تو خواہشات کم ہوتی جاتی ہیں۔ جب پاؤں جھاڑتے ہیں تو خواہشات جھڑتی جاتی ہیں۔ جب ان کی خواہشات کم ہو جاتی ہیں تو بزرگوں کی صف میں مناسب طریقہ سے بیٹھتے ہیں۔ اگر ان کی خواہشات دبی رہیں تو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا خطرہ رہتا ہے ان کی خواہشات کی آگ سماع میں ہی ٹھنڈی ہو جاتی ہے خرقے محفوظ رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ انہیں خرقے کی محرومی کا احساس نہیں ہوتا اور اُن کی نگاہیں دوسروں کے خرقے کی طرف نہیں اٹھتیں۔ اس طرح جمعیت دل حاصل رہتی ہے شیخ عبداللہ نے آپ کی باتیں سنیں تو فرمایا۔ اگر ہم حضرت شیخ ابو سعید کو نہ دیکھتے تو زندگی بھر کسی صوفی کو نہ دیکھتے!

آدابِ مجلس:۔ شیخ ابو عبد اللہ باکو رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ العزیز کی مجلس میں حاضر تھے۔ بڑے امیرانہ لباس میں سنہری کمر بند باندھا ہوا تھا حضرت نے انہیں دیکھا اسی دوران ایک اور شخص حضرت کی خدمت میں آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ اللہ آپ کو بہشت دے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہمیں بہشت کی ضرورت نہیں بہشت میں معذور۔ لنگڑے۔ لولے۔ اور فاقہ مست درویش ہوں گے۔ وہ اندھے۔ مفلوج اور ضعیف پڑے ہوں گے ہمیں تو دوزخ کی ضرورت ہے۔ جہاں جمشید۔ نمرود۔ فرعون اور ہامان جیسے اکڑ کر بیٹھے ہوں گے۔ ہمارے خواجہ عبد اللہ جیسے کمر بند لوگ بیٹھے ہوں گے۔ ہم تو وہاں جائیں گے جہاں ہمارے خواجہ ہوں گے یہ بات کہہ کر عبد اللہ باکو کی طرف اشارہ کیا۔ عبد اللہ سمجھ گئے بڑے نادم ہوئے شکستہ ہو گئے۔ جان گئے کہ میرے اس تکبرانہ انداز نے حضرت کو ناراض کر دیا ہے۔ حضرت کے نزدیک آئے قدموں میں گر پڑے توبہ کی۔ اور آئندہ کے لئے اس متکبرانہ انداز کو ترک کر دیا۔ اور پھر مجلس میں کبھی اکڑ کر نہ بیٹھے۔

بہرجبی آپ کا خاص درزی تھا۔ ایک دن اس نے حضرت کے کپڑے سیئے اور ایسے وقت لے کر آیا جب آپ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے۔ آپ کا خادم خاص عبد الکریم حضرت شیخ کے سرہانے بیٹھا تھا اور پنکھا چلا رہا تھا۔ جبی کپڑے پکڑے اندر آ گیا۔ خواجہ عبد الکریم نے کہا۔ یہ کپڑے لانے کا وقت ہے۔ کہنے لگا۔ جہاں تم سما سکتے ہو۔ میں بھی سما جاؤں گا۔ عبد الکریم نے پنکھا تو ایک طرف رکھ دیا۔ اور تھپیڑ جبی کو دے مارنے لگے سات تھپیڑ مارے تھے کہ حضرت سوئے سوئے فرمانے لگے بس کافی ہیں۔ جبی باہر آ گیا۔ اور خواجہ بخار سے شکایت کرنے لگا کہ خواجہ عبد الکریم نے میری یہ خاطر کی ہے۔ حضرت شیخ ابو سعید نماز کے لئے باہر آئے تو خواجہ بخار نے کہا حضرت آج کل کے نوجوان بوڑھوں پر دست درازی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خواجہ عبد الکریم کا ہاتھ ہمارا ہی ہاتھ تھا۔

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ العزیز نیشاپور میں مجلس وعظ برپا کئے ہوئے تھے۔ شیخ ابو القاسم قشیری قدس سرہٗ بھی مجلس میں بیٹھے تھے۔ حسین آباد گاؤں میں آٹا پیسنے کی ایک چکی پر

آپ کا دعویٰ تھا۔ کہ یہ آپ کی ہے۔ دوسری طرف ایک دیہاتی دعویٰ کرتا تھا۔ کہ یہ چکی اس کی ہے ایک قاری حضرت شیخ کی مجلس میں قرآن پڑھ رہا تھا اس نے یہ آیت پڑھی لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (آج یہ ملک کس کا ہے ؟) حضرت شیخ فرمانے لگے۔ میں تو مانتا ہوں کہ یہ ملک تیرا ہے۔ مگر ابوالقاسم قشیری کو منوالیں وہ کہتے ہیں کہ حسین آباد کی چکی ان کی ہے !

صبر و تحمل کی مثال :- ایک دن حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مجمع کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے ایک عورت نے چھت سے خاکستر نیچے ڈالی حضرت کے کپڑوں پر بھی پڑی۔ مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ مریدوں کو بڑا غصہ آیا۔ چاہتے تھے۔ کہ اس عورت کو سبق سکھائیں۔ حضرت نے فرمایا۔ صبر کرو۔ جو شخص آگ کا مستحق تھا۔ اس پر تھوڑی سی خاکستر پڑی ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے اس کا شکر ادا کریں آپ کی بات سن کر سارے صوفیا پر رقت طاری ہوگئی۔ اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھے۔ اللہ اکبر!

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی نواسی فاطمہ بانو جو خواجہ ابوطاہر کی بیٹی تھیں۔ اڑن پر سوت لپیٹ رہی تھی۔ اسی دوران دھاگہ الجھ گیا وہ بڑی متردد تھیں۔ آپ نے بچی کو یوں پریشان دیکھا تو فرمایا۔ فاطمہ آئندہ دھاگہ الجھا۔ یہ آیت پڑھ لینا وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْکَاثًا۔ فاطمہ یہ پڑھ لیتیں اور دھاگے کا الجھاؤ ختم ہو جاتا۔

شیخ گرجے میں :- نیشاپور میں ایک دن حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ایک گرجے کے دروازے کے سامنے سے گزرے۔ اتفاقاً اس دن اتوار تھا شہر کے تمام عیسائی گرجے میں جمع تھے۔ آپ کے مریدوں نے عرض کی۔ حضرت آج انہیں دیکھیں تو سہی یہ کیسے عبادت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے بات مان لی۔ اور سارے گرجے کے احاطے میں داخل ہوگئے۔ عیسائیوں نے حضرت کو آتے دیکھا

بڑے حیران ہوئے۔ نہایت احترام سے استقبال کیا حضرت شیخ نے ایک قاری کو اشارہ کیا کہ وہ قرات قران کرے۔ یہ مشترکہ مجمع جس میں عیسائی اور مسلمان دونوں تھے۔ قرآن سن کر رونے لگے شیخ اٹھے۔ اور مجمع سے باہر نکل آئے دوسرے دن ایک شخص نے کہا۔ وہ ایسا موقع تھا اگر حضرت حکم دیتے تو تمام عیسائی صلیبیں پھینک دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے تو صلیبیں نہیں لگوائی تھیں کہ پھنکوانے کا حکم دیتے۔ نہ ہی زنار بندھوائے تھے۔ کہ توڑنے کا حکم دیتے۔

گوہر خدمتِ خلق:۔ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ نیشاپور میں مجلس وعظ میں بیان فرما رہے تھے۔ دوران وعظ فرمایا۔ ہماری خانقاہ میں اوپر سے لے کر نیچے تک موتی ہی موتی بھرے ہوئے ہیں آپ لوگ انہیں کیوں نہیں اٹھاتے لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر موتی کہیں دکھائی نہ دیئے کہنے لگے حضرت یہاں تو موتی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مخلوق کی خدمت کرو۔ خدمت کرو۔ یہی موتی ہیں!

سورہ الم نشرح:۔ جن دنوں خواجہ ابو طاہر حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے قدس سرہٗ ابھی چھوٹے تھے آپ کے ہم سبق بچوں نے صاحبزادہ کی تختی اٹھائی اور آپ کے گھر لے آئے۔ خواجہ حسن نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ بچے ابو طاہر کی تختی اٹھا لائے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ اُس پر کیا لکھا ہوا ہے عرض کیا سورہ لم یکن۔ حضرت نے فرمایا۔ ان بچوں کو پھل پیش کرو حسن نے کچھ پھل بچوں کے سامنے رکھا۔ حضرت نے فرمایا۔ تمہارا مانیٹر (مہتر) کون ہے۔ ایک لڑکے کی طرف اشارہ کرکے بتایا۔ یہ وہ ہے! فرمایا۔ مکتب میں استاد کو کہیں آئندہ تختی پر سورہ لم یکن نہ لکھوائیں۔ بلکہ سورہ الم نشرح لکھائیں۔

بڑا بزرگ چھوٹا غصہ:۔ نیشاپور میں حضرت کی خانقاہ کے متصل ایک بڑھیا عورت کا حجرہ تھا۔ وہ ہمیشہ ہاون دستہ ہاتھ میں پکڑے کچھ نہ کچھ کوٹتی رہتی۔ درویشوں کے ذکر و اذکار میں خلل ہوتا۔ ایک دن درویشوں نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی۔ مگر حضرت نے کچھ نہ کہا۔ ایک دن وہ بڑھیا گھر پر موجود نہ تھی۔ درویشوں نے صلاح کی اور اس

کا حجرہ گرا دیا۔ تاکہ ہاون دستے کی بجائے کچھ عرصہ تک اپنا حجرہ بناتی رہے گی، بڑھیا واپس آئی۔ تو حجرہ گرا ہوا دیکھ کر کہنے لگی۔ افسوس۔ اتنے بڑے بزرگ اور اتنا چھوٹا سا غصہ!

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ حمام میں گئے۔ اسی دوران خواجہ امام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ آپ سے ملنے کو آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ تو حمام میں گئے ہیں۔ خواجہ امام بھی حمام کی طرف چلے گئے۔ حضرت شیخ سے ملے۔ تو آپ نے فرمایا۔ حمام بہت اچھا ہے۔ خواجہ امام نے کہا۔ ہاں اچھا ہے۔ فرمایا۔ کیوں اچھا ہے؟ خواجہ امام نے کہا۔ کیونکہ اس میں حضرت شیخ جلوہ فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے کوئی اچھی توجیہہ فرمائیں۔ خواجہ امام نے عرض کی آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے کہ آپ یہاں ہمیں آملے ہیں۔

اصلی صوفی:۔ خواجہ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار عراق کے چند عقیدت مند حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے بڑا قیمتی اور خوبصورت لباس تیار کر کے لائے۔ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ان لوگوں کی خوشی کے لئے انہیں پہن لیا۔ ابھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپ کی خانقاہ کی بلی جو اکثر گھر میں گھومتی پھرتی رہا کرتی تھی۔ آپ کے اس مرقع کو دیکھ کر آئی۔ لوگوں کے سامنے ان کپڑوں پر پیشاب کر کے بھاگ گئی۔ حضرت بلی کی یہ حرکت دیکھ کر فرمانے لگے۔ ہم نے سوچا تھا کہ عراق کا تحفہ پہن کر بڑے صوفی اور بزرگ نظر آئیں گے۔ مگر اس بلی نے ہماری صوفیت پر پیشاب کر دیا ہے۔ یہ لباس لے لیں۔ اور ابوالفتح کو دے دیں۔ اصلی صوفی وہی ہے۔ چنانچہ لباس اتار کر ابوالفتح کو دے دیا گیا حضرت ابوالفتح نے پہن لیا۔ اور حضرت کے بعد آپ فخریہ فرمایا کرتے۔ کہ ہمیں تو بلی کی مہربانی نے اصلی صوفی بنا دیا ہے۔

مجھے ایک نیک سیرت بزرگ نے بتایا۔ کہ جن دنوں ہمارے شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ تو تمام طبقوں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیعت کرتے مشائخ علماء اور اساتذہ بھی آپ سے بیعت ہونے لگے۔ جو لوگ آپ کی بزرگی کے منکر تھے۔ وہ بھی آپ

کے عقیدت مند بن گئے۔ان دنوں قاضی ابو بکر حیرہ وقت کے بہت بڑے عالم اور امام عصر تھے۔ نیشا پور میں چار ابو بکر نامی بزرگان دین مدفون ہیں جن کے مزارات مستجاب الدعوات میں ہیں۔ قاضی ابو بکر قدس سرہٗ انہیں میں سے ایک ہیں، ایک دن قاضی ابو بکر نے دعوت کا اہتمام کیا۔ اور شہر کے تمام آئمہ اور مشائخ کو شریک دعوت کیا حضرت ابو سعید قدس سرہٗ کو بھی دعوت دی گئی تمام حضرات جمع ہوئے تو علماء کرام نے اپنے معمول کے مطابق بعض مسائل پر گفتگو شروع کی اسی دوران ہر مذہب کے امام کی افضلیت پر گفتگو ہونے لگی۔ ہر ایک اپنے امام فقہ کی فضیلت دوسروں سے زیادہ بتاتا۔ اور دوسرے مذاہب کی تنقیص پر اظہار خیال کرتا۔ یہ موضوع وسیع ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سلسلۂ گفتگو ختم ہونے کو نہ آتا۔ تمام حضرات اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہم قرآن حکیم کو حکم اور منصف بناتے ہیں اور اسی کے فیصلہ پر خاموشی اختیار کر لی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کریم اس بات کی گواہی دیتا ہے لَا رَطْبٍ وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (دنیا کی کوئی خشک و تر چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ کیا گیا ہو) ہر مذہب کے تصور سے قرآن پاک کی جلد کھولا جائے۔ اور جو آیت کریمہ سامنے آئے اُسے فیصلہ جانتے ہوئے عمل کیا جائے اور بحث ختم کی جائے۔ اس کے بعد کوئی عالم دین بھی دوسرے پر طعن و تشنیع نہ کرے۔ قرآن پاک کی ایک جلد لائی گئی۔ تمام اس بات پر متفق ہو گئے۔ ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کہ آپ قرآن پاک کا کوئی سا صفحہ کھولیں انہوں نے فرمایا یہ قرآن میرے مطالعہ میں رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کو یہ شبہ پڑے کہ میں نے نشان زدہ صفحات کھول دیئے ہیں۔ اس لئے کوئی اور صاحب کھولیں۔ ہر ایک کو کہا گیا مگر سب نے عذر پیش کیا۔ آخر کار سب نے اتفاق کیا۔ کہ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کھولیں گے۔ وہ صاحب حال بزرگ ہیں۔ ان کی راہنمائی سب کے لئے قابل قبول ہو گی۔ حضرت کو قرآن پاک کی جلد پکڑا دی گئی تو آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کہا۔ کیا مذہب شافعی حق ہے؟ قرآن کا ایک صفحہ کھولا اور دائیں جانب سے ساتویں سطر

پڑھی لکھا تھا. ولیتبؤ نکَ اَحق ھوَ قُلْ اَیْ ودبی وانہٗ لحقُ۔ (لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے میرا اللہ حق ہے!) آپ نے جونہی یہ آیۂ کریمہ پڑھی تمام حاضرین قرآن کے اس معجزہ سے متعجب ہو گئے اور کہنے لگے ۔ اب یہ معاملہ ختم ہونا چاہیئے۔ پھر کسی نے دوسری بار قرآن کھولنے کو نہ کہا۔

اس واقعہ سے کئی لطائف اور اسرار ظاہر ہوئے ایک یہ کہ مذہب شافعی از روئے قرآن حق اور سچا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے مذاہب جھوٹے ہیں۔ ماشاءکلّا دوسرے یہ کہ جب تم کوئی دینی کام کرنے لگو۔ اور فیصلہ نہ کرسکو تو کون کون کام زیادہ اچھا ہے تو قرآن سے فیصلہ لیا کرو کیونکہ اس معاملہ میں اب روم کے تمام بزرگان دین آئمہ کبار اور مشائخ کرام متفق ہیں۔ خواجہ امام ابو محمد جوینی۔ آپ کے بیٹے امام الحرمین قاضی صاعد علی علی صفری ابو بکر اسحاق استاد اسماعیل صابونی استاد امام ابوالقاسم قشیری اور دوسرے بلند پایہ علماء کرام رحم اللہ علیہم اجمعین جیسے موجود تھے۔ یہ لوگ کسی نہ کسی مذہب یا سلسلہ کے مقتدا مانے جاتے ہیں۔ کسی نے بھی اس طریق کار پر اعتراض نہ کیا تیسری بات یہ ہے۔ کہ ہر کام کا آغاز دائیں جانب سے ہونا چاہیئے۔ خصوصاً دینی معاملات میں دائیں ہاتھ کو مقدم جاننا چاہیئے چوتھے یہ کہ ہر بات طاق سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ پر عمل ہو۔ اِن اللہ تعَالیٰ وَتَریحب الوتَر (اللہ ایک ہے۔ اور ایک طاق کو ہی پسند فرماتا ہے) اگر ہم اس واقعہ کی تفصیلات اور ان کے فوائد بیان کرتے جائیں تو ایک دفتر درکار ہے۔

حضرت شیخ نیشاپور سے روانہ ہو کر میلنہہ کو آرہے تھے راستہ میں

ترکمانوں کا حملہ:۔ طوس کے دروازہ نوبہار میں پہنچے۔ حضرت تنہا سوار تھے۔ اور دوسرے ساتھی پیچھے آرہے تھے۔ یہ ترکمانوں کے حملوں کے آغاز کا زمانہ تھا۔ سارا خراسان بدامنی کا شکار ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں چار یا پانچ ترکمانوں نے حضرت شیخ کو آ گھیرا۔ اور حضرت شیخ کا گھوڑا چھیننا چاہا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے حضرت کو کہا

نیچے اتر آیئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے چار آدمی مل کر گھوڑے پر بٹھاتے ہیں۔ ابھی انہیں آ لینے دو یہ گھوڑا تمہارا ہوا۔ اسی اثنا میں حضرت کے بہت سے ساتھی آپہنچے۔ آپ نے انہیں کہا۔ مجھے اس گھوڑے سے اتار دو اور یہ گھوڑا انہیں دے دو۔ ساتھیوں نے کہا۔ حضرت ہم تو یہ گھوڑا ہرگز نہیں دیں گے ہم مقابلہ کریں گے۔ حضرت نے فرمایا نہیں ہم نے کہہ دیا ہے۔ کہ یہ گھوڑا انہیں دینا ہے۔ چنانچہ سب نے حضرت کو اتارا اور گھوڑا انہیں دے دیا۔ ترکمان گھوڑا لے کر چلے گئے آپ وہ رات ایک گاؤں میں رہے۔ دوسرے دن عصر کے وقت بہت سے ترکمان آپ کا گھوڑا لئے حاضر ہوئے، گھوڑا واپس کیا اور ایک اور خوبصورت سا گھوڑا نذر کیا۔ اور حضرت سے معافی کے خواستگار ہوئے اور کہنے لگے۔ حضرت یہ نادان نوجوان غلطی کر بیٹھے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہم گھوڑا واپس نہیں لیں گے۔ جس گھوڑے کو ہم چھوڑ دیتے ہیں پھر اس پر سواری نہیں کرتے آپ کی بات سن کر تمام ترکمان تائب ہوئے اپنے سر منڈا ڈالے اور حضرت کی برکت سے اسی سال حج پر چلے گئے۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور کی خانقاہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے ایک بوڑھی عورت کا گھر آپ کے مکان کے پاس ہی تھا۔ وہ عورت آپ کو وعظ کہتے سنتی مگر ان کی مجلس میں آنے کی بجائے حضرت امام ابوالقاسم قشیری کی مجلس وعظ میں چلی جاتی۔ ایک عرصہ تک اس کا یہی معمول رہا۔ لوگوں نے اسے بار بار کہا کہ قریب وعظ چھوڑ کر دہاں کیوں جاتی ہو۔ نہایت درد سے کہنے لگی۔ میں کیا کروں۔ حضرت کو میں دیکھ نہیں سکتی۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے میری آنکھیں کھولی گئی ہیں۔

دل کی خوشی:- ایک دن حضرت شیخ نیشاپور میں ہی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک ٹپکا تھا۔ فرمانے لگے۔ تیس ہزار دینار نیشاپوری کی ضرورت ہے جو شخص یہ پگڑی خرید کر حسن مؤدب کو تیس ہزار دینار دے گا وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔ ایک بوڑھی عورت نے آواز دی میں دوں گی۔ لوگوں نے کہا۔ مائی!

تین ہزار دینار نیشا پوری ہیں؟ کہاں سے لاؤ گی۔ کہنے لگی۔ میں جانتی ہوں۔ بوڑھی اٹھی اور جو کچھ والدین سے لائی تھی اور اپنے خاوند سے حاصل کیا تھا۔ سارے کا سارا حضرت کے سامنے لے آئی شیخ نے بلند آواز سے کہا۔ مبارک باد۔ پگڑی عورت کو پکڑا دی اور روپیہ حسن مؤدب کو فرمایا حسن اب کہو۔ اس کے لئے کیا دعا کروں۔ حسن نے اس بوڑھی سے پوچھا کیا دعا چاہتی ہو بوڑھی نے کہا دعائے دل خوشی حسن نے شیخ کو کہا۔ اور حضرت شیخ مسکرا دیئے۔ اور فرمایا۔ اے سلیم القلب بی بی۔ تم نے دولت۔ جاہ۔ کیوں نہ مانگا۔ ہمیں ستر سال ہو گئے ہیں دل خوشی کو تلاش کرتے کرتے مگر ابھی تک اس کی خوشبو مشام جان تک نہ پہنچی تو نے یہ کیا مانگ لیا۔!

ازبرائے مصطفیٰ:۔ ایک دن حضرت شیخ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ نیشا پور کے ایک سید امام آپ کو سلام کہنے آئے تھے اور حضرت کے پہلو میں بیٹھے تھے اسی اثنا میں شیخ ابو العباس شقانی بھی تشریف لے آئے حضرت نے آپ کو سید امام کے پاس پرے بٹھا دیا۔ سید زادے کو یہ بات ناگوار گزری کہ اتنا بڑا آدمی اور پرے کر بٹھا دیا جائے۔ حضرت شیخ نے سید زادے کے چہرے کے تاثرات پڑھ کر کہا۔ میاں سید زادے ان بزرگوں کو جو رتبہ حاصل ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر آپ کا جو احترام ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

سر دار باش:۔ ایک بار حضرت شیخ قدس سرہٗ نیشا پور کے بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی صوفیاء کی ایک جماعت تھی آپ بازار میں چند لمحات رکے تو بازار میں بہت بڑا مجمع ہو گیا دوسری طرف سے بعض لوگ طوطیاں بجاتے نیم عریاں حالت میں چلے آرہے تھے۔ ان کے پاؤں میں چمڑے کے موزے تھے۔ اور ایک شخص کو گردن سے دبائے آگے بڑھے۔ جب حضرت شیخ کے قریب پہنچے تو آپ نے دریافت کیا۔ یہ کون ہے؟ بتایا کہ یہ جوئے بازوں کا سردار ہے آپ نے پوچھا۔ تمہیں یہ سرداری کیسے ملی۔ کہنے لگا۔ حضرت راستبازی۔ اور پاک بازی

سے آپ نے سن کر نعرہ لگایا۔ اور فرمایا۔ راستباز۔ پاک باز۔ اور سردار باش!

خواجہ علی طوسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے سسر تھے۔ دستر خوان پر حضرت شیخ کے ہم نوالہ و ہم کاسہ بھی تھے۔ حضرت شیخ پہلے کھانے کے مسنون طریقے اور آداب مجلس سکھا کرتے تھے۔ ایک دن خواجہ علی ایک پیالہ دھو رہے تھے۔ حضرت شیخ نے پوچھا۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے۔ پیالہ پاک کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسے دھو دھو کر گھسا نہ دینا دوسرے دن کھانا کھاتے وقت حضرت خواجہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک گوشے میں بیٹھے۔ دستر خوان بچھا حضرت شیخ نے کہا۔ آج مجھے خواجہ علی نظر نہیں آ رہے۔ لوگوں نے بتایا وہ ایک گوشے میں بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے نزدیک آ کر بیٹھیں۔ آپ کا بوجھ ہم برداشت کریں گے۔ دوسرے کیوں کریں۔

خواجہ ابوالفتح کی روایت کے مطابق جب خواجہ گل سنکانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت بڑے ظریف اور خوش مذاق نوجوان تھے بڑے خوبصورت کپڑے پہنا کرتے۔ ایک بار حضرت شیخ کی کسی نے دعوت پکائی۔ آپ اپنے صوفیاء کے ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت کی عادت تھی۔ صوفیا کی جماعت آگے آگے ہوتی۔ آپ پیچھے جاتے خواجہ گل حضرت شیخ کے آگے آگے جا رہے تھے۔ اور اپنے لباس اور رفتار پر بار بار نگاہ ڈالتے۔ حضرت شیخ نے دیکھا فرمایا۔ خواجہ گل آگے آگے نہ جاؤ۔ خواجہ گل آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ خواجہ پیچھے پیچھے نہ چلو وہ دائیں طرف چلنے لگے۔ ابھی چند قدم چلے تھے تو حضرت نے فرمایا خواجہ دائیں ہاتھ نہ چلو۔ خواجہ آپ کے بائیں طرف ہو کر چلنے لگے۔ حضرت نے فرمایا خواجہ! بائیں ہاتھ نہ چلا کرو۔ خواجہ تنگ دل ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے حضرت پھر کس طرف سے چلوں۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے آپ میں رہو اور سیدھے چلتے جاؤ۔

؎ تا با تو توئی ترا بدیں حرف چہ کار کین آب حیوان ست ز آدم بیزار

یہ بات سنتے ہی خواجہ گل جوم اٹھے۔ شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ توبہ کی سفر
حجاز پر روانہ ہوئے اور بندگان خاص سے ہو گئے۔

خواجہ ابوالفتح کی روایت ہے۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ ایک دفعہ نیشاپور سے
روانہ ہوئے اور مدینہ میں آرہے تھے۔ ایک بہت بڑا ہجوم آپ کے ساتھ تھا۔ دوسرے
دن مشہد میں ایک مجلس میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ حدِ نگاہ تک حاضرین بیٹھے ہوئے
تھے۔ بڑا اچھا وقت بنا ہوا تھا۔ نعرہ تکبیر۔ سبحان اللہ۔ مرحبا بلند ہو رہے تھے حاضرین
پر ایک کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ حضرت کے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا تھا جسے احمد بوشرہ
کہتے تھے۔ اس کا معمول تھا۔ کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ساری رات شراب نوشی میں
مشغول رہتا۔ اور ہاؤ ہو کا شور رہتا۔ یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔ اس کے اس فعل سے
حضرت کے خادم صوفیہ اور دوسرے عقیدت مند بڑے نالاں تھے۔ سب نے یہ پروگرام
بنایا کہ اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے اور اس کا مکان منہدم کر دیا جائے تاکہ یہ تماش بینوں
کا اڈا ختم ہو جائے حضرت نے بھی ان کی یہ باتیں سنیں۔ تو فرمانے لگے۔ سبحان اللہ۔
ایک باطل کا اتنا اثر ہے۔ کہ تم لوگ حق چھوڑ کر اس کے درپے ہو گئے ہو۔ تم اپنے حق ا
صداقت میں اتنے کچے ہو۔ کہ اس کے شرور کو چھوڑ کر باطل کے درپے ہو گئے ہو۔ حالا
حق کی روشنیوں کا یہ اثر ہونا چاہیئے۔ کہ باطل ان کے سامنے ماند پڑ جائے" حضرت کی با
سن کر سب کے سب دم بخود ہو گئے بعض نرم دل رونے لگے اور خاموش رہے وہ د
گزر گیا۔ حضرت نے کچھ نہ کہا۔ اور نہ ہی وعظ کیا۔

دوسرے دن خواجہ ابوالفتح اپنے والد مکرم حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی
خدمت میں حاضر تھے۔ احمد بوشرہ حضرت کے سامنے سے گزرا۔ مگر سر جھکائے گزر گیا۔ یو
محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ شرمندگی سے حضرت سے آنکھیں نہیں ملا سکتا وہ آگے چلا گ
مگر حضرت نے اسے آواز دیکر بلایا۔ اور کہا" اسلام علیکم"، ہم دونوں کی آپس میں دشم

تو نہیں ہے۔ ہم تو ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں اور نیک ہمسائے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسائے کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر کبھی آپ کے ہاں مہمان آ جائیں۔ اور کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا تکلف منگوا لیا کریں۔ اگر کوئی خدمت درکار ہو تو بلا کم وکاست حاصل کر لیا کریں۔

یہ بات سنتے ہی احمد بوشرہ نے حضرت کے قدم چوم لئے اور کہنے لگا حضرت آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ کہ آپ کے آرام میں خلل ہو۔ توبہ کرتا ہوں۔ اور مرید ہوتا ہوں۔

خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت شیخ کا وصال ہو گیا ہر ایک کو وصیت کی گئی۔ احمد بوشرہ ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ابھی تک روشنائی نظر نہیں آئی آپ جا رہے ہیں میں کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو۔ جس کی نگاہوں نے میرے چہرے کو دیکھ لیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے فضل کرم کی بارشیں ہونے لگتی ہیں۔

خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کا دستور تھا کہ بدھ وار کو حمام میں جاتے۔ نہاتے۔ لباس بدلتے اور کچھ وقت گزارتے۔ ایک بار شیخ محمد جوینی قدس سرہٗ آپ کو ملنے آئے۔ مگر آپ کے متعلق دریافت کر کے حمام میں ہی چلے گئے۔ آپ نے فرمایا خواجہ! یہ حمام کی آسائش اور سکون کیوں کر ہے۔ خواجہ نے فرمایا۔ لوگ تھکے ماندے آتے ہیں۔ گرم پانی سے نہاتے ہیں۔ گرم فضا میں انہیں سکون ملتا ہے اور انہیں آرام ملتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے کوئی بہتر چیز بیان کرو۔ خواجہ محمد جوینی نے کہا۔ حضرت سارا ہفتہ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ کپڑے میلے ہو جاتے ہیں۔ بدن ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں بال بڑھ جاتے ہیں یہاں آتے ہیں نہاتے ہیں لباس بدلتے ہیں۔ بال ترشواتے ہیں حجامت بنواتے ہیں اعصاب پر دباؤ اور تھکاوٹ سے سبکسار ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے آپ کو خوش تر پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خواجہ اس سے بھی اچھی بات سناؤ خواجہ

محمد جوینی کہنے لگے۔ حضرت اب آپ کچھ بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دو مخالف طبیعتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں لیکن آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں انہیں اپنی مخالفت بھول جاتی ہے۔ خواجہ محمد جوینی رو پڑے اور کہا حضرت جو بات آپ کو سوجھتی ہے اس کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا۔

غرورِ خرد:۔ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ وعظ فرما رہے تھے۔ اسی مجلس حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے بھی موجود تھے آپ نے دوران گفتگو فرمایا عہد نبوت سے لے کر آج تک جو بزرگان دین نجات یافتہ ہیں۔ ان کا ایک مکمل سلسلہ اور رابطہ ہے۔ ان میں سے اس صاحبزادے کے والد مکرم خواجہ ابوالحسنؒ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجہ خرقانی فرمایا کرتے تھے کہ علماء امت کا فتویٰ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو نورِ عقل سے دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے اللہ کو عقل سے دیکھنے کی کوشش کی تو اپنے آپ کو نابینا پایا۔ جب تک اللہ تعالیٰ وجدان کی روشنی نہ دے۔ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ اسے کچھ نظر آ سکتا ہے میں نے ہزاروں کا ہاتھ پکڑا ہے۔ اور غرورِ عقل کے اندھیرے سے باہر لایا ہوں۔

میرے والد مکرم نورالدین منور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے نیشاپور کے قیام کے دوران کہیں جا رہے تھے۔ آپ بازار حرب میں پہنچے۔ دکانیں آراستہ اور پُر میوہ تھیں۔ نیشاپور کے تمام بازاروں میں سے یہ بازار نہایت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ حضرت وہاں پہنچے تو پوچھا۔ اس بازار کو کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا۔ حرب! آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ جن لوگوں کے بازارِ حرب کا یہ عالم ہو۔ ان کے بازار صلح کی کیا رونق ہوگی۔ میرے والد مکرم نے مزید فرمایا۔ ایک دن میرے والد مکرم مجلس وعظ سے فارغ ہوئے تو باہر ایک تخت پر تشریف فرما ہوئے قاریان خوش الحان بھی موجود تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی مختلف مسائل پر گفتگو کر رہے تھے ہر شخص کسی نہ کسی مسئلہ پر دریافت کر رہا تھا۔ حضرت دیکھ رہے تھے لوگ پوچھتے رہے آپ نے فرمایا۔

گر ہمی سخن ز باد و باد ام دست   باور دو نسا، وطوتی یاد من بس

اگر میں خلق میں بیٹھے بیٹھے یار کے لئے بازو کشادہ کروں۔ ورد۔ نساد اور طوس کے دولت سما جائیں۔

وصلی اللہ علی محمد وآلہٖ اجمعین فرماتے ہوئے۔ منہ پر ہاتھ پھیرا تخت سے نیچے آئے اور پھر مزید کچھ نہ کہا۔ سارا دن گزر گیا۔ آپ نے کچھ بیان نہ کیا۔ حضرت شیخ کی ابتدائی زندگی میں مینہہ کے لوگ آپ کے منکر تھے۔ اکثر مخالفت کرتے۔ مینہہ کا رئیس خواجہ حمویہ نے سرخس سے ایک عالم کو بلایا۔ یہ عالم پرلے درجے کا متعصب اور بزرگان دین کا منکر تھا۔ اس نے فتویٰ دیا کہ حضرت کی مجالس میں جانا خلافِ شریعت ہے۔ ایک دن حضرت شیخ کی مجلس وعظ میں عالم دین حمویہ بھی تشریف لے گئے۔ کسی نے مجلس سے اٹھ کر حضرت شیخ سے سوال کیا۔ حضرت کیکڑے کا خون پاک ہے یا پلید۔ اور اس کا خون کس قدر کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا دھونا چاہیئے حضرت نے خواجہ حمویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کیکڑے کے مسائل تو امام حمویہ سے دریافت کریں یہ ان مسائل کے ماہر ہیں۔ ہم سے تو حضور کی حدیث کی بات پوچھئے۔

ازما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس!

شیخ کا دستور تھا۔ کہ اپنے خادم خواجہ حسن مودّب کو ہر جمعہ کے دن خواجہ حمویہ کی خدمت میں بھیجا کرتے۔ ان کے حالات دریافت فرماتے کوئی نہ کوئی پیغام دیتے اور مزاج پرسی کرتے۔ آپ کے اس طریقہ محبت سے حضرت خواجہ حمویہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور حضرت کی توجہ پر فخر کرتے ایک دن جمعہ کے دن سخت سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ برفانی طوفان چل رہے تھے حضرت شیخ کو ایک مسئلہ پر مشورہ لینا تھا۔ حضرت نے خواجہ حسن مودّب کو بلایا۔ اور فرمایا۔ خواجہ حمویہ کے پاس جاؤ ہمارا سلام کہو۔ اور کہنا۔ کہ آج سخت سردی ہے۔ اگرچہ آج بات کرنے کے حالات تو نہ تھے۔ مگر میں اس لئے حاضر ہو گیا ہوں۔ کہ آپ کا دل مغموم نہ ہو جائے اور یہ خیال نہ آئے کہ شیخ نے سردیوں کے طوفانوں کے سامنے خلوص ومحبت کو جھکا دیا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ مجلس فرما رہے تھے۔ مجلس کے دوران فرمایا۔ ایک وقت آئے گا

کہ انسان ایک جگہ سال بھر بھی مقیم نہ رہ سکے گا۔ کسی حجرہ میں پانچ دن تک آرام نہ پا سکے گا کسی مسجد میں ایک دن تک قیام نہیں کر سکے گا۔ آپ نے مزید فرمایا۔ کہ ایک نوجوان ایک بوڑھے کے پاس آیا۔ کہنے لگا۔ بابا۔ ہمیں کوئی بات تو بتاؤ۔ بوڑھے نے سر نیچے جھکا لیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ نوجوان! تم ابھی تک انتظار کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں بابا! فرمایا۔ جو کچھ بھی اللہ کے سوا ہے اس کے متعلق بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور جو چیز اللہ کے اسرار میں سے ہے۔ وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

اِن اللّٰہ تعالیٰ اَجلَ من اَن یوصف او یذکر زیذکرط۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ نیشاپور میں تھے۔ ایک دن لوگوں نے آپ کو ایک خانقاہ میں دعوت دی تاکہ وعظ کر سکیں۔ یہ خانقاہ حضرت سید اجل حسن کے گھر کے ساتھ ہی تھی۔ رات کو مجلس سماع گرم ہوئی صوفیا پر حالت وجد طاری ہوئی تو ہر طرف حق ہو کا شور برپا ہوا۔ بعض صوفیا رقص کرنے لگے۔ اس شور و غوغا سے سید حسن کی نیند اچاٹ ہو گئی اپنے خادموں سے پوچھا کہ یہ کیا شور و شر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خانقاہ صندوقی میں شیخ ابوسعید آئے ہوئے ہیں اور صوفیا اس وقت وجد میں آ کر رقص کر رہے ہیں۔ سید حسن ان دنوں صوفیا کے سخت خلاف تھے اور ان کے اطوار و احوال سے منکر تھے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو کہا۔ چھت پر چڑھ کر ان صوفیوں پر پتھراؤ کرو۔ چنانچہ سید حسن کے ملازم کوٹھے پر چڑھ گئے۔ اور دیوار کی اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ مجلس میں برسانے لگے صوفیا کو بڑی تکلیف ہوئی۔ حضرت شیخ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ سید حسن اجل کے ملازم اینٹیں برسا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو اینٹیں پھینکی گئی ہیں میرے پاس لاؤ۔ لوگ لے کر آئے تو آپ ایک ایک ٹکڑے کو اٹھاتے۔ بوسہ دیتے اور آنکھوں پر لگاتے جاتے اور ایک طباق میں رکھتے جاتے تھے اور فرماتے کہ خاندان نبوت جو کچھ بھی دیں اسے تبرک سمجھیں اور اسے دل و جان سے قبول کریں۔ ہماری وجہ سے ایک سید زادے

کی نیند میں خلل آیا ہے اور ہم بازار عدنی گریاں میں چلیں اسی وقت اٹھے گھوڑے پر سوار ہوئے اور سارے مجمع کے ساتھی بازار عدنی گریاں میں چلے گئے۔ سید حسن کے خادموں نے دیکھا۔ تو نیچے اتر آئے۔ اور سارا واقعہ سید حسن کو سناتے جاتے۔ اور ساتھ ہی روتے جاتے۔ سید حسن نے سمجھا ان لوگوں کو صوفیاء نے مارا ہے۔ پوچھا تم لوگ روتے کیوں ہو۔ انہوں نے سارے حالات تفصیل سے بیان کئے تو سید حسن بے حد شرمسار ہوئے اس شرمساری کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ سید حسن بیمار ہو گئے۔ بستر پر پڑے روتے جاتے اور کہتے کہ میں نے صوفیار کا دل دکھایا ہے اس کیفیت سے صوفیار کے خلاف نفرت کے جذبات ختم ہو گئے۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ ساری رات کروٹیں بیتے گذری۔ دوسرے دن علی الصباح اٹھے حکم دیا کہ میری سواری تیار کریں۔ سوار ہو کر حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ رات کے واقعہ کی معافی طلب کریں ادھر حضرت شیخ بھی صبح صبح اُٹھ کر صوفیا کی ایک جماعت کے ساتھ سوار ہوئے۔ اور سید حسن کے گھر کو آرہے تھے۔ تاکہ رات کے واقعہ پر معافی مانگیں۔ دونوں بزرگ نیشاپور کے چوک میں ملے۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ اور عذر کرنے لگے۔ اور ہر ایک دوسرے سے کہتا۔ آپ اپنے گھر واپس جائیں میں آپ کے پاس حاضر ہوتا ہوں۔ سید اجل نے کہا۔ حضرت اگر آپ اپنے گھر واپس جائیں تو میں سمجھوں گا آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ میں خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کروں گا حضرت نے فرمایا۔ مجھے سید زادہ کے حکم کی تعمیل عزیز ہے۔ واپس آئے دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے معذرت چاہی۔ ایک دوسرے کو معاف کیا۔ تمام صوفیار کے دلوں کا غبار بیٹھ گیا۔

حضرت سید اجل عرض کرنے لگے۔ اگر حضرت شیخ آج رات ہمارے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ تو میرے لئے باعثِ صد افتخار ہو گا۔ حضرت شیخ اسی رات سید اجل کے گھر گئے۔ سید حسن نے بڑے پر تکلف طریقہ سے دعوت کی۔ آپ کے آداب کو برقرار رکھا۔ دونوں حضرات کے صوفیا اور ملازم اکٹھے رہے۔ اس دن سے سید اجل حضرت شیخ سے ارادت و محبت کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت شیخ جب تک نیشاپور میں رہے۔ سید حسن اجل نے آپ پر تیس ہزار دینار

خرچ کیے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ کی مجلس وعظ کے دوران ایک درویش اٹھا۔ اور ایک لمبا واقعہ بیان کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ درویش۔ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایک بات سناتا ہوں وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ اتنے لمبے واقعہ سنانے سے کیا فائدہ! اب تم نے سوال کرنا ہو تو صرف اتنا کہہ دیا کرو۔ سچ بولنا امانت ہے! جھوٹ بولنا خیانت ہے! مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے!! اس نوجوان نے کہا۔ میں اب ایسا ہی کہوں گا۔

شاہ سرخس:۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کو ایک دن انقباض کی کیفیت طاری ہوئی آپ اپنے معمول کے مطابق مینہ سے سرخس کو روانہ ہوئے۔ جب دشتِ کرد میں پہنچے۔ تو لقمان کو دیکھا۔ لقمان نے کہا ابوسعید کہاں جا رہے ہیں؟ کہا میرا دل تنگی محسوس کر رہا تھا۔ سرخس جا رہا ہوں لقمان نے کہا جب آپ سرخس پہنچیں تو شاہ سرخس کو میرا اسلام کہنا۔

حضرت شیخ ابوسعید کہتے ہیں۔ ہم سرخس میں پیر ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ کہ کسی نے اندر آ کر کہا۔ کہ لقمان رو رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں مجھے رباط بورجا میں لے جائیں۔ تین دن سے اس نے سوائے رونے کے بات تک نہیں کی آج اس نے کہا ہے کہ پیر ابوالفضل کو کہہ دیں کہ لقمان جا رہا ہے کوئی کام ہو تو بتلایئے۔ پیر ابوالفضل نے سنا۔ تو فرمایا۔ ہم بھی وہاں جائیں گے۔ اٹھے مجمع کے ساتھ نکلے۔ لقمان نے آپ کو دیکھا تو مسکرائے۔ پیر ابوالفضل ان کے سرہانے جا بیٹھے۔ اور انہیں دیکھتے جاتے تھے۔ گرم گرم آہیں بھرتے جاتے۔ لب نہ ہلتے تھے کسی نے مجمع میں سے لا الہ الا اللہ پڑھا۔ لقمان نے مسکراتے ہوا کہا۔ ہم نے خرچ ادا کر دیا ہے اپنی برات حاصل کر لی ہے اور توحید پر قائم ہیں۔ ایک درویش نے کہا۔ اب اپنے آپ کو یاد کرنا چاہیئے لقمان فرمانے لگے۔ اس کی بارگاہ میں ہم لڑ تو نہیں سکتے۔ پیر ابوالفضل کو یہ بات بڑی پسند

آئی فرمایا۔ سچ کہتے ہیں! چند لمحوں کے بعد اس کی روح پرواز کر دی جان دینے کے باوجود لقمان کی آنکھیں اپنے پیر کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ذرہ بھر تبدیلی نہ تھی۔ لوگ باتیں کرنے لگے۔ کوئی کہتا کہ ختم ہو گئے۔ کوئی کہتا نہیں ابھی تک جان ہے۔ اس کی نظریں درست دیکھ رہی ہیں۔ پیر ابوالفضل فرمانے لگے۔ جاں بحق ہو گئے ہیں۔ لیکن جب تک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے اس کی آنکھیں کھلی رہیں گی دوست دوستوں کے چہرے سے آنکھیں نہیں ہٹاتے۔ یہ کہتے ہوئے ابوالفضل اٹھے۔ لقمان نے آنکھیں بند کر لیں۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید تا ئن پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کی بہت دعوتیں کیں۔ ایک دعوت پر حضرت شیخ پہنچے۔ تو کسی کو خواجہ ابوسعید حداد کو بلانے بھیجا۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ چالیس سال ہو گئے ہیں کہ میں نے اپنا ہی کھانا کھایا ہے۔ کسی کا کھانا نہیں کھایا۔ حضرت شیخ نے سنا تو فرمایا۔ ہمیں پچاس سال ہو گئے ہیں نہ اپنا کھانا کھایا۔ اور نہ کسی کا۔ جب کھایا اپنے اللہ کا دیا کھایا۔ اور اسی سے مانگا ہے

انہی دنوں جب حضرت شیخ تا ئن میں موجود تھے۔ ایک بزرگ آدمی جن کا اسم گرامی محمد تائینی تھا بسا اوقات حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اور شیخ کی دعوتوں میں بھی شرکت کرتے۔ ایک دعوت پر وہ حسب معمول شریک دعوت تھے۔ مجلس سماع برپا ہوئی رقص کا دور دورہ تھا وہ مجلس سے اٹھے اور باہر آ کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ لوگ سماع سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا اور جہاں غروب ہوتا ہے۔ اس مقام میں حضرت محمد تائینی جیسا فاضل اور بزرگ دوسرا کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ لیکن آپ اس حدیث سے سرمو واقفیت نہیں رکھتے کہ سماع کا کیا مقام ہے۔!

ایک بار نیشاپور میں حضرت شیخ کی مجلس میں کئی بزرگ موجود تھے جن میں استاد اسماعیل صابونی۔ محمد جوینی۔ استاد ابوالقاسم قشیری کے اسمائے گرامی خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ

ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ رات کو کون کون سا وظیفہ کیا جاتا ہے۔ جب حضرت شیخ کی باری آئی۔ تو ان بزرگوں نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ کون سا وظیفہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ہر رات اپنے اللہ کو کہتا ہوں۔ یا اللہ میرے درویشوں کو کل ایسی اچھی چیز عطا کر جس کو کھا کر خوش ہو جائیں۔ ان بزرگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا حضرت یہ کیسا وظیفہ ہوا۔ آپ نے فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

اِن اللہ تعالیٰ فِي عَونَ العَبدِ مادام العبد فِي عَونِ اَخیہ المُسلِم

یہ سن کر سب بزرگوں نے کہا۔ شیخ کا ورد سب سے افضل ہے۔ اس حکایت میں نکتہ یہ ہے کہ جو وظائف آپ لوگ پڑھتے ہیں۔ یا نماز و روزہ کرتے ہیں وہ تو آخرت کے ثواب اور درجات کے حاصل کرنے کے لیئے ہے یہ آپ لوگوں کے نفس کا حصہ ہے۔ اگر نیکی کرو گے تو اس کا ثواب بھی زندگی میں پائیں گے۔ چنانچہ ہمارے تمام اوراد۔ وظائف اور عبادتیں صرف اپنی ذات کے لیئے ہیں۔ مگر شیخ کا ورد دوسروں کے فائدے کے لیئے ہے مگر ایک بزرگ کے اقوال میں یہ پایا جاتا ہے کہ وہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے اعضا اور بدن کو قیامت کے دن اتنا بڑا کر دے جس سے دوزخ کے تمام علاقے پُر ہو جائیں۔ اور کوئی گنہگار میرے سوا وہاں جگہ نہ پا سکے۔ دوزخ کے تمام عذاب میری ہی ذات پر ہوں۔ تیرے بندے اس سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ دعا دوسری دعاؤں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت امام جوینی امام الحرمین ابو المعالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد ابو محمد جوینی نے فرمایا کہ اٹھو! حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر کی خدمت میں جاؤ۔ شیخ جو کچھ بھی فرمائیں اسے یاد کر لینا اور پھر واپس آکر مجھے بتانا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام عرض کیا۔ حضرت شیخ نے مجھے پوچھا۔ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا خلافی۔ فرمایا۔ خلاف نہیں چاہیئے۔ خلاف نہیں چاہیئے۔ میں واپس آگیا۔ والد کی خدمت

میں حاضر ہوا اور حضرت شیخ کی زبان سے جو کچھ سنا تھا۔ میرے والد نے فرمایا آج کے بعد خلافی نہ پڑھنا۔ اب فقہ اور علم دین پڑھنا۔ میں اس دن سے دینی علوم پڑھنا شروع کئے۔ میں حضرت کی برکت سے اس مقام پر پہنچا ہوں۔

سفر ہرات:- ایک دفعہ حضرت شیخ ہرات کو جا رہے تھے۔ علماء و مشائخ کی خاصی تعداد آپ کے ہمرکاب تھی۔ صوفیار کا ایک مجمع ہم سفر تھا۔ جن میں قاری۔ نعت خوان اور قوال بھی تھے۔ جب زندکار گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں شہر سے تقریباً دو فرلانگ پر واقعہ ہے۔ اس گاؤں میں ایک مرد خدا رہتے تھے۔ جنہیں شیخ ابوالعباس زندہ کاری (ریکائی) کہتے تھے۔ ان کے ایک بھائی تھے۔ جو بڑے نیک سیرت اور محترم تھے وہ دونوں اکٹھا رہا کرتے تھے۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں دونوں نشست رکھتے تھے صوفیاء میں سے جو بھی آتا اسے اسی نشست گاہ میں ٹھہراتے اور دعوت کرتے اور خدمات تواضع بجالاتے۔ البتہ یہ لوگ سماع اور قوالی کے منکر تھے۔ حضرت شیخ تشریف لائے تو اسی نشست گاہ پر ٹھہرایا۔ جو کچھ ماحضر تھا پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے۔ حضرت شیخ نے کہا۔ کوئی شعر تو سنائیں۔ شیخ ابوالعباس کہنے لگے۔ ہمیں یہ عادت نہیں ہے حضرت شیخ نے قوال کو کہا اچھا تم سناؤ۔ قوال نے شعر کہا تو حضرت شیخ ابوسعید پر وجد طاری ہو گیا اٹھے اور رقص کرنے لگے۔ تمام مجمع بھی شیخ کے ساتھ رقص میں شریک ہو گیا۔ شیخ ابوالعباس نہ نہ کرتے رہے حضرت شیخ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے سینہ سے لگایا تاکہ وہ بھی رقص کرنے لگے۔ مگر وہ اپنے آپ کو کھینچتے رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ دیکھو! باہر دیکھو! اس نے صحرا پر نگاہ ڈالی۔ تمام درخت۔ پودے بلکہ ساری وادی حضرت شیخ کی موافقت میں رقص کرتے نظر آئے۔ شیخ ابوالعباس بے خود ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور اپنے بھائی کا بازو پکڑ کر کہا۔ بھائی آؤ۔ ہمیں اس شخص سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ دونوں رقص میں محو ہو گئے اور انکار کی کیفیت جاتی رہی۔ اس دن کے بعد سماع کے عادی ہو گئے شیخ اس دن وہاں ہی رہے۔ دوسرے دن ہرات میں آئے۔ شہر کے دروازے پہنچے

تو فرمانے لگے۔ اس شہر میں مسلمانی آباد ہو گئی ہے مگر کفر ابھی تک دندنا رہا ہے۔ شہر میں داخل ہوئے تو اس خانقاہ میں گئے جہاں خالو تھے۔ خانقاہ کے دروازے پر خالو کھڑا تھا شیخ نے اسے دیکھا اور اس نے بھی حضرت شیخ کو دیکھا۔ مگر ایک دوسرے سے بات نہ کی۔ آپ وہاں سے ہی واپس آ گئے اور قاضی ہرات کے گھر گئے۔ احباب کو لے کر اس کے گھر جا بیٹھے۔ قاضی کو اندر خبر ہوئی تو ننگے پاؤں دوڑا دوڑا باہر آیا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں دو زانو ہو کر آ بیٹھا۔ اور کہا حضرت کوئی بات تو کریں۔ حضرت شیخ نے فرمایا حُبُّ الدنیا رأسُ کُلِّ خطیئۃ (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے)، یہ بات کہہ کر اٹھے اور باہر نکل گئے۔ قاضی بڑی تواضع اور زاری کرتا رہا مگر شیخ ایک لمحہ بھی نہ رکے۔ باہر نکلے تو ہرات کا ایک عام شخص آپ کی رکاب پر ہاتھ رکھے جا رہا تھا۔ راستہ میں اس نے حضرت شیخ سے سوال کیا حضرت! اس آیۃ کریمہ کا کیا مطلب ہے۔ الرَّحمٰن عَلَی العَرشِ اَستویٰ۔ شیخ نے فرمایا ہمارے گاؤں میہنہ میں بوڑھی عورتیں بتایا کرتی تھیں کہ خدا ہے۔ اور کوئی عرش نہیں ہے آپ یہ باتیں کرتے کرتے ہرات کے دروازے سے باہر نکل آئے ایک محلہ جہاں پانی جمع کرنے کے لئے ایک بڑا سا تالاب بنا یا گیا تھا۔ اور لوگ اسے چاہ یعقوب کہتے تھے۔ پہنچے۔ اس پانی کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا تھا اور زور سے آواز دے رہا تھا۔ گوہر! باہر آؤ۔ ایک عورت نے گھر سے منہ باہر نکال کر جھانکا۔ وہ بوڑھی عمر کی کالی اور چیچک زدہ چہرہ عورت تھی۔ بڑے بڑے دانت جن کی مثبتی مذمت کی جائے کم ہے۔ حضرت شیخ اور دوسرے لوگوں نے اس بڑھیا کو دیکھا، فرمایا۔ ایسے سمندر کا ایسا ہی گوہر ہونا چاہیئے۔ پھر ہرات کے دوسرے دروازہ کو روانہ ہوئے جسے دروازہ درسرہ کہا کرتے تھے۔ جب دروازہ پر پہنچے۔ ایک شخص کو کھڑے پایا۔ اس نے ایک ایسی بات کہی جو حضرت شیخ کو سخت ناگوار گذری۔ آپ اس دروازہ سے بھی آگے بڑھے۔ حتی کہ حضرت ہرات سے باہر نکل آئے۔ لوگ آپ کو الوداع کہنے نکلے حضرت شیخ نے ہرات کے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا "ہرات والو! انی اَرٰیکُم بخیر

اِنّی اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ڈریں تمہیں خوش بخوش دیکھ رہا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم کسی بڑے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ) یہ کہہ کر آگے بڑھے اور ہرات میں ایک لمحہ بھی نہ رکے۔

آدھے شلغم سے علاج:۔ مجھے حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے بتایا کہ حضرت شیخ عبداللہ ابتدائے کار میں ریاضت کرتے ان کی دلی خواہش تھی کہ انہیں حقیقت کے اسرار و رموز سے واقفیت ہو۔ ریاضت کے علاوہ وہ پیران طریقت کی خدمت میں حاضر ہوتے علماء دین کی خدمت میں بیٹھتے۔ اور ان سے دعائیں کرواتے۔ بعض اوقات ان کی زبان پر فحش کلامی بھی آ جاتی حالانکہ دلی طور پر آپ فحش گوئی اور فضول باتوں کے سخت خلاف تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ یہ عادت بد ختم ہو جائے۔ لیکن وہ اس پر قابو نہ پا سکتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دن نیشا پور میں آئے حضرت شیخ بوسعید ابوالخیران دنوں نیشاپور میں قیام فرماتے تھے حضرت عبداللہ انصاری آپ کی مجلس میں گئے مگر دل ہی دل میں ڈرتے تھے کہ کہیں زبان سے کوئی فحش لفظ نہ نکل جائے۔ زیارت کرنے لگے تو اس وقت حضرت شیخ بیٹھے ہوئے تھے ایک مرید ان کی خدمت میں موجود تھا۔ اور شلغم پکا کر ان پر شکر بکھیر رہا تھا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ آپ اسے کھاتے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ انصاری حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے ایک شلغم جسے آدھا آپ نے کھایا تھا۔ عبداللہ انصاری کے منہ میں ڈال دیا۔ اس دن کے بعد ان کی زبان سے فحش کلامی ختم ہو گئی بلکہ غیر مناسب گفتگو بھی نہ نکلی۔ حقائق آشکارا ہو گئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ میری زبان سے جتنے حقائق نکلتے ہیں اس آدھے شلغم کا نتیجہ ہیں۔ جسے حضرت شیخ نے میرے منہ میں رکھا تھا۔

دنیا کی دولت اور دین کی سعادت:۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی خانقاہ کے صوفیا کے اخراجات کے

لئے پانچسو دینار نیشاپوری قرض لیئے۔ ایک دن حسن مودّب کو فرمایا گھوڑے پر زین کسو ہم ابوالفضل فراتی کے ہاں جانا چاہتے ہیں تاکہ یہ قرضہ وہ ادا کریں۔ حضرت شیخ صوفیوں کی ایک جماعت لئے روانہ ہوئے ایک درویش پہلے ہی یہ خبر لے کر ابوالفضل فراتی کے پاس پہنچ گیا کہ حضرت شیخ اپنا قرضہ ادا کرنے کے لئے اتنے دینار لینے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ اتنے لوگ ہیں۔ ابوالفضل آپ کے استقبال کو آگے بڑھے۔ بڑے احترام واعزاز سے حضرت شیخ کو ایک اچھی جگہ قیام فرمانے کا اہتمام کیا۔ بڑی بڑی پُرتکلف دعوتیں ہوئیں۔ تین دن رات میزبانی کا حق ادا کر دیا۔ ان تین دنوں میں ابوالفضل نے آرام نہ کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں کھڑے رہے۔ یا اِدھر اُدھر دوڑتے رہے۔ چوتھے دن اس سے قبل کہ حضرت شیخ کوئی مطالبہ کریں حسن مودّب کو علیحدہ بلایا۔ اور پانچسو دینار دے کر کہا اس سے شیخ کا قرضہ ادا کر دینا۔ ایک سو دینار مزید نکال کر دیئے اور کہا۔ یہ سفر خرچہ لے لیں۔ ایک سو مزید دیئے۔ کہ یہ وہ خرچہ ہے جو آپ لوگوں نے آتی بار کیا تھا۔ چنانچہ حسن مودّب حضرت شیخ کے پاس آئے۔ اور یہ ساری بات سنائی۔ حضرت نے شیخ ابوالفضل کو فرمایا۔ اب تمہارے لئے میں کیا دعا کروں؟ کہنے لگے۔ جو حضرت کی مرضی! فرمایا۔ کیا میں یوں کہوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے دنیا واپس لے لے ابوالفضل نے کہا نہیں یا حضرت اگر میرے پاس مال دنیا نہ ہوتا۔ تو آج آپ میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ نہ فرماتے اور میں خدمت کرنے سے قاصر رہتا۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔ اے اللہ۔ اس سے دنیا واپس نہ لینا۔ دنیا کی دولت اس کے لئے زاد راہ بنا دے اس کے لئے وبال جان نہ بنے۔ حضرت کی دعا کی برکت سے ابوالفضل کی اولاد اپنے زمانہ کی مالدار اور محترم لوگوں میں شمار ہوئی۔ انہیں بڑے بلند مراتب ملے۔ آپ کے بیٹے بزرگی اور ولایت کے مقامات بلند پر بھی پہنچے۔ یہ لوگ دین و دنیا میں خراسان کے معروف لوگوں میں شمار ہوئے۔

شرابی تائب ہو گیا: جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں قیام فرما تھے رات کو

اٹھے حسن کو بلایا اور کہا ابھی کوئی قوال بلا کر لاؤ۔ حسن باہر گئے۔ قوالوں کو ایک ایک کرکے ڈھونڈا مگر کوئی نہ ملا۔ تھک گیا۔ لوگوں نے ایک نوجوان کا پتہ بتایا۔ مگر وہ شراب خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ حسن شراب خانہ میں پہنچے تو وہ دھت پڑا ہوا تھا۔ لوٹ کر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اسے ہی لے آؤ۔ حسن شراب خانہ میں پہنچے اس نوجوان کو لیا اور خانقاہ میں لے آئے۔ نوجوان کی یہ حالت تھی کہ اسے نشہ میں کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں آیا ہے حضرت نے اس نوجوان کو کہا۔ کہ کچھ سناؤ۔ اس نے ٹوٹا پھوٹا شعر سنایا۔ مگر نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا۔ اور وہیں گر پڑا اور مستی کے عالم میں سو گیا۔ شیخ نے کہا اسے سونے دو صبح اٹھا۔ تو چلانے لگا۔ میں کہاں ہوں؟ حسن نے آگے بڑھ کر کہا۔ کہ تمہیں شراب خانہ سے اٹھا کر شیخ کی خدمت میں لایا گیا ہے۔ اور تم نشے میں سوتے رہے ہو۔ نوجوان ہر ایک کے پاؤں میں گرتا جاتا۔ اور شرمساری سے پانی پانی ہوتا جاتا۔ حضرت شیخ کے پاس پہنچا اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس کے کندھوں پر تھپکی دی۔ اسے حمام میں بھیجا۔ نوجوان نے حجام کو کہا۔ کہ میرے بال کاٹ دو۔ اس نے بال پکڑے کاٹ دیئے حضرت شیخ نے اپنے کپڑے پہننے کو دیئے تیس سال تک درویشوں کی خدمت کرتا رہا۔ اور حضرت شیخ کی نگاہ کی برکت سے نیک انسانوں میں شمار ہونے لگا۔

ایک مغنیہ:- ایک دن حضرت شیخ نے کہا کہ میرے گھوڑے پر زین رکھی جائے سواری تیار ہوئی تو حضرت شیخ سوار ہوئے۔ ایک جماعت ہمرکاب تھی۔ بازار میں پہنچے تو ایک گائیکا (مطربہ) عورت دکھائی دی۔ جو شراب میں مست تھی خوبصورت چہرہ اس پر غازہ لگائے حضرت کے سامنے آ کھڑی ہوئی لوگوں نے اسے جھڑکا۔ کہ تم کیا رہی ہے شرم کرو! یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ جب وہ اور نزدیک آئی تو حضرت نے فرمایا۔

آراستہ و مست بیازار آئی   اے نیم ترسی کہ گرفتار آئی!

ترجمہ :۔ تم بن سنور کر مست خرام بازار میں آرہے ہو۔ اور دوست! تمہیں پتا نہیں کہ گرفتار آرہے ہو۔ یہ شعر سنا تو عورت وجد میں آگئی۔ بڑی روئی۔ نزدیک کی مسجد میں چلی گئی۔ حضرت شیخ کے ایک مرید نے پکارا۔ حضرت نے فرمایا۔ جاکر دیکھو اس کی کیا حالت ہے۔ وہ آگے بڑھا تو عورت نے اپنا تمام قیمتی لباس۔ ریشمی کپڑے اور زیورات ایک کپڑے میں باندھ کر درویش کے حوالے کر دیئے۔ اور کہا شیخ کی خدمت میں پہنچا دینا۔ اور کہنا اب میں نے توبہ کر لی ہے میرے لئے دعا فرمائیں۔

وہ درویش کپڑے اور زیورات لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا پیغام پہنچایا۔ حضرت نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ فرمایا۔ جو کچھ اس عورت سے لائے ہو اسے بیچ کر حلوا اور نان لاؤ۔ اور غریبوں کو کھلاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت خود صحرا کی طرف چل نکلے۔ یہ واقع سارے شہر میں مشہور ہو گیا لوگ جوق در جوق حضرت شیخ کے پیچھے دوڑے ادھر غریبوں میں حلوہ اور کھانا تقسیم ہونے لگا لوگ کھانے لگے۔ مگر شیخ اور آپ کے صوفیا اس نظارے کو دیکھتے رہے۔ کھانا کھانے کے بعد عود اور صندل کو آگ پر جلایا گیا۔ خوشبو سے سارا بازار مہک اٹھا۔ شیخ پر رقت طاری ہو گئی نعرہ بلند کیا۔ اور کہا۔ جو سانس آتا ہے۔ اُسے دھوئیں اور ہوا کی نذر کر دو۔ لوگ یہ دعوت کھا چکے تو حضرت تمام لوگوں کے ساتھ شہر میں آئے۔ وہ مطربہ اپنی توبہ پر ثابت قدم تھی۔ وہ حضرت کی نظر التفات سے اپنے زمانہ کی نیک عورتوں سے شمار ہونے لگی۔

خواجہ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ روائیت کرتے ہیں کہ جن

والی خراساں کی اصلاح :۔ دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ سیف الدین والی نیشاپور حضرت کی زیارت کو حاضر ہوا۔ سیف الدین ان دنوں عالم اسلام کا بڑا حکمران تھا۔ خانقاہ میں آیا۔ بہت رویا۔ اور حضرت کو کہنے لگا۔ مجھے اپنی فرزندی میں قبول فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا تمہیں بہت بڑا منصب ملا ہوا ہے۔ تم فقیروں میں شامل ہو کر کیا کرو گے۔ جاؤ اور عدل و انصاف سے لوگوں کی خدمت کرو۔ اس نے انصاف کا وعدہ کیا۔ حضرت نے مزید فرمایا۔ اس بات کا عہد

کرو ظلم نہیں کرو گے اپنے لشکر پر پابندی لگاؤ گے کہ وہ عوام الناس پر زیادتی نہ کریں۔ اس نے وعدہ کیا۔ اب حضرت شیخ نے فرمایا آج سے تم ہمارے بیٹے ہو۔ سیف الدولہ سلام کر کے باہر آئے عدل و انصاف کو اپنا لیا۔ وہ اپنے عدل و احسان کی وجہ سے سارے خراسان میں مشہور ہو گیا۔ لوگ اس کی جوانمردی اور عدل گستری کی مثال دیا کرتے تھے۔

سلطان طغرل کا بھائی:- نیشاپور کے قیام کے دوران ایک دن حضرت شیخ استاد امام قشیری قدس سرہٗ کی خانقاہ میں وعظ فرما رہے تھے۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو بازار عدنی گویاں میں سے گزر ہوا۔ وہاں ہی راستہ میں ابراہیم نیال جو سلطان طغرل کا بھائی ملا۔ شیخ کو دیکھ کر اوبًا گھوڑے سے اتر پڑا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ قدم بوسی کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا سر کو اور نیچے کرو۔ اس نے اور جھکا لیا۔ شیخ نے فرمایا۔ اور نیچے کرو اس نے اور نیچے کر لیا حتیٰ کہ لوگوں کے سامنے اس کا سر زمین کی مٹی کو چھونے لگا۔ شیخ نے فرمایا۔ تمام شد! بسم اللہ کر کے اٹھو۔ اور سوار ہو جاؤ۔ شیخ خود آگے چلے آئے اور اپنی خانقاہ میں آ بیٹھے۔ غالبًا کسی درویش کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ کیا بات ہوئی جو حضرت شیخ نے بر سرِ بازار کی۔ کہ سلطان طغرل کے بھائی کو لوگوں کے سامنے ذلیل کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے کہ جو لوگ مجھے سلام کرتے ہیں میرے لئے نہیں کرتے۔ اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ہمارا جسم تو قبلہ خداوند کریم ہے۔ ورنہ مجھے کون جانتا ہے۔ یہ تو اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے ہم درمیان میں نہیں ہوتے۔ اس لئے جو اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ اُسے پوری طرح جھکنا چاہیئے ہم نے ابراہیم نیال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کو کہا تھا۔ اپنے سامنے تو نہیں حضرت نے مزید فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو قبلہ مسلمانان بنایا ہے۔ تاکہ مخلوق اس کو سجدہ کرے حالانکہ وہ اپنی ذات کو سجدہ کرانا چاہتا ہے۔ درمیان میں کعبۃ اللہ کے در و دیوار کیا حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے قبلۂ خلق بنایا ہے ہماری عزت تو صرف اس کے لئے ہے ہم تو مٹی کا قالب ہیں۔ درویش نے حضرت شیخ کے قدم چومے اور کہا جو کچھ یہ

بزرگان کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ظاہر پہ اعتراض کرنا باطن سے آنکھیں بند کرنا ہے۔

حضرت خواجہ امام ابو علی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ کہ میں نے حضور نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے سر پر تاج تھا۔ کمرہ میں ایک مرصع۔ لباس۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے پاس بیٹھے ہیں ابو القاسم جنید بغدادی اور ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہا آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی۔ سلام عرض کیا اور گذارش کی حضور یا رسول اللہ ما تقول من اولیاء اللہ؟ حضور نے فرمایا هٰذا منهم و انت آخرهم ماذا مضيت انت يشنا يك لا مذكر احد لبدك و اشار الى كل واحد منهم۔

کتاب کے مؤلف خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے امام اجل عزالدین محمود ایلیساشی طول اللہ عمرہٗ سے سنا تھا۔ جنہوں نے طوس میں حضرت امام عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ انہوں نے بتایا۔ کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ انہوں نے حضرت ابو سعید ابو الخیر سے خود سنا۔ کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس وقت میں نے خواب میں نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم صلوٰۃ اللہ علیہ و الہٖ کو دیکھا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ ابو سعید جس طرح آخری نبی ہوں اسی طرح تمام آخری اولیاء میں سے ہو۔ تمہارے بعد ایسا ولی کوئی نہ ہوگا۔ اپنی انگوٹھی اتار کر مجھے پہنا دی۔

مارا برکیسہ بند نیست و با خلق خدا جنگ نیست:۔ ایک بار حضرت شیخ میہنہ میں مجلس وعظ فرما رہے تھے دوران مجلس ماوراء النہر سے ایک درویش وارد ہوا۔ مجلس میں بیٹھ گیا۔ مجلس ختم ہوئی تو درویش نے آگے بڑھ کر حضرت شیخ کو سلام کیا تین دن تک خدمت میں رہا۔ ہر روز مجلس میں

بیٹھتا۔ تو حضرت ہمیشہ اسی کی طرف منہ کر کے وعظ فرماتے۔ اور بڑی خوبصورتی سے اظہار خیال فرماتے چوتھے دن مجلس کے دَوران ہی اس درویش نے نعرہ مارا۔ اٹھا۔ اور کہا کہ حضرت مجھے یہ بتائیں۔ آپ کیا ہیں؟ کیا چیز ہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ ہمارا خزانہ بند نہیں اور مخلوق خدا سے لڑائی نہیں ہے۔ درویش نے یہ بات سنی تو بیٹھ گیا۔ شیخ مجلس سے فارغ ہوئے درویش نے وطن جانے کی تیاری شروع کی۔ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا وہاں کے بزرگ مشائخ جمع ہو گئے اور حلقہ میں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگے۔ وہ درویش بھی ان کے درمیان بیٹھا تھا جب درویش کو گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ تو بزرگوں نے کہا میاں خراسان سے جو کچھ لے کر آئے ہو ہمیں بھی سناؤ اس نے بتایا۔ کہ میں نے ایک بزرگ میہنہ میں دیکھے ہیں۔ وہ اچھی باتیں کہتا تھا۔ میں ساری تو یاد نہیں رکھ سکا۔ مگر میں نے اس سے ایک سوال کیا۔ کہ تم کون ہو۔ اور احوال کیا ہیں؟ انہوں نے بتایا ہمارا خزانہ کھلا ہے۔ اور مخلوق خدا سے کوئی جنگ نہیں! یہ سن کر تمام مشائخ اٹھے اور خراسان کی طرف منہ کر کے زمین بوس ہوئے۔ اور حضرت شیخ کا ادب بجلائے

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید نیشاپور میں تھے۔ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ بھی نیشاپور میں ہی تھے۔ آپ نے حضرت شیخ کو نہ دیکھا تھا نہ ملاقات کی تھی۔ وہ حضرت شیخ کے منکر تھے۔ جو شخص ان کے پاس آتا حضرت شیخ کی باتیں پوچھتے۔ اسی طرح جو نہی امام قشیری حضرت شیخ کے خلاف باتیں کرتے تو لوگ وہاں جا سناتے مگر حضرت شیخ چپ رہتے۔ ایک دن حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شیخ ابوسعید اللہ کو دوست رکھتے ہیں مگر اللہ ہمیں دوست رکھتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان بس اتنا فرق ہے کہ ہم ہاتھی ہیں۔ جبکہ وہ مچھر ہیں۔ حضرت شیخ نے سنا تو فرمایا ہاتھی بھی آپ ہی ہیں اور مچھر بھی آپ ہی ہیں۔ ہم تو کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ہمارا تو وجود ہی نہیں وہ شخص حضرت امام کے پاس آیا۔ اور انہیں بتایا کہ حضرت شیخ یوں فرماتے ہیں امام قشیری نے اس وقت عہد کیا۔ کہ آج کے بعد حضرت شیخ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اس وقت تک کوئی بات نہ کی۔ جب تک آپ کی مجلس میں آنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر یہ ساری مخالفت محبت میں تبدیل ہو گئی

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ تو ایک عالم دین بیمار ہو گئے۔ آپ انکی بیمار پرسی کو گئے۔ ان کے پاس بیٹھے اور باتیں کرتے رہے اسی دوران اس عالم دین کے احباب جمع ہو گئے ان میں کچھ طبیب اور حکماء کے پاس بیٹھنے والے بھی تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ کہ فلاں چیز کا استعمال یوں ہوتا ہے۔ دوسرا کہہ رہا تھا فلاں چیزیوں دینا چاہیئے۔ ہر شخص اپنے اپنے ثواب دید کے مطابق بات کر رہا تھا۔ اور عالم دین ہر ایک کا جواب دیتے جاتے تھے۔ تمام کے تمام اپنی ہی باتوں میں مستغرق تھے۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت سے معافی طلب کی کہ ان لوگوں سے خوامخواہ باتیں کرتے رہے۔ حضرت نے فرمایا۔ آپ کو اس سے بہتر طریقہ سے مرنا چاہیئے۔ اس بات سے عالم دین اور محتاط ہوئے اور اسے احساس ہوا کہ واقعی اس نے غلطی کی ہے اور شیخ حق پر ہیں چنانچہ کہا۔ حضور جہاں آپ کی نگاہیں جاتی ہیں۔ ہم وہاں نہیں پہنچ سکتے۔

شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز مرو جا رہے تھے قصبہ لغبشور میں پہنچے تو آپ کو یہ قصبہ پسند نہ آیا۔ حالانکہ وہاں کے لوگ نیک سیرت۔ بزرگ۔ آئمہ مذاہب اور اہل تقویٰ تھے اس شہر میں اس وقت تیس ہزار مفتی اور متدین لوگ اس شہر میں تھے۔ شہر کے عوام اصلاح یافتہ تھے دیکھتے ہیں ایک بادشاہ نے اس شہر میں فساد کرانا چاہا۔ تو شہر کے چھوٹے بڑے سب جمع ہو کر کہنے لگے۔ ہم اپنے شہر میں فساد نہیں ہونے دیں گے۔ یا کسی قسم کی معصیت کا ارتکاب کرے۔ ہمارے نوجوانوں کو کوئی شخص فساد برپا کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا یا ان نوجوانوں کو کسی گناہ پر لگائے۔ ہم اپنے نوجوانوں کو یہاں تک بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ یہ خیال بھی کریں کہ فساد کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ حالت دیر تک قائم رہی۔ آخر کار لوگوں کے اتفاق اور نیک نیتی نے اس کو ناکام بنا دیا حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ العزیز اس شہر میں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ یہ شہر جنتیوں پر دوزخ ہے۔ وہاں سے مرو کو روانہ ہوئے قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو دیکھا۔ تو آپ سے بیعت ہو گئے حضرت شیخ چند دن وہاں ٹھہرے۔ ایک درویش نے اپنے بیٹے کے ختنے کرائے تو حضرت شیخ اور صوفیاء کو دعوت پر بلایا۔ حضرت اپنے صوفیا کو لے کر اس کے گھر پہنچے۔ کھانا کھانے کے بعد مجلس سماع

ہوئی شیخ پر ایک حالت خاص طاری ہوئی۔ وہاں سے اٹھے۔ خانقاہ میں آئے۔ صوفی بھی حضرت کے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ مگر قوال وہاں ہی گاتے رہے۔ اور شہر کے لوگ بھی وہاں ہی رہے۔ لوگوں کو اس قوالی اور سماع سے انکار تھا۔ قاضی حسین کے پاس جمع ہوئے۔ اور صورت حال پر اظہار خیال کرنے کو کہا۔ حسین قاضی نے حضرت شیخ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا۔ کہ لوگ آپ کی مجلس سماع کے منکر ہیں اور اب احتجاج کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے رقعہ پڑھا اس کی پشت پر لکھا۔

تو عزیز گشت خوئے بدآں خوب روئے را ورنہ چشم بد بخو اندیشس مردمان

قاضی نے یہ بیت پڑھا تو رونے لگا۔ اور لوگوں نے انکار سے توبہ کر لی۔

کہتے ہیں۔ حضرت شیخ مرو میں پہنچے تو یہ سارا قصبہ پیر بو علی سیاہ خواجہ جناز کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت شیخ وہاں سے باہر چلے گئے۔ صحرا میں آئے۔ خواجہ خباز ارادتاً رکاب تھامے ساتھ ہو لئے۔ جس وقت حضرت شیخ ان کے گھر پہنچے۔ تو خواجہ خباز نے آپ کی باگ پکڑ کر روکنا چاہا اور گذارش کی کہ میرے گھر قدم رنجہ فرمائیں۔ اور چند لمحات مجھے مشرف فرمائیں۔ حضرت تمام جماعت کو لئے وہاں ہی ٹھہرے۔ وہاں ایک بہت بڑا ستون تھا۔ اس پر بہت سی شہتیریاں رکھی تھیں۔ جس پر کھلا چھت تھا۔ گویا ساری عمارت اسی ستون پر کھڑی تھی۔ حضرت شیخ کی نگاہیں اس ستون کو دیکھ رہی تھیں آپ نے فرمایا لا بتوانک حملت ما حملت یہ کلمہ شیخ کی زبان پر آیا تو خواجہ نے برملا کہا۔ ہاں ہاں حضرت اس ستون پر بڑا خرچ آیا ہے میں اس پر بڑا کام کیا ہے۔ بڑی مشقت برداشت کی ہے پھر جا کر اس ستون کو کھڑا کیا ہے۔ سارے شہر میں اس سے بڑا ستون کہیں نہیں شیخ نے سن کر کہا۔ اے سبحان اللہ! ہم کہاں ہیں اور قاضی کہاں! اسی وقت اٹھے، وہ کہتا رہا۔ حضرت تشریف رکھیے۔ چند لمحے بیٹھے مگر حضرت شیخ اٹھے۔ اور عبداللہ مبارک کی حویلی میں چلے آئے۔ اور مرو میں نہ ٹھہرے۔

نیشاپور کے زمانہ قیام میں ایک بار حضرت شیخ نے نئے کپڑے سلائے اور انہیں ایک بار پانی میں دھو کر نمازی کیا۔ اور رسی پر ڈال دیئے تاکہ سوکھ جائیں ایزار پائی گم ہو گئی

ہر شخص سے پوچھا گیا مگر پتہ نہ چلا۔ یہ گستاخی کس نے کی تھی۔ حضرت شیخ رواق خانہ میں بیٹھے تھے۔ اور کچھ نہ کہتے تھے۔ ایک بوڑھا حضرت کے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھا رہتا۔ حضرت شیخ کو اس سے بڑی محبت تھی۔ اور بے حد عزت کرتے۔ صوفیاء نے کہا سب کو دیکھا یہ کہاں سے تلاش کریں۔ سب کی تلاشی شروع کی جائے۔ سب سے پہلے اس بوڑھے کے بستر کی تلاشی لی تو نیچے سے ایزار پائی نکل آئی۔ حضرت کو معلوم ہوا تو حکم دیا۔ اس کا بستر گلی میں پھینک دو۔ چنانچہ صوفیوں نے اُسے اٹھایا۔ اور گلی میں رکھ دیا۔ وہ بوڑھا وہاں سے اٹھا پھر اسے کسی نے نہ دیکھا۔

ایک بار حضرت شیخ کے ایک تاجر اور امیر مرید نے ایک ترک کنیز آپ کی خدمت میں پیش کی کہ وہ آپ کی خدمت کیا کرے گی۔ وہ کنیز آپ کی خدمت کرتی۔ بڑی نیک سیرت عورت تھی۔ شیخ نے اس کنیز کو اپنے بیٹے ابوطاہر کے حوالے کر دیا۔ کنیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رو رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ مجھے قطعًا یہ وہم نہ تھا۔ کہ آپ مجھے اپنی خدمت سے محروم فرما دیں گے۔ شیخ نے فرمایا۔ ابوطاہر ہمارے دل کا ٹکڑا ہے بیٹا ہے۔ ہم نے تمہیں گھر سے تو نہیں نکالا۔ صرف ان کے حکم میں کر دیا ہے۔ ہم تمہیں خدمت سے محروم تو نہیں کر رہے۔ چنانچہ یہ کنیز ابوطاہر کی خدمت کرتی رہی لیکن بایں ہمہ حضرت شیخ کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتی۔ ابوطاہر نے اسی کنیز سے شادی کی۔ مگر وہ حضرت شیخ کی خدمت گذاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی۔ حضرت نے ایک دن خوش ہو کر فرمایا۔ بیٹی!

از ترکستان کہ بود آرندہ تو گو زَرد۔ دیگر بیارہ مانندۂ تو!

یہی کنیز تھی۔ جس سے حضرت خواجہ ابوطاہر کے ہاں خواجہ ابوالفتح پیدا ہوئے۔

ملفوظات و اقوال

شیخ ابوسعیدؒ ابوالخیر قدس سرہ

○ "ہم چلتے چلتے کوہستان کے ایک دامن میں ایک گاؤں طرق نامی میں پہنچے۔ قیام کیا۔ ہم لوگوں سے پوچھا۔ کہ اس بستی میں کوئی بزرگ ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ یہاں ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ انہیں دادا کہتے تھے۔ ہم ان کے مزار پر حاضر ہوئے۔ زیارت کی۔ فاتحہ پڑھی۔ ہمیں وہاں بڑا سکون ملا۔ گاؤں کے چند لوگ آئے۔ ہم نے پوچھا۔ کسی نے دادا کو دیکھا تھا۔ انہوں نے بتایا۔ ہاں یہاں ایک بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے دیکھا تھا۔ اسے بلانے کے لئے آدمی بھیجا گیا۔ اُسے لایا گیا۔ بڑا پر جلال آدمی تھا۔ ہم نے پوچھا کیا آپ نے دادا کو دیکھا تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں میں اس وقت بچہ تھا۔ ہم نے پوچھا۔ ان کی کوئی بات سناؤ۔ کہنے لگا۔ مجھے اس وقت بات سمجھنے کا اتنا شعور تو نہ تھا۔ ہاں ایک بات مجھے یاد ہے ایک دن اُن کے پاس ایک گودڑی پوش آیا۔ سلام کیا۔ اور پوچھا کیا سفر کا لباس اُتاروں تاکہ آپ کے پاس چند لمحے آرام کر لوں۔ میں نے سارا جہاں پھرا ہے۔ آرام نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی مجھے آرام میں کوئی شخص نظر آیا ہے۔ دادا نے کہا۔ ارے غافل۔ تو اپنی ذات کا فکر دور کر دے۔ تو آرام سے رہتا۔ اور لوگ بھی آرام اور سکون کرتے۔ ہم نے کہا۔ اس نے پوری بات کہہ دی ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ اب آپ جائیں۔ اور اس تکلیف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

○ "ایک دن ایک دہریہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں آیا آپ اس وقت حق پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ صوفیاں حق کے متعلق اکثر بات کرتے

ہیں۔ لوگ اللہ کے نام کو مختلف اوصافی نام سے یاد کرتے ہیں۔ بعض رحمان کہتے ہیں۔ تاکہ انہیں روزی مل جائے۔ بعض رحیم کہتے ہیں تاکہ انہیں بہشت مل جائے۔ بعضے ملک کہتے ہیں۔ تاکہ انہیں مذہب اور مرتبہ مل جائے۔ ہر شخص جس چیز کی حاجت کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اللہ کو اسی قسم کے وصف سے یاد کرتا ہے۔ "صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کو حق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی ذات قادر نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ واسطہ رکھتے ہیں۔ ان کا لفظ پاکیزہ ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں حق۔ اس پر اس دھریے نے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو کہا یہ لوگ جو حق کہتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو دوسروں کو کسی قسم کی آلائش میں آلودہ نہیں کرتے۔ اور وہ خود ہمیشہ پاک صاف رہتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا وہ خود پاک ہے۔ سبحان ہے۔ ہر چیز سے پاک ہے بے نیاز ہے۔ اس کے ننانوے نام ہیں۔ قرآن۔ توریت۔ انجیل اور زبور میں اس کا مشترک نام سبحان ہے۔ جب سبحان کہا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب مکمل اور تمام ذات ہے۔ جب یہ نام لیا جائے۔ تو تمام گناہ محو ہو جاتے ہیں جس طرح بوڑھی عورتیں تسبیح لئے ہزار دانے شمار کرتی ہیں۔ ان کے آخر میں سرے پر ایک بڑا دانہ ہوتا ہے۔ اسے موذن کہا جاتا ہے جب اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو تمام دانے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ سبحان کہتے ہیں۔ تو تمام کی تمام پاکیزگی اس کی ذات کے لئے ہوتی ہے۔ کوشش کرنا چاہیئے۔ سبحان کا ورد زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ اللہ کی تمام مخلوقات سبحان اللہ کا ورد کرتی ہے۔ مگر انسان اپنی غفلت کی وجہ سے اس تسبیح کو سن نہیں سکتا۔ وہ بلبل جو ہزار سُروں سے آواز نکالتی ہے۔ ہر آواز میں سبحان اللہ کہتی ہے۔ مگر انسان صرف چند ایک آوازیں سن پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِن مِنْ شَیٍٔ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا یَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ ط

حکایت:۔ ہمارے شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ میں مرا پڑا ہوں۔ ٹھوڑی بندھی ہوئی ہے اور باتیں کر رہا ہوں ایک

شخص نے چلا کر کہا۔ او لوگو! جو باتیں کرتے ہو۔ اگر تم یہ دو باتیں کرو جو شیخ کرتے ہیں۔ تو پھر موت کیا ہے۔ مَاتَ العَبدُ وھُو لَمْ یُذلُ

ایک قاری نے حضرت شیخ ابو الخیر کے سامنے یہ آیۃ کریمہ پڑھی اِنَّ الّذِی فَرضَ عَلیک القرآن لَرَادُک الیٰ مَعَادٍ حضرت شیخ نے فرمایا مقرین نے اس آیۃ کریمہ کی یوں تفسیر کی ہے کہ اَرَادَ بہ فتح مَکہ اس آیت سے مراد فتح مکہ ہے۔ ہم اس کی یہ تفسیر کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ فتح مکہ کی قسم نہیں اٹھاتا۔ اراد بہ لِقاءِ الاِخوان۔ اس سے مراد بھائیوں کا دیدار ہے۔ فتح مکہ نہیں۔

○ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار کو پوچھا کہ آپکے نزدیک تورات میں کون سی آیت ایسی ہے۔ جو سب سے مختصر ہو کعب احبار نے کہا کہ تورات میں سب سے مختصر آیت یہ ہے اَلاٰمَنْ طَلَبَنِی وَجَدَنی۔ وَمَن طَلَبَ غَیرِی لَمْ یَجِدنیْ جس نے مجھے ڈھونڈا پا لیا۔ جس نے میرے سوا ڈھونڈا کچھ نہ پایا۔ اس آیت کے سامنے یہ بھی لکھا ہے۔

قَدْ طَالَ شَوقُ اَلاَبرارِ اِلیٰ تَعَالیٰ وَانَا اِلیٰ تعانیم

ان کی آرزو ین میرے دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں میں بھی ان کے دیکھنے کا شوق رکھتا ہوں۔

○ حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ اسے واحدانیت اور فردیت سے تلاش کرنا چاہیئے۔ مگر تم لوگ اسے سیاہی اور کاغذ کے صفحات سے تلاش کرتے ہو۔ کب پاؤ گے!

○ بعض حکما نے کہا ہے۔ وَلَدتَ بَاکِیاً۔ والناس یَضحکُونْ فاجتہدْ بَانْ تَموتْ ضَاحِکاً وَالنَاسُ یَبکُونَ: تم پیدا ہوتے وقت رو رہے تھے۔ اس طرح زندہ رہنے کی کوشش کرو۔ کہ تم مرتے وقت ہنستے ہنستے

جاؤ اور لوگ تمہارے لئے رو رہے ہوں۔

جائے کہ حدیث تو کنند خندانم ۔ خنداں خنداں بلب برآید جانم

جہاں تیرا ذکر ہوتا ہے۔ میں ہنستا ہوں۔ اور تیرے نام پر ہنستے ہنستے جان دے دیتا ہوں۔

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جسے علم توحید کے ایک ذرہ کا بھی علم ہو گیا اس کے لئے ایک مچھر کا بوجھ بھی ناقابل برداشت ہے وہ غیر اللہ کسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔

○ تا عشق ترا بر در آوردم تنگ ۔ از بیشہ بروں کرد مرا روبہ تنگ

جب سے تیرا عشق میرے سینے میں سمایا ہے۔ تو مجھے دنیا کے جنگل سے لومڑی نے بھی بھگا دیا ہے۔

○ اَشْرَفُ کَلِمَتِہٖ فِی التَّوحِیدِ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِخَلْقِہٖ سَبِیْلًا اِلٰی مَعْرِفَتِہٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ :۔ ترجمہ وہ ذات پاک ہے جس نے مخلوق کو صرف اپنی توحید کا راستہ ہی دکھایا جس نے بھی اُس کی معرفت حاصل کی عجز سے کی۔

○ یوسف بن الحسن قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ جو شخص بحرِ توحید میں جاتا ہے روز بروز تشنہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ کبھی سیراب نہیں ہوتا۔ اُس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے اس کی پیاس اللہ کے دیدار کے بغیر نہیں بجھتی۔

○ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ جس توحید کو صوفیاء کرام اختیار کرتے

ط۱ : سعدی نے کیا خوب کہا ہے۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ۔ ہمہ خندہ بدند تو گریاں

آنچناں زی کہ وقت مردن تو ۔ ہمہ گریاں شوند تو خنداں

ہیں۔ وہ تو قدیم سے جدید کو جدا کرنا ہے۔ اور اپنے وطن سے باہر آنے کا نام ہے اور معرفت و ریاضت اختیار کرنا ہے۔ اور جو چیز ان کے علم میں ہے اس کا بھول جانا ہے اور یہ ساری چیزیں اللہ کے لئے ہیں۔

○ "ایک شخص حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں علم غیب ہے تو علم توحید سے بھی واقف ہو تو ساری دعائیں تمہارے لئے درست ہیں اگر ایسا نہیں تو دریا میں ڈوبنے والے کو شور اور نعرہ کب بچا سکتا ہے!"

گر من این دوستی تو برم تا لب گور ۔ بزنم نعرہ ولکن ز تو بینم ہمبرا"

○ لوگوں نے حضرت خواجہ ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ کو پوچھا۔ کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے۔ کہ جب تم کھانا کھاتے ہو۔ تو لقمہ کو دل کے سکون سے آہستہ آہستہ چبا کر کھاؤ اور یہ یقین کرلو۔ جو تمہارا حصہ ہے۔ وہ ضائع نہ ہو"

○ حضرت ابوعبداللہ رازی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ مجھے سردی اور بھوک نے آگھیرا۔ میں سو گیا۔ غائب سے آواز سنی۔ کیا تمہیں خیال ہے کہ عبادت صرف نماز اور روزہ کا ہی نام ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے تابع بنا لینا نماز و روزہ سے افضل ہے"

○ "لوگوں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تصوف تو تمام کی تمام ترک ہے لوگوں نے عرض کی حضرت تشریح فرمایئے۔ فرمایا کہ دل تصوف تو اس چیز کا نام ہے۔ کہ دل کو غیر کی جزئیات سے بھی محفوظ رکھا جائے غیر جزو نہیں ہوا کرتا"

○ ایک دن حضرت شیخ جنید رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے اِرد گرد فقراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک درویش نے کہا الحمد للہ رب العالمین دوسرے درویش نے کہا۔ یہ عالمین کیا ہوتا ہے۔ جس کا ذکر اللہ کی ذات کے ساتھ ہے

حضرت جنید نے فرمایا۔ کہ جب نئی چیز کو قدیم ذات سے ملایا جائے اور نئی چیز تو نا پائیدار ہوتی ہے۔ قدیم قائم رہتی ہے۔ نئی چیز (محدث) قدیم میں گم ہو جاتی ہے۔"

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ۔ اللہ اللہ اللہ بہت کہا کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ صرف اللہ اللہ ہی کہتے ہو فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس کے نام کو نفی (انکار) کے الفاظ سے یاد کروں تب مجھے ڈر آتا ہے کہیں لا الٰہ کہتے ہوئے مر جاؤں تو اللہ کے نام سے محروم رہ جاؤں۔

○ لا الٰہ تو آغاز ذکر ہے۔ مگر الا اللہ انتہائے ذکر ہے۔ ایک سالک کئی سال تک لا الٰہ درست نہ کرے۔ الا اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

○ " حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جہاں ایک تازیانہ کام کر جائے وہاں تلوار کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر میرے اور مخلوق کے درمیان ایک بال کا رشتہ بھی ہو۔ تو وہ بال کا رشتہ اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا۔ جب وہ کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جب وہ سست رو ہو جاتے تو میں اسے کھینچ لیتا ہوں۔"

○ کلیلہ و دمنہ میں لکھا ہے۔ کہ زبردست بادشاہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے سوائے تسلیم و رضا کے چارۂ کار نہیں۔ اس کی مثال ترحشیش کی سی ہے جس وقت تیز طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ زمین کے ساتھ بچھ جاتی ہے اور ہوا کا طوفان اس سے گزر جاتا ہے مگر وہ تناور درخت جو کھڑے رہتے ہیں وہ طوفانوں میں جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ جنگل میں شیر کو دیکھ کر زمین پر لیٹا جائے۔ اور تواضع کرکے تو شیر ایسے شخص کو کچھ نہیں کہتا۔ شیر عظیم طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ظرف بلند ہوتا ہے وہ کسی کمزور چیز کو تنگ نہیں کرتا۔ یاد رکھو کمزور اور ضعیف دشمن پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے آگ فتیلے کو اتنا نہیں جلاتی جس قدر باہمی عداوت قبیلہ کو تباہ کرتی ہے۔ عتاب اندرونی کینہ سے

بہتر ہوتا ہے حضرت ناصح کا زخم دشمن بد آموز سے بھی زیادہ دردناک ہوتا ہے۔"

○ "احمق کو ادب کرنا ایسے ہی ہے۔ جو حنظل (تمے) کے نیچے پانی رکھ دیا جائے جس قدر پانی میں بھیگتا جائے گا۔ پانی کڑوا ہوتا جائے گا۔"

○ "عقل مندوہ ہے۔ جب اسے کوئی مشکل درپیش آئے۔ تمام آراء اور مشوروں پر غور کرے نہائیت بصیرت سے ان پہ غور کرے۔ جو اچھی چیز ہو اس پر عمل کرے اور بری چیزوں کو چھوڑ دے ایسے ہی ہے۔ کہ اگر کسی کا ایک دینار مٹی میں گم ہو جائے اگر دانا ہو گا تو وہاں کی تمام ریت کو جمع کرے گا اسے چھلنے گا۔ اور اس طرح گم شدہ دینار کو پائے گا۔"

○ "ایک اعرابی کا ایک بیٹا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ وہ اس صدمہ پر زار زار روتا تھا۔ لوگوں نے صبر کی تلقین کی اور کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں انہیں بے پناہ ثواب ملتا ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا صبر بہت سخت ہے۔ رونے سے دل ہلکا ہوتا ہے مگر ایسے صبر سے دل بند ہوتا ہے اور سیاہ ہوتا ہے۔"

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مخلص دوست تھے جو سفر اور حضر میں ایک دوسرے کے ساتھی رہتے۔ ایک بار انہیں سمندر کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ جب جہاز سمندر کے درمیان پہنچا۔ ایک شخص جہاز کے چھت (عرشہ) پر جا چڑھا۔ جہاز نے ہچکولہ کھایا اور وہ سمندر میں جا گرا۔ دوسرے نے بھی اسے دیکھتے ہی چھلانگ لگا دی۔ جہاز وہاں ہی لنگر انداز ہو گیا۔ غوطہ زن پانی میں گئے۔ اور انہیں نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابھی تک دونوں زندہ تھے۔ ان کے حواس درست ہوئے تو پہلے گرنے والے دوست نے دوسرے سے پوچھا۔ میں تو اتفاقاً سمندر میں گر پڑا تھا۔ تمہیں چھلانگ لگانے کی کیا ضرورت تھی کہنے لگا۔ مجھے اپنی ذات سے دوری اور تیری ذات میں محویت تھی۔ میں نے سمجھا کہ میں دراصل تیری ہی ذات سے مثل تھا۔

○ ایک خلیفہ کی چچا زاد بہن تھی۔ جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ ایک دن دونوں باہر نکلے تو راستہ میں ایک کنواں دیکھا۔ وہ کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے اتفاقاً خلیفہ کی انگوٹھی

کنویں میں گر پڑی۔ لڑکی نے اپنی انگوٹھی اتاری اور کنویں میں پھینک دی۔ خلیفہ نے لڑکی سے پوچھا۔ تم نے یہ کیا کیا اور کیوں کیا ہے کہنے لگی۔ میں نے جدائی کے صدمات آزمائے ہوئے ہیں میرا دل نہ چاہا۔ کہ میرے چاہنے والے کی ایک چیز کنویں میں رہے اور میری انگلی کی یہ انگوٹھی اس سے دور رہے۔ دہشت جدائی سے بچانے کے لئے میں نے اُسے مونس بنا دیا ہے۔"

○ "اے روئے تو چہ روز دلیل تو عدل   وے موئے تو چنان چو شب ملحد از لحد

اے من مقدم از ہم عشاق چون توی   مرحسن را مقدم چوں از کلام قد

لکی بکعبہ فخر کند مصریان نبیل   ترسا با سقف و علوی بافتخار جد

فخر رہی بدان دو سیہ چشمکاں تست   کامدید زیر نقاب اوبرِ دُر خد"

○ "ایک نوعمر لڑکا حضرت شبلی کے حلقہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دن کہنے لگا یا حضرت مجھے میری ذات سے غائب کر دیں۔ مجھے میری اپنی جان سے ملا دیں۔ میں میں ہی رہوں شبلی فرمانے لگے۔ تمہیں یہ بات کیسے آئی۔ تم یا نابینا ہو جاؤ گے یا غلام۔ کہنے لگا۔ حضرت یہ میرے نصیب کب کہ اس کی ذات میں نابینا ہو جاؤں یہ کہہ کر بھاگ گیا۔

○ فَاِذَا الْقَبْرَتِی اَلصَّبْرَتُہٗ وَاَذَا الصَّبُوتُہٗ اَلصِّبْرَتَتَا: جب تم نے مجھے دیکھا تم نے اسے دیکھا۔ اور تو نے اسے دیکھ لیا۔ تو ہمیں بھی دیکھ لیا۔

چوں مرا دیدی تو اورا دیدی   چوں ورا دیدی تو دیدی مرمرا"

○ "یحییٰ معاذ الرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب تک انسان طلب میں سرگرداں رہتا ہے اسے کہتے ہیں کہ تمہیں بااختیار ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تم اس اختیار کے مالک نہیں ہو۔ جب یہ انسان فنا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ اگر تم اسے چاہتے ہو تو جلدی کرو۔ ورنہ اختیار کرتے ہو تو تمہارا اختیار تو ہمارے پاس ہے اگر چھوڑتے ہو تو وہ بھی ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ تمہارا اختیار ہمارا اختیار رہے۔ تمہارا کام ہمارا اپنا کام ہے۔

امروز کہ معشوقہ لبعشقم برخاست   بر در گوہر میر اسب ما باید خواست"

○ "حضرت سہیل بن عبداللہ فرماتے ہیں. کہ بندے اور اللہ کے درمیان سخت ترین حجاب بندے کا دعویٰ ہے۔"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لم یقبل من ــــ صادقاً کان او کاذباً لم یرد علی الحوض ۔ جو شخص کسی مجرم کا عذر قبول نہیں کرتا۔ وہ عذر خواہ سچا ہو یا جھوٹا۔ میرے حوض سے پانی نہ پی سکے گا۔"

○ " عبداللہ بن الفرج العابد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں ہر ایک دن اپنی ذات پر دن رات نازل ہونے والی چودہ ہزار نعمتیں گنتا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ اتنی تعداد کی نعمتوں کو گننا کس طرح ممکن ہے۔ فرمایا میں نے دن رات اپنے سانس گنے تو چودہ ہزار تھے ہر سانس اس کی ایک نعمت ہے۔"

○ " محمد بن حسام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو طبیب تمہیں کڑوی دوائی دیتا ہے تاکہ تم تندرست ہو جاؤ۔ وہ تمہارا شفیق ہے۔ اس شخص کی نسبت جو تمہیں حلوہ کھلاتا ہے کہ بیمار ہو جاؤ جو جاسوس تمہیں خطرات سے آگاہ کرتا ہے وہ اس شخص سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو تمہیں خطرات سے بے خبر رکھتا ہے۔"

○ " ایک بادشاہ نے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ انسان کب شریف ہوتا ہے وزیر نے کہا جب اس میں سات عادتیں جمع ہو جاتی ہیں پوچھا وہ کیا ہیں؟ کہنے لگا۔ اول ہمت آزادگان کنواریوں سا شرم۔ غریبوں سے تواضع۔ عاشقوں کی سی سخاوت۔ بادشاہوں کی سی سیاست بوڑھوں جیسا علم اور تجربہ۔ پھر عقل جو دل و دماغ کی راہنما ہو۔"

ابوجعفر قاینی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے والد مکرم سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چار چیزوں پہ فخر کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تاویل نہیں کر سکتے۔ حسب پر دولت پہ علم پر اور تقوی پہ۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں اور حسب سے شرف کی نسبت قائم ہوتی ہے۔ اور دولت کثرت مال کا نام ہے۔ حالانکہ دولت تو دل کی دولت ہے۔ علم ایک ایسا نور ہے جسے

اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں بھر دیتا ہے۔ اور تقویٰ تو اس مقام کا نام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے ہاتھ کو روک لے۔"

"ایک اعرابی کی زہرہ نامی کنیز تھی۔ لوگوں نے اسے پوچھا تم امیر المومنین بننا پسند کرو گے اور یہ کنیز مر جائے۔ کہنے لگا۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میری زہرہ تو مر جائے۔ اور میری رعایا کا کام خراب ہو جائے۔"

"ایک دیہاتی نے اپنے وکیل کو کہا۔ مجھے ایک ایسی گدھی خرید دو جو نہ بوڑھی ہو نہ چھوٹی ہو۔ مجھے نشیب و فراز میں سواری کا کام دے۔ دشوار گزار راستوں میں رک نہ جائے۔ پتھروں سے بچ بچ کر چلے۔ اگر گھاس تھوڑا ملے تو اس پر بھی صبر کرے۔ اگر زیادہ مل جائے تو بقایا چھوڑ دے وکیل کہنے لگا۔ جناب میں ایسی گدھی خریدنے سے تو قاصر ہوں ہاں تم اللہ سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے لئے ابو یوسف قاضی کو گدھی بنا دے۔ یہ سارے اوصاف تو ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔"

"ایک یہودی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا یا امیر المومنین ہمارا اللہ کیسا ہے؟ اور کب کا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا۔ اللہ اوصاف سے بالاتر ہے۔ اور اوصاف سے مبرا ہے۔ وہ جیسے تھا ویسا ہی ہے۔ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر پہلی چیز سے پہلے ہے۔ بے انتہا بے غائیت ہے۔ اس کی ذات پر تمام انتہائیں اور غائیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہودی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ دنیا میں اس کے علاوہ جو بھی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ پھر کہا۔ اشہدان لاالٰہ الا اللہ واشہدُ اَن محمداً رسول اللہ۔"

○ "شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو توحید کی بُو تک نہیں آتی۔ جس نے کسی کا حق مارا ہو اور اس کا حق ادا نہ کیا ہو۔ یہ بات اپنے مقام پر قابل داد ہے۔

○ ایک دفعہ ایک درویش ایک وادی سے آیا۔ وہ اس وقت فاقہ میں تھا

دہ کوفہ میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ دونوں کھجوروں کے ایک باغ میں گئے۔ باغ کے مالک نے کہا۔ آؤ کھجوروں پر چڑھ جاؤ۔ جی بھر کر کھجوریں کھاؤ۔ جتنی چاہتے ہو۔ گھرلے جاؤ وہ درویش درخت پر چڑھ گیا۔ ان کا دوست درخت کے نیچے کھڑا رہا درویش کا درخت سے پاؤں پھسل گیا اور زمین پر آگرا۔ کھجور کا ایک کانٹا پیٹ کو چیرتا ہوا نکل گیا سینہ چیر دیا۔ وہ ابھی موت و حیات کی کش مکش میں تھا کہ کہنے لگا۔ شکر الحمدللہ میں اس وقت تک نہیں مرا جب تک اپنی مراد کو نہیں پالیا۔ بھوکا پیٹ۔ پھٹا ہوا پیٹ اور لبوں پر جان اس سے بڑھ کر تمہاری سزا اور کیا ہو سکتی ہے دوست آگے بڑھا۔ اس کے سرہانے آ کھڑا ہوا پھٹے ہوئے پیٹ پر نظر ڈالی۔ پیٹ کو باندھنا چاہا۔ درویش نے دوست کی رفاقت کو دیکھا اور کہا۔

اَلیَوم لَا یَرنع غیری فیلی لیلی نہارِی و نہاری لیلی۔

درویش نے کہا۔ اب اس میں کوئی خیانت نہیں رہی "

○ " حضرت سِرّی سقطی قدس سرہٗ ایک دفعہ بیمار ہو گئے حضرت جنید قدس سرہٗ آپ کی بیمار پرسی کو آئے۔ بیمار نے فرمایا۔ جنید! آگ ہوا سے بھڑک اٹھتی ہے۔ حضرت جنید نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عَبۡدٌ مَّمۡلُوۡکٌ لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ (بیمار آدمی (بیمار آدمی کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا) حضرت جنید نے کہا حضور کوئی وصیت فرمائیں لا تنشغل عن صحبۃ اللہ بصحبۃ الاغیار۔ (غیروں کی صحبت اللہ کی صحبت سے اچھی نہیں ہے) حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ اگر میں آج سے پہلے یہ بات معلوم کر لیتا۔ تو آپ کی صحبت سے بھی پرہیز کرتا "

○ حضرت ابوبکر کتانی بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے علم اور مجاہدہ تک کوئی بھی نہیں پہنچا۔ ان کے مجاہدات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ تیس[۳۰] سال تک کعبۃ اللہ کے پرنالہ کے نیچے بیٹھے رہے۔ اس مدت میں دن اور رات میں صرف ایک

بار وضو کرتے ۔ یہ بڑی ریاضت کی بات ہے کہ ایک رات بھی نہیں سوئے بلکہ حقیقت یہ ہے ان کی نیند کبھی ذکر خداوندی میں مخل نہیں ہوئی۔ ایک دن باب بنی شیبہ سے ایک بوڑھے نے آکر شکایت کی۔ اور آکر کہا۔ ابوبکر آپ مقام ابراہیم کے پاس کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ وہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اور درس حدیث رسول سننے کا موقعہ ملتا ہے۔ آپ بھی حدیث رسول سنا کریں ان دنوں وہاں ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اعلیٰ احادیث بیان فرماتے ہیں سینکڑوں لوگ ان کی تقاریر لکھتے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے سر اٹھا کر کہا۔ یہ بزرگ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور وہ کس کی روائیت سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہا عبدالرزاق۔ عبدالرحمٰن۔ معمر از ہری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بابا۔ جن حضرات سے یہ اسناد بیان کرتے ہیں۔ ہم تو ان سے براہ راست بات سن لیتے ہیں۔ پوچھا۔ کس سے سنتے ہو فرمایا حدثنی قلبی ربی (میرے اللہ نے میرے دل سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے) انہوں نے پوچھا اُس کی دلیل کیا ہے۔ حضرت ابوبکر فرمانے لگے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ حضرت خضر ہیں حضرت خضر فرماتے ہیں۔ میں اب تک خیال کرتا تھا۔ کہ آج تک کائنات ارضی پہ کوئی ایسا دلی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں۔ لیکن جب میں نے ابوبکر کتانی کو دیکھا تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ میں نے انہیں نہیں پہچانا۔"

○ ایک دفعہ استاد ابوعلی دقاق۔ بوعلی شبوئی کے پاس مرو میں آئے ہم ان دنوں مرو میں ہی قیام پذیر تھے۔ پیر شبوئی رحمۃ اللہ علیہ حافظ بخاری تھے محدث تھے۔ ہم آپ سے ہی صحیح بخاری سنا کرتے تھے۔ آپ کو بھی ہماری دلی کیفیت کا علم تھا۔ آپ بخاری کی ایک ایک حدیث پر بڑی تفصیل سے گفتگو فرماتے استاد ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہرت سے آئے اور آپ کے نزدیک آبیٹھے آپ نے پیر بوعلی کو فرمایا۔ مجھے اس مسئلہ پر وضاحت تو فرمائیں۔ آپ نے فرمایا حضرت ہم اس معاملہ میں زبان بستہ ہیں تفصیل سے بات کرنا

توآپ کا ہی حق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم تو اپنی نیازمندی پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لئے مزید اسرار و معانی بیان فرما سکیں۔ ہماری آتشِ شوق کا علاج آپ کا کلام ہوگا۔ استاد بوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے بات مانتے ہوئے مجلس برپا کی۔ وہ منبر پر بیٹھے مگر بات کھل کر نہ کر سکے۔ غالباً حاضرین ان کے اسرار و معانی کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اس اثنا میں حضرت شبوئیؒ مسجد میں تشریف لائے۔ استاد بوعلی کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ تو گفتگو میں جان آگئی۔ دریائے معانی ٹھاٹھیں مارنے لگا حضرت شبوئیؒ نے فرمایا۔ کلمات تو وہی تھے دلیکن ہماری نیازمندی نے بیان میں سوز پیدا کر دیا۔

○ "انکساری ہی انسان کو اللہ کے قریب لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی نیازمندی اور عاجزی سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ یہ انکساری سخت پتھر پر گرے تو وہاں سے چشمہ آب جاری ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ طریقت کا اصل و اصول تو یہی ہے انکساری ہی اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔"

○ "گرمیوں کی سخت دوپہر تھی۔ ہم لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔ میں نے شیخ شبوئیؒ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ اٹھے۔ تپتاتی ہوئی دھوپ اور گرد و غبار میں باہر نکلے۔ میں نے آواز دی حضرت اس گرمی میں کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا۔ میں خانقاہ میں جا رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے۔ قیلولے کے وقت درویشوں کے ساتھ بیٹھنے والے کو ایک دن میں ایک سو بیس رحمتیں ملتی ہیں یہی وقت ہے۔ جب میں جا رہا ہوں۔"

○ "سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے بازار میں بیٹھا کرتے۔ ایک دکان لے رکھی تھی اس دکان میں کوئی فروختنی چیز نہیں ہوتی تھی۔ بایں ہمہ دکان میں ایک پردہ پڑا رہتا۔ لوگوں کو خیال ہوتا۔ کہ اس پردے کے پیچھے مال تجارت پڑا ہوتا ہے۔ آپ پردے کے پیچھے چلے جاتے۔ اور نماز ادا کر لیتے۔ ایک بار ایک شخص جبل الکلام سے آپ کی زیارت کو آیا۔ آپ کی دکان پر آیا پردہ اٹھایا۔ اور آپ کو سلام عرض کیا۔ اور کہا کہ فلاں بزرگ شخص

نے جبل الکلام سے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ یہاں سے بھاگ کر پہاڑوں کی غاروں میں یاد خداوندی میں چلا گیا ہے یہ بزدلی ہے بہادری یہ ہے کہ بازار میں رہے۔ لوگوں کا ہجوم ہو اور یاد خداوندی سے غافل نہ ہو۔ ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے خالی نہ ہو"۔

○ شیخ ابوالعباس فرمایا کرتے تھے۔ جو مرید اپنے مرشد کے پاس ایک مجلس بیٹھے گا وہ سو رکعت نوافل سے زیادہ ثواب پائے گا۔ اگر کھانے کا ایک لقمہ کم کھایا جائے تو ساری رات کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے"۔

○ "ایک درویش دنیائے اسلام کا سفر کرتا رہا کہیں آرام سے نہ بیٹھا۔ کچھ نہ پایا۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ ایک خاردار وادی میں تنہا جا بیٹھا۔ گدڑی اوڑھی اور دل آسودہ ہو گیا۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ یَارَبِّ اَنْتَ فِی الْکِسَاءِ وَاَنَا اَطْلُبُکَ فِی الْبَوَادِیْ مُدَّ کَذَا :

"اے اللہ تو اس گدڑی میں میرے ساتھ ہے۔ میں تجھے وادیوں میں تلاش کرتا رہا ہوں۔ اور اتنے سال پھرتا رہا۔ مگر تو تو میرے پاس ہے"۔

○ ایک دن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ باہر آئے۔ ایک بچے کو دیکھا جس نے سلام کیا۔ اور کہا۔ اَیُّھَا الشَّیْخُ اِلٰی مَتٰی اَنْتَظِرُکَ۔ (یا حضرت میں کب تک آپ کا انتظار کرتا رہوں) حضرت جنید نے فرمایا۔ بیٹا! کیا تم نے مجھ سے وعدہ لیا ہوا تھا بچے نے کہا۔ ہاں سَاَلْتُ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ اَنْ یُّحَرِّکَ قَلْبَکَ اِلَیَّ (میں نے اپنے اللہ مقلب القلوب سے کہا تھا۔ کہ وہ آپ کے دل کو میری طرف متوجہ کر دے) حضرت جنید نے کہا۔ تم نے صحیح کہا ہے۔ اب بتاؤ! کیا چاہتے ہو۔ بچے نے کہا مجھے یہ بتلایئے۔ اِذَا خَالَفَتِ النَّفْسَ ھَوَاھَا صَارَ دَوَاھَا (جب تم نفس کی خواہشات کی مخالفت کرو گے تو وہی تمہارا روحانی علاج بن جائے گا) حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا۔ یہ بیماریاں انسان کو مارے جا رہی ہیں۔ لیکن جب انسان خواہشات نفس کی مخالفت کرتا ہے۔ تو شفا یاب ہو جاتا ہے۔

○ "حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نے اتنے حج کئے جبکہ نہ میرے پاس کوئی سواری تھی نہ ساتھی۔ نہ زادراہ نہ ڈول۔ میں نے سوچا یہ تمام چیزیں نفسانی خواہشات ہیں لوگوں نے فرمایا یہ تو نہایت ضروری ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ایک بار میری والدہ نے کہا تھا۔ کہ کنویں سے ایک گھڑا پانی تو نکال دو۔ میں نکال لایا۔ مجھے اس دن بھی محسوس ہوا۔ کہ یہ کام بھی ہم نفسانی خواہش سے کر رہے ہیں۔"

○ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر تمہیں کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کتنے اچھے ہیں۔ اگر یہ بات تمہیں اچھی لگے۔ تو سمجھ لینا ابھی تک تم بئیس الرجل (برے انسان) ہو۔"

○ ایک دن ایک جولاہہ وزارت کے منصب پر پہنچ گیا۔ وہ ہر روز صبح صبح اٹھتا۔ ایک چابی لیتا۔ اپنے پرانے گھر کا دروازہ کھولتا۔ چند لمحے وہاں ٹھہرتا۔ اور پھر باہر آکر تالا لگا دیتا۔ اور اپنے بادشاہ کی خدمت میں چلا جاتا۔ لوگوں نے بادشاہ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور کہا یہ حرکت بادشاہ کے خلاف ہو سکتی ہے۔ بادشاہ کو بھی خیال آیا۔ کہ اس مکان میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہے۔ ایک دن وزیر کے پیچھے پیچھے اس مکان پہ پہنچا۔ اس مکان کے اندر ایک گڑھا جس طرح جولاہوں کی کھڈی کا ہوتا ہے۔ دیکھا۔ وزیر کو دیکھا کہ اس میں پاؤں لٹکا کر بیٹھا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اسے کہا۔ یہ کیا ہے؟ وزیر نے بتایا۔ حضور یہ تمام دولت اور شان و شوکت تو آپ کی وجہ سے ہے۔ میں جو کچھ ہوں اس کی اصلیت تو یہ ہے۔ میں اس کی یاد کو تازہ رکھتا ہوں تاکہ مغرور نہ ہو جاؤں۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر وزیر کو دے دی اور اسے پہننے کا حکم دیا۔ اب تک تم وزیر تھے آج سے تم امیر ہو۔ اور اس ملک پر تمہارا سکہ اور حکم چلے گا۔"

○ "حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ کہ شیر پر سواری کرتے اور سانپ کا چابک بناتے۔ اور فرماتے اس سے بلند تر رتبہ مخلوق خدا کا ہے جب نماز ادا کرتے۔ فرماتے

الٰہی بِسَتْرِکَ عِشْنَا فَلَوْ رَفَعْتَ عَنَّا غِطَاءَکَ لَا فْتَضَحْنَا"

○ ایک دن حضرت بو علی قدس سرہٗ مجلس فرما رہے تھے۔ آپ کا بیان عروج پر تھا۔ لوگ داد و تحسین دے رہے تھے۔ ایک شخص مجمع سے اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت یہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ مگر خدا کہاں ہے۔ فرمایا۔ مجھے بھی پتہ نہیں اور میں اسی لئے فریاد کر رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ جب آپ بھی نہیں جانتے تو نہ کہو۔ فرمایا۔ پھر میں کیا کہوں؟"

○ "حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص سفر میں جاتا ہے۔ اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہے۔ حالانکہ مقصود تو بغیر سفر کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کائنات ارضی کے خطے اللہ کے سامنے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے سینوں پر کسی مردِ مومن کے قدم لا۔ ہماری آنکھیں اپنے کسی بندے کی آمد سے منور فرما۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سفر پر آمادہ فرماتا ہے۔ تاکہ اُن ہی زمینوں کی دیدار کی پیاس بجھ جائے۔ اور ان کی خواہش پوری ہو جائے۔"

○ شہر مرو میں ایک دانشمند رہتا تھا۔ وہ گھر سے باہر نہ آتا اتفاقاً ایک دن باہر نکلا۔ اور مسجد میں آ بیٹھا۔ کسی نے دیکھا تو کھانا پیش کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کیا۔ کھا چکا۔ تو ایک کتا اندر آ گیا۔ اس نے حملہ کر کے اس کا دامن گھسیٹنا شروع کر دیا۔ دانشمند نے کتے کو مخاطب کر کے کہا۔ تم ٹھیک کر رہے ہو۔ تم کسی کے بھیجے ہوتے ہو۔ جو میری کوتاہی اور غلطی پر یہ کام کر رہے ہو۔ لیکن دوسرے لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں۔ وہ تمہیں ایسا کرتا دیکھ لیں گے تو ماریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد موذن آیا۔ ایک بڑی سی لاٹھی اٹھائے۔ کتے پر ٹوٹ پڑا۔ اور ایک زور سے ماری کُتا۔ چلایا۔ اور بھاگا۔ دانشمند نے کتے کو کہا تم نے دیکھا۔ میں نے تجھے کہا تھا۔ مجھے تو کوئی انکار نہیں مگر دوسروں کو کیا علم وہ تجھے کس طرح معاف کریں گے۔ دوست کو دوست سے کوئی چیز جدا نہیں مگر بے گانوں کو کیا علم؟"

○ سمرقند میں ایک عالم دین نے ایک بوڑھے آدمی کو فرمایا کہ مجھے اپنے تجربہ سے ایک بات لکھ دو۔ بوڑھے نے کہا۔ تیس سال ہو گئے ہیں۔ میں ایک ہی بات پر رکا ہوا ہوں۔ دَنَهَي النَفسَ عَنَ الهوىٰ ابھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔"

○ " قیامت کے دن ابلیس کو پکڑ کر دربارِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُسے پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے اتنی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ نہیں میں نے تو انہیں صرف دعوت دی تھی۔ یہ خود برائیوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ حکم ہوا آج بھی حضرت آدم کو سجدہ کر لو۔ اس حکم پر تمام شیطانوں نے کہا۔ سجدہ کر لو۔ ہم بھی بری ہو جائیں گے شیطان نے کہا۔ اگر میں سجدہ کر سکتا۔ تو پہلے دن ہی کر لیتا۔"

○ " ایک دن ہم حضرت ابو بکر جوزنی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے کہا۔ کوئی بات سنائیں انہوں نے ایک کتاب کھولی اور ہمیں یہ حکایت سنائی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دو لشکر ہیں۔ ایک آسمانوں پر وہ سبز لباس پہنتے ہیں۔ دوسرا زمین پر خراسان میں صوفیا کی شکل میں تربیت پا رہے ہیں جو تمام دنیا پر پھیل کر اسلامی تعلیمات کو عام کریں گے۔"

○ ایک دفعہ ہمارے عزیز درگاہ کا خوبصورت بیٹا جس کا نام احمدک تھا۔ لوگ اُسے معشوق احمدک کہا کرتے۔ وہ عام طور پر اپنے بیٹے کی باتیں کرتا رہتا۔ لوگ اس کی باتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے۔ اب لوگوں نے اس کے پاس آنا چھوڑ دیا وہ بازار چلا جاتا جہاں مزدور لوگ مزدوری کے انتظار میں کھڑے ہوتے۔ کسی ایک کے پاس جاتا۔ اور پوچھتا بھائی تم ایک دن کی کیا مزدوری لو گے۔ وہ کہتا تین درہم اُسے گھر لے آتا۔ اپنے پاس بٹھاتا۔ کھانا کھلاتا۔ تین درہم پیشگی ادا کرتا معشوق احمدک کی باتیں بتانا شروع کرتے وہ باتیں کرتا رہتا۔ مگر مزدور کہتا حضور کوئی کام ہو تو مجھے حکم دیں میں اپنا کام شروع کروں دن گزرتا جا رہا ہے وہ کہتا۔ تمہارا کام صرف یہی ہے اور بس!"

○ "ہمارے گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا جس کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ ایک آدمی نے اس کا گھوڑا مار دیا۔ اس نے کہا۔ آپ مجھ سے گھوڑے کا ہرجانہ اور تاوان لے لیں۔ اس نے کہا مجھے تاوان کی ضرورت نہیں میں تو اپنا گھوڑا ہی لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس بات پر لڑائی اور جھگڑا شروع ہو گیا ادِھر اُدھر سے لوگ جمع ہو گئے یہ جھگڑا دونوں قبیلوں میں ایک لڑائی کی صورت اختیار کر گیا۔ کئی آدمی قتل ہو گئے۔ عورتیں بیوہ ہو گئیں بچے یتیم ہو گئے۔ گھر ویران ہو گئے۔ یہ سارا معاملہ ایک شخص کی ضد سے ہوا۔"

○ "محمود کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور آپ کیسے ہیں فرمایا۔ خاموش! یہاں کسی کی بادشاہی اور سلطانی نہیں مجھے بھی عام آدمیوں کی طرح بازپرس ہو رہی ہے۔ ہماری بادشاہی تو ایک غلطی تھی یہاں مجھے کھڑا کیا ہوا ہے۔ ایک ایک بات کا پوچھا جا رہا ہے۔ بیت المال تو کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے مگر بازپرس مجھے ہو رہی ہے۔"

○ "حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک درخت پر اعتماد کیا۔ اور کہا اے اللہ اس درخت کو حکم دے۔ تاکہ یہ میری حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم درخت پر اعتماد کرتے ہو، اور اس میں حفاظت تلاش کرتے ہو۔ اب اس سلسلہ میں حالات کو دیکھو آپ درخت کی طرف بڑھے۔ درخت پھٹ گیا۔ آپ اندر چلے گئے۔ درخت پھر جڑ گیا۔ مگر آپ کی چادر کا ایک حصہ باہر رہ گیا۔ مخالف وہاں پہنچے چادر کا ایک حصہ باہر دیکھا معلوم کر لیا کہ آپ درخت کے اندر ہیں آرہ لائے۔ اور درخت کو چیر دیا۔ آرہ حضرت زکریا علیہ السلام کے دماغ تک پہنچا تھا۔ تو آپ نے آہ کی۔ آواز آئی خاموش تم نے درخت پر اعتماد کیا اس میں پناہ لی۔ اب آہ نہ کرو۔ اگر ہم پر اعتماد کرتے ہماری پناہ میں آتے تو کوئی بال بیکا نہ کر سکتا۔"

○ "ایک شخص نے دوسرے کو کہا۔ آؤ تمہیں اپنا مہمان بنالوں اس نے کہا بہت اچھا۔ اس نے کہا اگر گانا سننا چاہو تو کسی خوش آواز کو بلا لاؤں۔ اس نے کہا مجھے پہلے تھوڑا سی شراب تو لا دو۔ اس نے ایک پیالے میں شراب دی اس نے پی لی نشے میں جھوم

اٹھا۔ اپنے میزبان کو کہنے لگا۔ اگر یہ شراب مزید چند پیالے دو تو مجھے گانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ میں اپنے گانوں سے ہزاروں کو محظوظ کرتا رہوں گا۔ شراب پیتے ہی میرے ساتوں اعضاء گردش کرنے لگے ہیں مجھے گانوں کی آواز آنے لگی ہے"

○ "حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہوائیں تھیں وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ انہوں نے سلطنت مانگی انہیں چالیس سال حکومت دی گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے پیغمبروں سے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہوں گے"

○ "ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ آہنگری کرتے تھے۔ لوہے پر ہتھوڑا مارتے اور شاگردوں کو بھی کہتے ہتھوڑا مارو۔ وہ مارتے تو کہتے ٹھیک ہے۔ پھر کہتے مارو۔ مارتے تو کہتے ٹھیک ہے پھر کہتے تو مارتے۔ شاگرد تنگ آکر کہتے حضرت اب تو مارنے کی کوئی جگہ نہیں اب کہاں ماریں۔ حضرت نے سنا۔ تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ نعرہ مارا۔ ہتھوڑا زمین پر گر پڑا۔ ہوش آیا۔ تو سارا مال و منال اور دکان لٹا دی۔ فرمایا لوہا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ حضرت انسان کیوں ٹھیک نہیں ہوتا۔ ایک وقت آیا کہ کاملان خدا سے ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

○ لوگوں نے حضرت امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی خواہش کیا ہے۔ فرمایا۔ ؎ مرا اے کاشکے مادر نزادے۔ کاش میں پیدا نہ ہوتا۔ لوگوں نے فرمایا حضرت جو پیدا نہیں ہوا۔ کس کام کا ہو گا" حضرت شیخ ابو سعید فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کاش ہم اس طرح زندہ رہتے تو جب مرتے تو یوں معلوم ہوتا۔ کہ ہم پیدا ہی نہیں ہوئے۔ اور کوئی گناہ نہیں کیا۔ دنیا کی آلائشوں سے پاک رہے۔ حضرت پیر ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے صوفی وہ ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان کا مطلب یہی تھا"

○ "ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو کہا۔ کہ میرے ہاتھ پر ایک یہودی نے اسلام قبول کیا۔ تو میں نے اسے کہا۔ اپنا زنار کاٹ دو۔ اس نے زنار کاٹ دیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ تمہارے کہنے پر یہودی نے زنار تو کاٹ دیا۔ لیکن تم نے اپنا زنار ابھی تک

نہیں کاٹا۔"

○ "ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ مجلس وعظ میں بیٹھے تھے اور حضرت امام ابوالقاسم قشیری کی طرف مخاطب تھے کیا آپ نے نہیں سنا کہ استاد ابواسحاق اسفرائنی نے فرمایا تھا۔ اَلنَّاس کَلِیْمٌ فِی التوحید عیال علی الصوفیہ کہا وہاں میں نے سنا ہے حضرت نے فرمایا۔ اب ان سے سنو وہ کیا کہتے ہیں؟"

○ "میں ایک بار حضرت عبدالرحمٰن سلمی کے پاس گیا۔ میں نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے میں اپنے ہاتھ سے تمہارا تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی۔ضرور لکھیں۔لکھا۔ سُمعتُ جدّي۔" اباعمرو بن نجید السلمی یقول سُمعتُ ابا القاسم جنید بن محمد البغدادی یقول: التصوف ھو الخلق۔ مَنْ زَادَ عَلَیکَ با تصوف و اخس مَا قیل فی تفسیر الخلق تا تالہٗ الشیخ الامام ابو سھل الصعلوکی الخلق ھو الاعراض عن الاعتراض"

○ "ایک بزرگ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ ان کا زادِ راہ ختم ہو گیا صرف ایک خشک روٹی باقی رہ گئی۔ منہ میں ڈالی مگر دانتوں سے چبائی نہ گئی۔ ہاتھ سے توڑی، دریا میں پھینک دی ایک موج آئی۔ بہا کر لے گئی موجوں نے روٹی سے پوچھا تم کیا ہو۔ اس نے کہا۔ میں ایک خشک روٹی ہوں اگر تر نوالہ ہوتی تو مجھے اس طرح کوئی نہ پھینکتا۔"

مرو میں ایک مالدار شخص کے دل میں آیا کہ وہ اپنا روپیہ کاروبار تجارت میں لگا دے تجارت کا مال کشتی میں رکھا اور سفرِ تجارت میں نکلا۔ کشتی ٹوٹ گئی۔ سارا مال پانی میں ڈوب گیا۔ تمام لوگ ہلاک ہو گئے صرف ایک تختہ پانی پر تیرتا نظر آیا جس پر وہ بیٹھا تھا ایک جزیرے پر جا لگا۔ ایک دن وہ سمندر کے کنارے بیٹھا ننگا۔ بال بکھرے ہوئے اور تن کا رواں رواں درد کر رہا تھا اور یہ بیت پڑھ رہا تھا۔

اِذَا شَابَ الغُرَاب اَتَیتَ اھلی - وَھَیھَاتَ الغُرَاب کَتیٔ یشیبَ

سمندر سے آواز آئی۔

عَسَی الکَربُ الَّذِی اَمسیت فِیہ   یَکون وَرَاءَہٗ فَرَجٌ قَرِیبٌ

(اے بندے، مایوس نہ ہو۔ تمہیں کیا پتہ کہ جن حالات میں گزر رہے ہو راحت اور خوشی سے تبدیل ہو جائیں)

دوسرے دن اس شخص نے دیکھا کہ سمندر میں کوئی بہت بڑی چیز تیر رہی ہے قریب آئی تو دیکھا کہ اسی کی کشتی آ رہی ہے۔ اسے دیکھا تو کشتی والے پوچھنے لگے۔ تم اس حال میں ہو۔ اس نے کہا میرا واقع بہت عجیب و غریب ہے اور داستان بہت دردناک اور غمی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کس شہر کے آدمی ہو۔ کیا تمہارا کوئی بیٹا یا اولاد ہے اس نے بتایا۔ میرا ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ یہ سنتے ہی نہایت احترام سے کہنے لگے۔ یہ تمہارا لڑکا ہے۔ یہ ساری کشتی اسی کی ہے۔ ہم تمام اس کے کارندے ہیں۔ ان کشتی والوں نے اسے کپڑے پہنائے۔ اُسے کشتی پر بٹھا کر واپس وطن لے گئے۔ حضرت شیخ ابوالخیر فرماتے ہیں۔

کار چوں بستہ تو دبکشا یدا   وز پس ہر غم طرب افزا یدا

(جب کوئی کام رک جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آسان بھی کر دیتا ہے۔ ہر غم کے بعد خوشی کا ایک وقت بھی آتا ہے)

○ "میں ایک دن بیٹھا تھا۔ اور مجلس گرم تھی ایک شاعر اٹھا اور اُٹھ کر یہ شعر پڑھا۔

ہمی چہ خواہد این گردش زمن زمنا!

میں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ اٹھتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی ہے مزہ کرکرا ہو گیا۔ کاش اس کی بات کرتا۔"

○ ایک بار ابو حامد دوستانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوست کے ساتھ جا

رہے تھے رستے میں ایک مقام پر پہنچے تو دوست نے کہا۔ آپ یہاں ٹھہریئے میرا یہاں ایک دوست ہے میں اسے مل آؤں۔ ابو حامد وہاں ہی ٹھہر گئے ساری رات گذر گئی وہ واپس نہ آیا رات بھر برف پڑتی رہی۔ مگر آپ وہیں پڑے رہے۔ دوست دوسرے دن آیا تو آپ کو وہاں ہی کھڑے پایا۔ برف میں جمے پڑے ہیں۔ اور تھوڑی سی حرکت سے برف ہلی تو آپ نظر آئے۔ پوچھا۔ آپ ابھی تک یہاں ہی ہیں۔ فرمایا۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔ کہ یہاں ٹھہریئے میں آتا ہوں۔ دوستوں کی وفاداری تو اسی کا نام ہے۔"

○ ایک دفعہ روم کے بادشاہ نے امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ مدینہ منورہ پہنچا تو لوگوں سے آپ کے محلات کا پوچھا مگر آپ ایک کچے مکان میں رہتے تھے۔ دل میں کہنے لگا یہ کیسا بادشاہ ہے جس کے پاس مجھے بھیجا گیا ہے۔ گھر گیا تو لوگوں نے بتایا وہ تو قبرستان میں گئے ہیں۔ آپ کے پیچھے گیا۔ دیکھا آپ قبرستان میں ریت پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور سوئے ہوئے ہیں قاصد نے کہا۔ واقعی حکومت اس چیز کا نام ہے بے خوف و خطر بیٹھے ہیں۔ ہمارے بادشاہ حکومت کرتے ہیں۔ مگر انصاف نہیں کرتے۔ اور دروازے پر پہرہ دار کھڑا کرتے ہیں۔ اور سوتے بھی ڈرتے ہیں۔"

○ "ہم جن دنوں مرو میں تھے۔ وہاں ایک بوڑھی عورت تھی جسے بی بی سیاری کہا کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی۔ بابا سعید! ظلم کر رہے ہو۔ ہم نے پوچھا۔ کس طرح؟ کہا لوگ دعا کرتے ہیں کہ آپ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ کریں۔ ہم نے کہا بی بی ہمیں تیس سال گزر گئے یہ کہتے ہوئے کہ صرف ایک لمحے کے لئے دیکھنے کا موقعہ دیں۔ ابھی تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔"

○ ایک دفعہ ایک شخص حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی قدس العزیز کی مجلس کے نزدیک سے گزرا آپ اس وقت وعظ فرما رہے تھے۔ اس نے کہا مَا اَطْرَفَکَ بِالطَّرِیقِ وَمَا اَجْھَلَکَ بِرَبِّ الطَّرِیقِ (آپ نے طریقت کا راستہ کتنا اچھا پا لیا ہے۔ مگر صاحب طریقت

سے کتنے دُور ہو)

○ لوگوں نے ایک دفعہ ابوالفضل حسن قدس سرہٗ کو کہا حضرت دعا فرمایئے تاکہ بارش ہو جائے۔ ایک عرصہ سے بارش نہیں ہوئی آپ نے فرمایا۔ اسی رات برف باری ہوئی۔ صبح لوگوں نے کہا۔ آپ نے یہ کیا کیا۔ فرمایا۔ میں ٹھنڈا تھا دنیا کو ٹھنڈا کر دیا۔

○ ایک بار لوگوں نے پیر ابوالفضل حسن کو کہا۔ حضور یہ محمود بادشاہ ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں کہ ٹھیک ہو جائے۔ چند لمحوں کے لئے خاموش رہے۔ فرمایا۔ میں بہت چھوٹا ہوں آپ لوگ خود ہی اسے دیکھ لیں گے۔"

○ "لوگوں نے ابوحمزہ نوری کو دیکھا لمبے لمبے بال پھیلائے ہوئے۔ کپڑے پھٹے ہوئے ایک نے کہا۔ کہ یہ ظاہری پریشانی باطنی پریشانی کی علامت ہے۔ فرمایا خاشا وکلّا اِنّ اللّٰہ تعالیٰ ساکنَ الاسرار فحملھا وبا ین الابدان فاھمکھا۔۔۔"

○ "حضرت ابوالحسن نوری قدس السرہٗ فرمایا کرتے تھے۔

اَھلُ المعرفتہ عرفوا القلیل۔ مِنَ القلیل لانّھم عرفوا الدلیل والبیّل والحق وراء ذالِکَ۔"

حضرت ابویعقوب نہرجوری ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ باین ہمہ عبادت اور زیارت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہتے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اظہارِ مسرت نہ فرماتے۔ اللہ کے سامنے دعا کرتے تو گڑگڑاتے اور روتے۔ ایک دن آواز آئی۔ یعقوب ہم جانتے ہیں تم ہمارے دردمند بندے ہو۔"

○ ایک درویش حضرت شبلی قدس سرہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت کوئی اللہ کے راستہ میں بھی سو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص ظُلِ اِخلاص میں سو جائے۔ تو اس کی نیند ہی صدر منزل ہوتی ہے۔ اس پر حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہے نَوْمُ العَالِم عِبَادَۃٌ (حضرت دین کی نیند بھی عبادت ہے)۔"

○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی کہ آپ بنی اسرائیل کو کہو۔ کہ تم میں سے جو کوئی بہترین شخص ہو اس کا انتخاب کریں۔ چنانچہ ایک ہزار لوگوں کو منتخب کر لیا گیا۔ پھر حکم آیا۔ کہ اب ان میں سے صرف دس آدمی منتخب کئے جائیں۔ دس کا انتخاب ہو گیا تو پھر حکم ہوا اب ان آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی منتخب کیا جائے۔ جب ایک آدمی منتخب کر لیا گیا پھر وحی آئی اب اس شخص کو کہیں کہ بنی اسرائیل کا بدترین شخص چنے۔ اس نے چار دن کی مہلت مانگی سارا شہر چھان مارا۔ چوتھے دن اس نے ایک آدمی کو دیکھا۔ جو کئی قسم کے جرائم اور ناشائستہ حرکات سے مزین تھا۔ اس نے فیصلہ کیا۔ کہ اسے لے جائے۔ مگر اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ محض ظاہری بدنامی سے کسی کو بُرا کہنا اچھا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اندر سے اس کا کام درست ہو لوگوں کے کہنے پر اسے اس قدر ذلیل نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر لوگوں نے ہی مجھے بہترین انسان تصور کیا ہے۔ اس پر مجھے فخر نہیں کرنا چاہیئے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں محض گمان اور خیال سے کرتا ہوں۔ اس لئے کوئی بات حتمی نہیں کہی جا سکتی۔ چنانچہ اس نے اپنے گلے میں پگڑی ڈال لی اور مجرم کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا حضور میں نے غور اور تحقیق سے دیکھا ہے مجھے تمام بنی اسرائیل میں سے اپنی ذات سے بُرا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ وحی آئی۔ فرمایا۔ اے میرے نبی۔ اس شخص سے بہترین شخص اور کوئی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی عبادت سب سے زیادہ ہے۔ مگر اس شخص نے اپنے آپ کو بدترین انسان جانا۔

○ حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ روشن دان سے سورج کی دھوپ کی کرنیں اندر آتی ہیں تو ان میں ذرّے اڑتے دکھائی دیتے ہیں ہوا کی وجہ سے یہ ذرّے رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیا ان ذرّوں سے تمہیں کبھی ڈر آیا۔ لوگوں نے کہا کبھی نہیں! آپ نے فرمایا۔ یہ سارا جہاں مرد کامل کی نظروں میں ایسے ذرّے کے برابر ہے۔ اور ہوا اس ذرّے کو حرکت میں رکھتی ہے۔"

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے لَا یکون الصوفی صوفیاً

حَتّٰی یَکُوْنَ الْخَلْقَ کُلُّھُمْ عِیَالًا عَلَیْہِ ط (ایک صوفی اس وقت تک صوفی نہیں بن سکتا۔ جب تک تمام مخلوق اس کے سامنے ایسی نہ ہو کہ وہ اس کے اہل وعیال ہیں (یعنی انہیں نگاہ شفقت سے دیکھے۔ اور ان کے بوجھ اور کام کو سرانجام دینا اپنا فرض خیال کرے۔"

"ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلْخَلْقُ قَوَالِبُ وَاَشْبَاحٌ تَجْرِیْ عَلَیْھَا اَحْکَامُ اللّٰہِ (مخلوق قالب اور شاخیں ( ) ہیں جن پر احکام تلاوت نازل ہوتے رہتے ہیں۔"

حکایت:۔ ایک بار لوگوں نے حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ہر ایک پیر کا کوئی نہ کوئی مرشد ہوتا ہے۔ آپ کا مرشد کون ہے؟ بزرگوں نے مجاہدہ کر کے اپنی گردنوں کو باریک کر لیا ہے۔ لیکن آپ کی گردن قمیض میں نہیں آتی۔ پیروں نے حج کئے ہیں کعبۃ اللہ کی زیارت کی ہے۔ مگر آپ نے حج بھی نہیں کیا۔ اس کا سبب کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ تم یہ پوچھ رہے ہو کہ ہر پیر کا کوئی نہ کوئی مرشد ہوتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں تمہارا مرشد کون ہے۔ تم پوچھتے ہو کہ بزرگوں نے ریاضت سے اپنی گردنوں کو باریک کر لیا ہے اور میری گردن بہت موٹی ہے۔ میں تو حیران ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے جتنا مجھے نوازا ہے۔ اس سے میری گردن زمین و آسمان میں کیسے سماتی ہے؟ کعبۃ اللہ کی زیارت کے بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ لوگ بیت المعمور اور بیت الحرام کی زیارت کے لئے سینکڑوں میلوں کا سفر کرتے ہیں مگر میرے نزدیک مرد حق وہ ہے۔ جو یہاں بیٹھے خانہ کعبہ کی زیارت کرے اور خانہ کعبہ اس کے سر کے ارد گرد طواف کرتا نظر آئے۔ اس شخص نے سر اٹھایا۔ تو خانہ کعبہ واقعی طواف کر رہا تھا بلکہ مجلس کے تمام حاضرین نے اسے دیکھا۔"

حکایت:۔ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں کسی کی تعزیت کے لئے جا رہے تھے۔ شیخ کے آگے آگے بعض لوگ راستہ دکھاتے جا رہے تھے۔ وہ پہلے پہنچ کر حضرت شیخ کی تعریف و کرامت بیان کرنا چاہتے تھے۔ حضرت شیخ نے ایک نگاہ

دیکھا تو رک گئے اور کچھ زبان سے نہ کہہ سکے حضرت کے مریدوں سے پوچھا۔ کہ حضرت کا کیا لقب ہے۔ تاکہ ہم اس لقب سے لوگوں کو ہٹاتے جائیں۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ لوگوں کو کہو ایک ناچیز مسکین کے لئے راستہ خالی کردو۔ یہ لوگ ایسے ہی آواز لگاتے گئے۔ تمام بزرگ سن رہے تھے۔ حضرت شیخ آرہے تھے سب پر ایک کیفیت طاری ہوگئی وہ روتے جاتے اور یہ لوگ آواز لگاتے جاتے۔"

حکایت:- ایک بار حضرت شیخ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ جاروب کش راستہ صاف کر رہے تھے۔ ساری نجاست بلیچوں سے باہر نکال رہے تھے۔ صوفی وہاں سے گزرے اور اپنے اپنے کو بچا کر گزرنے لگے اور دوڑ دوڑ کر گزرتے جاتے حضرت شیخ نے ان سب کو بلایا۔ اور کہا۔ یہ نجاست بزبان حال کچھ کہہ رہی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے۔ میں وہی طعام ہوں جس کی طیاری میں تم نے اتنا روپیہ صرف کیا۔ طرح طرح کے طریقہ سے تیار کیا۔ کئی قسم کی خوشبوئیں اور مسالے ڈالے تھے۔ میں نے ایک رات تمہارے پیٹ میں گزاری۔ تمہارے ہم رنگ اور ہم جان رہا۔ اب مجھ سے بھاگ رہے ہو۔ حالانکہ مجھے آپ لوگوں سے بھاگنا چاہیئے حضرت کے یہ کلمات سن کر سارے مجمع پر رقت طاری ہوگئی۔

حکایت:- میہنہ میں حسن مؤدب حضرت شیخ کی خدمت میں چراغ لے کر آئے اور رکھ کر چلے گئے۔ حضرت نے حسن کو بلایا۔ کیا بات ہے کہ آج اس چراغ کی روشنی ویسی نہیں جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ حسن نے عرض کی حضرت مجھے تو معلوم نہیں۔ حضرت شیخ ابوسعید الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ذرا جستجو تو کرو۔ جب تحقیق کی۔ پتہ چلا۔ جس لکڑی سے چراغ کو تیز کیا جاتا ہے۔ وہ چراغ میں پڑی ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن اس چراغ کو یہاں سے اٹھا لو۔ حسن نے چراغ اٹھا لیا!!"

○ "طلحہ بن یوسف العطار قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک عرصہ تک حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں رہا۔ واپس آنے لگا۔ تو مجھے فرمانے لگے۔ جب تم بغداد

میں جاؤ گے۔ تو لوگ پوچھیں گے۔ کہ تم نے اتنا عرصہ کیا دیکھا۔ اور کیا فائدہ حاصل کیا۔ تو تم کیا جواب دو گے تم کہنا۔ میں نے ایک چہرہ دیکھا۔ ایک داڑھی والا چہرہ دیکھا! میں نے کہا حضرت جو آپ فرمائیں حضرت شیخ نے کہا۔ اگر کوئی عربی جاننے والا ملے تو اسے کہنا!

قالوا خراسان اخرجت رَشا ، لَیسَ لَہُ فِی جمالہٖ ثانی

فَقُلتَ لَا تُنکرو محاسنہٗ ، فمطلع الشمس من خراسان

جو عربی نہ جانتا ہو۔ اُسے یہ شعر سنانا۔

سبزی بہشت و نو بہار از تو برند ، آنی کہ بخسد یاد گار از تو برند

در چمنستاں نقش و نگار از تو برند ، ایران ہمہ فال روزگار از تو برند

حکایت:۔ خواجہ ابو الفتح قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہٗ نیشاپور میں تھے۔ ایک دن آپ بشتقاں جا رہے۔ خواجہ علی طرطوسی بھی حضرت کے ساتھ تھے۔ حضرت شیخ نے راستے میں کہا۔ اَللّٰھم اَجعَلنی مِن آقلین۔ بشتقان پہنچے خواجہ علی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ حضرت اس سفر میں آپ کی زبان پر بہت دفعہ یہ الفاظ بہت دفعہ آئے ہیں حضرت شیخ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قِلیل مِن عبادیَ الشکورُ۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس قوم سے ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی ہے۔

حکایت:۔ خواجہ ابو الفتح فرماتے ہیں کہ ایک دن قوال حضرت کی خدمت میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اندر غزل خویش نہاں خواہم گشتن ، تا بر لب تو بوسہ دہم چو نش بخوانی

حضرت شیخ نے قوال سے پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے۔ اس نے بتایا حضور یہ عمارہ نے کہا تھا حضرت شیخ اسی وقت اٹھے اور صوفیہ کو لے کر عمارہ کی قبر کی زیارت کو چلے گئے۔

حکایت:۔ خواجہ ابو بکر مؤدب راوی ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ

خلیب کوفی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ تم سن رہے ہو۔ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں یا حضرت! حضرت نے فرمایا ہم کہہ رہے تھے۔

العجز عن التوانی فی الامر اذا امکن والجد فی طلبہ اذا فات

ادھر حضرت شیخ نے یہ الفاظ کہے قوال نے یہ شعر پڑھا۔

ولا تستفی سراً اذا امکن الجہر۔

حکایت:- جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ کسی شخص نے پانی کا ایک کوزہ پیش کیا۔ اور کہا حضرت اس پانی کو دم کر دیں تاکہ ہم لوگ بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں حضرت شیخ نے دم کر دیا۔ مگر اس سے پانی لے کر خود پی لیا۔ اس شخص نے عرض کی یا حضرت آپ نے خود ہی دم کیا اور خود ہی پی لیا۔ آپ نے فرمایا۔ جو دم ہم نے کیا تھا۔ اسے ہمارے بغیر دوسرا آدمی ساری دنیا میں کوئی نہیں پی سکتا تھا۔ اب تم کل اور پانی لانا۔ تمہارے لئے دم کر دوں گا۔

حکایت:- حضرت شیخ جن دنوں نیشاپور میں تھے۔ تو ایک بار حمام میں گئے ایک درویش بھی آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ اور آپ کے بازو پر تیل کی مالش کر رہا تھا۔ وہ اسی دوران پیچھے سے بڑے زور زور سے مل رہا تھا۔ اور ساتھ ہی حضرت سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ اس نے حضرت سے پوچھا یا حضرت جوانمرد کون ہوتا ہے؟ جو ایسا شوخ آدمی جس کی طرف منہ نہ کیا جا سکے۔ حاضرین مجلس آپ کے اس جواب سے بڑے محظوظ ہوئے۔

حکایت:- ایک شخص نے حضور کی خدمت میں گزارش کی۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

وائے اے مردم داد ز عالم برخاست
جرم او کند و عذر مرا باید خواست

یاد رہے۔ کہ یہ شعر عام طور پر حضرت کی زبان پر رہتا تھا۔

○ حضرت نے ایک بار فرمایا۔ اللہ ان لوگوں کو خوش رکھے جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ مردے پر نماز جنازے کے وقت پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ چار تکبیریں مردے کے لئے اور ایک تکبیر تمام مخلوق پر"

حضرت شیخ کی مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ لوگو میں فقیر ہوں۔ مجھے کچھ دو حضرت نے فرمایا۔ یوں نہ کہا کرو۔ بلکہ کہا کرو۔ میں گداگر ہوں مجھے کچھ دو۔ فقیر تو اللہ کے رازوں کا امین ہوتا ہے۔ اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

○ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ نیشاپورہ میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سید زادی آئی۔ اس سید زادی کے والدین لوگوں سے سوال کر رہے تھے۔ آپ نے اس سید زادی کو اپنے پاس بلایا اور پاس ہی بٹھا لیا۔ اور لوگوں کو کہا۔ لوگو۔ یہ بچی اس پیغمبر کی بیٹی ہے جس پر تم لوگ درود پڑھتے ہو۔ اور درود شریف پڑھتے وقت بلند آواز سے[1] حضور کی خدمت میں صلاۃ وسلام پیش کرتے ہو۔ آج اپنے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرو۔ اس کی اولاد سے نیکی کرو۔ اس کے بیٹوں کو ان کا حق دو۔ یہ کہتے ہی اپنا عمامہ اتارا اور سید زادی کے سر پر رکھ دیا۔ تمام لوگوں نے بھی ویسے ہی کیا۔ اور سید زادی مالا مال ہو کر گئی۔

○ خواجہ حسن مؤدب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت شیخ ابو سعید رحمہ اللہ نیشاپور میں تھے۔ تو شہر کے تمام بزرگ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان میں شیخ ابو محمد جوینی استاد امام ابو القاسم قشیری۔ استاد اسماعیل صابونی قدس سرہم

---

[1] یاد رہے یہ کتاب آج سے نو سو سال قبل لکھی گئی تھی۔ لوگ اس وقت بھی بلند آواز سے درود وسلام پڑھا کرتے تھے۔ مگر آج کے معترضین اسے زمانہ حاضرہ کی بدعت کا نام دے کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں۔ مترجم

بھی ہوتے۔ وہ کسی نہ کسی مسئلہ پر شیخ سے بحث کر لیتے۔ ایک دن حضرت شیخ نے ایک بات کہی جس وقت بزرگان شہر اور صوفیا نیشاپور موجود تھے۔ باتوں کے دوران حضرت کی زبان پر یہ شعر آیا۔

یک دم زدن از حالِ تو غافل نیم اے دوست
صاحب خبرم آں دارم آنجا کہ تو ہستی

اے دوست تیرے احوال سے ایک دم بھی بے خبر نہیں ہوں۔ تم جہاں بھی ہوتے ہو مجھے خبر ہوتی ہے اس شعر کے بعد آپ نے حاضرین کو مخاطب فرمایا اور پوچھا کہ اس شعر کا مطلب قرآن میں کہیں آیا ہے؟ حاضرین مجلس نے غور کیا مگر بات تک نہ پہنچ سکے۔ آخر کار حضرت شیخ کو کہنے لگے حضرت آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اِنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰھُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ؃ وہ حضرت کی اس نکتہ آفرینی پر حیران رہ گئے۔

حکایت:- حسن مؤدب کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجلس وعظ سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ میرا معمول تھا کہ مجلس سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں کھڑا رہتا تاکہ کوئی حکم ہو تو بجا لاؤں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا حسن شہر میں جاؤ۔ اور دیکھو اس شہر میں ہمارا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ اور صوفیاء کا بدترین مخالف کون ہے؟ اس کے پاس جا کر کہو۔ کہ درویش بھوکے ہیں۔ ان کے پاس کوئی چیز نہیں جس سے پیٹ بھر سکیں۔ ان کے لئے کچھ دو۔ میں شہر میں گیا۔ محلہ بہ محلہ کوچہ بکوچہ گھوما میرے نزدیک قاضی علی صندلی سے زیادہ مخالف اور منکر اور کوئی بھی نہ تھا۔ دل میں سوچا۔ شائد یہ میری غلط فہمی ہو۔ میں نے ایک بار پھر سارے شہر کا چکر لگایا۔ جائزہ لیا۔ لیکن میرے دل نے گواہی دی کہ بدترین مخالف یہی شخص ہے میں نے ایک بار پھر کوشش کی مگر میرے ذہن پر اسی کا نام سوار نظر آیا۔ مجھے یقین آگیا

کہ یہی بدترین دشمن ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے شاگردوں کا ایک مجمع ارد گرد کتابیں کھولے ہوئے تھا۔ میں نے سلام کہا اس نے جواب دیا جس طرح اس کی عادت تھی بڑے تکبرانہ انداز میں کہنے لگا۔ کوئی کام ہے؟ میں نے کہا۔ میرے شیخ ابوسعید نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے ہمارے درویشوں کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ذرا توجہ فرمائیں علی صندلی بڑا نکتہ گو عالم دین تھا۔ اور پھر طنازبھی کہنے لگا۔ بس تمہاری یہی مہم ہے اور یہی کام ہے؟ میرا خیال تھا۔ کہ تم مجھ سے کوئی دینی مسئلہ دریافت کرو گے۔ دوست جاؤ میرے پاس اس سے زیادہ اہم کام ہیں۔ کہ میں تمہیں کچھ دینے میں وقت ضائع کروں۔ تم محض اندھے لوگ ہو۔ کنج کنج کرتے رہتے ہو۔ یہ شعر پڑھا کرو۔ اور رقص کیا کرو!

اے دوست نترسی کہ گرفتار آئی　　آراستہ و مست بہ بازار آئی

میں یہ سنتے ہی اپنے شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ سنا تھا حضرت کو سنا کر دل نہ دکھاؤں۔ میں نے کہا۔ علی صندلی کہتا تھا۔ اس وقت مجھے کچھ معلوم نہیں اور میں کچھ نہیں کر سکتا حضرت شیخ نے فرمایا جس خیانت نہیں کرنا چاہیئے۔ جو کچھ سنا ہے۔ سناؤ۔ میں نے تمام واقعہ سنا دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ دوبارہ جاؤ۔ اور جا کر کہو۔ تم زینت دنیا سے آراستہ ہو کر بازار میں آتے ہو۔ اور دنیا کی محبت میں مست و مخمور ہو کر بازار میں ٹہلتے ہو۔ کل بازار قیامت برپا ہوگا۔ اس سے نہیں ڈرتے۔ اس وقت تم گرفتار ہو کر آؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

میں پھر گیا۔ علی صندلی کی مجلس میں پہنچا۔ شیخ کا پیغام دیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ چند لمحے سوچا۔ پھر کہا۔ فلاں شخص سے ایک سو درہم لے جاؤ اور شیخ کو کہو۔ آپ لوگ جب شعر کی یوں تفسیر کرنے لگے ہیں۔ میرا آپ لوگوں سے کیا واسطہ ہے تم سے کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حکایت:۔ جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ العزیز بازار عدنی گویاں کی خانقاہ

میں رہتے تھے۔ ایک دن صوفیاء کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران شیخ ابو محمد جوینی آ گئے۔ سلام کیا۔ مگر آپ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور ان کی طرف التفات نہ کیا۔ آپ کے اس رویہ سے ابو محمد نہایت شکستہ خاطر ہوئے۔ دل میں رنجیدہ ہوئے اور کونے میں بیٹھ گئے جب تمام لوگ کھانے سے فارغ ہوئے۔ حضرت شیخ نے ہاتھ دھوئے اور کھڑے ہو کر ابو محمد جوینی کے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا۔ سلام اللہ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ دل نہیں چاہتا تھا۔ کہ اپنے آلودہ منہ سے اللہ کا نام لوں۔ ابو محمد آپ کی بات سن کر خوش دل ہو گئے۔ اور کہا۔ جو حضرت شیخ فرما رہے ہیں۔ اس طرح طریقت و شریعت و سنت کے حصے میں نہیں آئی۔ حاضرین صوفیا بھی آپ کی اس تاویل سے محظوظ ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب تک کھانے سے فارغ نہ ہوں صوفیا سلام نہیں کہتے۔

عمہ کا حجرہ :۔ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کی ایک ہمشیرہ تھیں جسے حضرت کے بیٹے عمہ (پھوپھی) کہا کرتے تھے۔ وہ زہد و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھی۔ کسی امر مجبوری سے اپنے گھر سے باہر قدم رکھتی تھی۔ ورنہ گھر میں رہتیں۔ باہر آتیں تو چادر اور موزے گھر کے پیچھے رکھے ہوتے پہن لیتیں اور واپسی پر وہیں رکھ دیتیں۔ وہ گھر میں پہننے والے کپڑے باہر پہن کر نہ جاتیں۔ ان کا خیال یہ تھا۔ کہ شہر کی گلیوں کی گرد جن کپڑوں پر پڑ جائے ان سے عبادت خداوندی میں خلل آتا ہے۔ حضرت شیخ بھی آپ کے گھر قدم رکھتے تو عمہ گھر کو اچھی طرح دھوتیں اور کہتیں شیخ جن جوتوں سے بازار میں چلتے رہے ہیں پہن کر میرے گھر آ گئے ہیں لہٰذا اُسے دھونا ضروری ہے۔ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ عمہ کے گھر بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو عمہ نے کہا حضرت آپ کی باتیں تو سونے کے ٹکڑے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ہماری باتیں سونے کے ٹکڑے ہیں مگر تمہاری باتیں گوہر ناسفتہ ہیں۔ عمہ کے حجرہ میں ایک سوراخ تھا۔ جو حضرت شیخ کی عبادت گاہ میں کھلا کرتا تھا وہ اپنے بھائی کو اسی سوراخ سے دیکھ لیتی تھیں۔ اور ضروری بات کرنا ہوتی تو کر لیتیں۔

ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرے میں موجود تھے۔ خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف

فرماتے وہ اکثر حضرت شیخ کے پاس آتے رہتے تھے۔ عمہ نے دونوں کو اس سوراخ سے دیکھا اور
نور باطن سے معلوم کر لیا۔ کہ باتیں کرنے والے بزرگ حضرت خضر ہیں۔ وہ مراقبہ میں بیٹھ کر ان
دونوں بزرگوں کے قلبی احوال بھی معلوم کر لیتی تھیں۔ حضرت خضر علیہ السلام دوبارہ حضرت شیخ کے
کوزے سے پانی پیا۔ خضر اٹھے تو حضرت شیخ بھی آپ کے ساتھ تعظیماً کھڑے ہوئے اور آپ کو الوداع
کہنے کو باہر آئے۔ اسی اثنا عمہ جھٹ سے ہو کر حضرت شیخ کے حجرے میں آگئیں اور تبرکاً اس کوزے
سے پانی پی لیا جس سے حضرت خضر علیہ السلام نے پیا تھا۔ اور باہر اپنے گھر آگئیں۔ حضرت نے
واپس آکر کرامت کی روشنی میں عمہ کے اس فعل کو معلوم کر لیا اور خاموش رہے۔ خادم کو آواز دی
کہ آج سے عمہ کے حجرہ سے سوراخ بند کر دیا جائے۔

نیلے مرقع:۔ ایک بار حضرت شیخ قدس سرہٗ نے خواب میں بہشت کو دیکھا۔ دسترخوان بچھا ہے
ایک مجمع بیٹھا ہے۔ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایک شخص اٹھا۔ آپ کا
ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا یہ آپ کی جگہ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا دسترخوان ہے جن کے پاس ایک
ہی کرتا ہے۔ آپ کے پاس دو تین کپڑے ہیں۔ آپ تو ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ آپ نے
فرمایا۔ ان دنوں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نیلے مرقع اور خوبصورت لباس تیار کرائے جاتے
ہیں اور پہنے جاتے ہیں۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ کام تمام ہو گیا۔ یہ لوگ نیل کے مٹکوں پر کھڑے
ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ایک بار مزید بھگو دو تاکہ زیادہ نیلگوں ہو جائے۔ اور لوگوں کو پتہ چلے کہ
نیلے مرقع والا صوفی جا رہا ہے۔ ان لوگوں کی خود نمائی یہاں تک آگئی ہے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو
آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں۔ اسی لباس کو ان لوگوں نے اپنا صنم اور معبود بنا لیا ہے۔ جس دن حضرت
یہ بات فرما رہے تھے حضرت شیخ کے لئے ایک نئی واسکٹ سلائی گئی تھی۔ بہن کو فرمانے لگے۔ ہمارے
لئے آج مرقع تیار کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں آئے ہوئے ہمیں ستر سال گزر گئے۔ بڑی تکالیف اور
ریاضتیں برداشت کی ہیں۔ دن رات ایک کر دیئے۔ پھر کہیں جا کر ایک نصف مرقع نصیب ہوا۔
آج ہر شخص آسانی سے پورا لباس نیلگوں کرتا ہے۔ اور پہنتا ہے۔ اور صوفی کہلاتا ہے۔

حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ ہم ہر ایک کو کہتے ہیں۔ کہ تم لوگ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ لیکن تمہیں کہتے ہیں۔ کہ تم فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو۔ اور خیال رکھو۔ اس کے بغیر کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ ایک شخص ماوالنہر سے آیا ہوا تھا۔ اس نے یہ آیۃ کریمہ پڑھی وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ :۔ شیخ کی عادت تھی۔ کہ آیات عذاب پر گفتگو نہ فرماتے تھے۔ فرمایا۔ جب تمہارے نزدیک پتھر اور انسان کا ایک ہی بھاؤ ہے۔ تو دوزخ پتھروں سے گرم کرلینا ان بیچاروں کو تو اس میں نہ جلاؤ۔

مخلوق کو کیوں پیدا کیا:۔ ایک بار ایک شخص بغداد سے چل کر حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سوال کیا۔ حضرت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو کیوں پیدا فرمایا ہے۔ کیا اسے ان کی بڑی حاجت تھی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ اسے پیدا کرنے کی تین وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس کی قدرت بے پایاں تھی۔ اس کا نظارہ کرانا چاہتا تھا۔ دوسرے اس کی نعمتوں کے انبار لگے تھے۔ انہیں کھلانا چاہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ اس کی رحمت زیادہ تھی۔ اُسے گناہگاروں کی ضرورت تھی۔!

ایک دفعہ حضرت شیخ کی خانقاہ کے سامنے سے ایک درویش گزرا تو آپ نے فرمایا۔ بھائی تم جاڑو کے آگے گیند کی طرح ہو جاؤ۔ پہاڑ کی طرح نہ ہونا۔ ایک دن حضرت شیخ صوفیاء کو لے کر پن چکی پہ گئے۔ گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے لئے رکے اور فرمایا سنو۔ چکی کیا کہہ رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے۔ تصوّف تو یہ ہے۔ جو میں رکھتی ہوں۔ سخت لیتی ہوں نرم کر دیتی ہوں۔ اپنے ہی گرداگرد طواف کرتی ہوں۔ اپنا سفر اپنے طور پر ہی کرتی ہوں۔ جو میرے لئے نامناسب ہے اُسے دور کرتی ہوں، لوگوں نے یہ بات سنی تو رقت میں آگئے اور اس رمز سے محظوظ ہوئے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ استاد ابوصالح بیمار ہو گئے۔ آپ بڑے خوش آواز قاری تھے۔ صاحب فراش ہو گئے۔ تو حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ ابوبکر مودّب کو فرمایا۔ اور قلم لاؤ۔

میں ابو صالح کے لئے تعویذ لکھ دوں۔ اور پھر فرمایا لکھو!

حورا بہ نظارہ نگارم صف بزد　　رضواں بہ عجب ماند کف برکف زد

یک خال سیاہ براں رخ مطرف زد　　ابدال زبیم چنگ در مصحف زد

خواجہ ابوبکر مؤدب یہ تعویذ لے کر بیمار قاری کے پاس پہنچے باندھا اسی وقت صحت یاب ہو گئے اور بیماری جاتی رہی۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ العزیز کے زمانہ میں ایک ولی اللہ روم کی سرحدوں پر جہاد کرنے لگے۔ ایک دن دارالحرب میں جا رہے تھے۔ شیطان سامنے آ گیا۔ فرمایا۔ اوملعون تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ان مجاہدوں کے دلوں میں تیرے وسوسے تو نہیں ہیں۔ کہنے لگا میدان جہاد میں میرے اختیار سلب ہو جاتے ہیں۔ پوچھا کیسے؟ کہنے لگا۔ میں خراسان کے قصبہ میہنہ میں سے گزر رہا تھا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر مسجد سے نکل کر اپنے گھر جا رہے تھے راستہ میں انہیں چھینک آئی۔ تو مجھے یہاں پھینک دیا گیا۔

ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا حضرت وہ کتنا بدبخت انسان ہے کہ رات کو چوری کرتا ہو۔ اور دن کو نماز ادا کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اسے کچھ نہ کہو۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے اسے چوری سے محفوظ کر دے۔

ایک دن ایک بزرگ نے حضرت شیخ ابوسعید سے کہا۔ کہ حضرت میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور کہا۔ یا شیخ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اس نفس کی خرابیوں سے محفوظ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو کچھ کیا ہے یا ہو چکا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارا حصہ رکھا ہے تو توفیق بھی وہی دے گا۔ اگر نہیں ہے تو نہ اس میں کمی آسکے گی نابیشی۔ نہ آگے ہو گا نہ پیچھے۔ اگر اس نے نصیب رکھے ہیں تو اس کی طلب پیدا کر دے گا۔ حقیقت میں اسے تیری تلاش ہے۔ اس وقت تیرے اندر بھی طلب کا جذبہ پیدا کر دے گا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث نبوی ہے کہ

درویش کون ہے:۔ ایک قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھنے لگے۔ حضور! درویشی کسے کہتے ہیں؟ آپ نے ایک آدمی کو آگے آنے کو فرمایا۔ اور پوچھا تمہارے پاس درہم ہیں۔ اس نے کہا ہاں حضور! آپ نے فرمایا۔ تم درویش نہیں ہو۔ پھر دوسرے کو بلایا۔ اور وہی سوال کیا۔ اس نے کہا میرے پاس تو نہیں ہیں۔ کیا تمہارے گھر پانچ درم ہوں گے۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا۔ تم بھی درویش نہیں ہو۔ تیسرے کو بلایا پوچھا تمہارے پاس۔ یا گھر یا کسی سے قرضہ لینے کے لئے پانچ درم ہیں اس نے کہا حضور نہیں آپ نے فرمایا پانچ درہم کی مزدوری کر سکتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ تم بھی چلے جاؤ تم درویش نہیں ہو۔ ایک اور کو بلایا کیا تمہارے پاس ان تمام ذرائع سے کوئی چیز ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ اگر تمہیں راستہ میں جاتے ہوئے پانچ درہم مل جائیں تو تم یہ کہو کہ یہ میرا نصیبہ تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں وہ تو میرے لئے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا تم بھی جاؤ تم درویش نہیں ہو سکتے۔ ایک اور کو بلایا۔ اور بیان کردہ ساری صورتیں پوچھیں اس نے کہا یا رسول اللہ نہیں! آپ نے فرمایا اگر پانچ درہم مل جائیں تو ان کو اپنے قبضہ میں کر لو گے۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم کیا کرو گے وہ کہنے لگا۔ یا رسول اللہ اسے یا بیت المال میں جمع کرا دوں گا یا حاجت مندوں میں تقسیم کر دوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ تم درویش ہو۔ اور درویش کی یہی صفت ہوتی ہے۔ حضور کی یہ بات سن کر تمام اٹھے رونے لگے۔ اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ لوگ ہمیں درویش کہتے ہیں۔ حالانکہ درویش تو وہ ہے جسے آپ نے بیان فرمایا۔ اب ہمارا کیا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ درویش ہے تم سارے اس کے طفیلی ہو!

○ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک بھڑ ایک چیونٹی کے پاس گئی۔ اسے دیکھا۔ کہ گندم کا ایک دانہ اٹھائے۔ اپنے بل کی طرف جا رہی ہے۔ لوگ اسی راستہ میں اسے پاؤں سے ٹھکراتے اور بڑی بے دردی سے بہت سی چیونٹیوں کو کچلتے جاتے۔ بھڑ نے چیونٹی کو پوچھا۔ یہ محنت یہ مشقت اور یہ سختی صرف ایک دانہ کے لئے اٹھانا۔ کیا عقلمندی ہے؟

ایک حقیر سے دانۂ گندم کے لئے اس قدر تکلیف اٹھانا باعث تعجب ہے۔ مجھے دیکھو اپنا رزق حاصل کرنے کے لئے کتنی آسانی سے جہاں چاہے جاتی ہوں اور کھاتی ہوں۔ چیونٹی کو ایک گوشت کی دکان پر لے گئی۔ گوشت لٹک رہا تھا بھڑ اڑتی اڑتی آئی۔ اور بڑے فخر سے گوشت پر جا بیٹھی اور پیٹ بھر کر کھایا۔ اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں اٹھا کر باہر چلی۔ قصائی نے دیکھا تو ایک چھری اس زور سے ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک آن میں چیونٹی کے پاس ہی زمین پر مردہ پڑی تھی۔ چیونٹی آگے بڑھی اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی۔ جو وہاں بیٹھتا ہے جہاں چاہتا ہے۔ اس طرح مارا جاتا ہے کہ ایسا نہیں چاہتا!

حکایت:۔ خواجہ مسعد بن خواجہ امام منظفر صمدان نوقانی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ میرے والد مکرم کے پاس تشریف فرما تھے۔ میرے والد نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ میں آپ کو نہ صوفی کہتا ہوں نہ درویش کہتا ہوں۔ بلکہ میں تو آپ کو عارفِ کامل کہتا ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا "کہ وہ کہو جو وہ کہتا ہے"!

خواجہ مسعد کہتے ہیں کہ میری دادی کا نام عائینہ تھا۔ میری والدہ راحتی کو حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر کی خدمت میں لائیں ان دنوں میری والدہ کی عمر ابھی بارہ سال تھی۔ اور میرے والد سے نکاح یا شادی کی بات ابھی تک نہیں چلی تھی۔ حضرت شیخ نے میری والدہ سے پوچھا۔ بیٹی تمہارا نام کیا ہے! کہا راحتی۔ آپ نے فرمایا۔ مبارک ہو! اب صوفیا کی دعوت کرنا چاہیئے۔ میری والدہ نے کہا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ دعوت ضرور کرو خواہ گداگری کر کے کرنا پڑے میری والدہ نے کہا۔ میں کیسے گداگری کر سکتی ہوں؟ میری والدہ نے اسی وقت اعلان کر دیا۔ کہ میں تمام صوفیوں کی دعوت کروں گی۔ مگر آپ مجھے کوئی چیز ادھار دیں۔ حضرت نے اپنی چادر اور پیراہن اتار کر دے دیا۔ ان دونوں کپڑوں کو لے کر سرائے میکالیاں چلی گئیں۔ وہاں ایک ماں بیٹی رہا کرتی تھیں۔ انہیں بتایا۔ کہ شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درویشوں کے لئے دعوت دینے کا کہا ہے۔ میرے پاس کچھ

نہ تھا۔ میں نے کہا خالی ہاتھ ہوں۔ فرمانے لگے۔ گداگری کرلو۔ میں نے انہیں سے یہ دو کپڑے مانگ لئے ہیں۔ تم انہیں خرید نا پسند کرو گی۔ لڑکی اٹھی۔ گھر کے اندر گئی۔ چوڑیوں کی جوڑی نکال لائی اس وقت ان کی قیمت ساٹھ دینار تھی۔ میرے سامنے لا رکھی۔ اور چادر لے لی۔ ماں اٹھی۔ ایک پازیب لے آئی۔ اس کی قیمت بھی ساٹھ دینار تھی۔ پیراہن اٹھایا اور پازیب مجھے دے دیا۔ میں نے کہا۔ مجھے ان کپڑوں سے ایک بات کی آواز آتی ہے۔ تم سن رہی ہو انہوں نے کہا۔ نہیں! یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی کے پاس نہیں رہیں گے۔ یا ہم رہیں گے یا غیر۔ پھر پوچھا۔ تمہارے پاس کوئی اور چیز ہے۔ انہوں نے کہا نہیں دونوں اٹھیں شیخ کی چادر اور پیراہن کو بوسہ دیا۔ اور میرے سامنے لا رکھے۔ اور کہنے لگیں۔ تم صوفیا کی دعوت پکاؤ۔ جس طرح دل چاہے خرچ کرو۔ تم یہ کپڑے بھی رکھو! یہ چوڑیاں۔ یہ پازیب اور یہ کپڑے تمہاری ملکیت ہیں۔ ہم اٹھے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے چادر پیراہن۔ چوڑیاں اور پازیب سب حضرت کی خدمت میں لا رکھے۔ اور کہا اپنے صوفیوں کی دعوت کیجئے اور انہیں خوش کر دیجئے۔ حضرت نے اعلان فرمایا۔ بڑی عمدہ دعوت کی جائے۔ چادر اور پیراہن پھاڑ دیئے۔

صاینہ تو نوقان چلی آئیں۔ اور خواجہ مظفر کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دونوں باتیں کرتے۔ صاینہ کا موضوع سخن فنا ہوتا اور خواجہ مظفر کا بقا۔ خواجہ مظفر کو صاینہ کی باتیں بہت پسند آتی تھیں۔ فرمایا کرتے جو تمہارے موافق ہے وہ اللہ کے ہاں موافق ہوگا۔ جو تمہارا مخالف ہوگا۔ وہ اللہ کا مخالف ہوگا۔ صاینہ نے کہا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں میری ایسی کوئی خوشی نہیں جو آپ کے کام آسکے۔ خواجہ مظفر نے فرمایا۔ ہم ایسی خوشیوں سے فارغ اور بے نیاز ہیں۔ دس سال ہو گئے تھے۔ کہ خواجہ مظفر کی بیوی مر چکی تھی جس وقت وہ زندہ تھیں خوشحال تھی۔ کسی چیز کی حاجت نہ تھی۔ بیس سال کی عمر میں خواجہ مظفر نے راحتی سے شادی کی جس سے خواجہ مسعد پیدا ہوئے۔ یہ حضرت شیخ کی دعا اور برکت کا نتیجہ تھا۔

ابو الفضل محمد بن احمد العارف النوقانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت شیخ کے ساتھ گورستان حیرہ میں کسی عزیز کے جنازے پر گئے جب حضرت احمد طابرانی قدس سرہٗ کی قبر پر پہنچے تو حضرت کا گھوڑا رکا۔ حضرت کی آنکھ حضرت احمد طابرانی کی قبر پر پڑی۔ چند لمحے قبر کو دیکھتے رہے۔ پھر گھوڑا آگے بڑھا فرمانے لگے۔ احمد طابرانی ہم سے باتیں کر رہے تھے۔

حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں استاد بو علی دقاق اور ابوالقاسم القشیری تینوں بیٹھے ہیں۔ ایک آواز آئی۔ اٹھو اور ہر ایک قربانی پیش کرو۔ ہم لوگ اسی وقت اٹھے۔ قربانی پیش کی۔ استاد ابوالقاسم قشیری ادھر ادھر بڑھے لیکن انہیں قربانی دینے کو کوئی چیز نہ ملی۔ اور رہ رہے تھے۔ کچھ قربان نہ کر سکے۔ اگر اس دن کچھ قربان کر دیتے۔ تو ان کے پائے کا دوسرا کوئی ولی اللہ نہ ہوتا۔

ایک سفر میں حضرت شیخ ابو سعید جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کالا ناگ حضرت کے پاؤں میں آ لیٹا اور عقیدت کا اظہار کرتے لیٹ رہا تھا۔ حضرت چند لمحے رکے اسے تسلی دی اور آگے بڑھے ایک درویش یہ واقعہ دیکھ رہا تھا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سانپ ہمارا پرانا عقیدت مند تھا۔ آج اسے اظہار عقیدت کا موقعہ ملا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ تم چاہتے ہو کہ سانپ تمہارے قدموں میں لیٹے۔ درویش نے کہا۔ ہاں یا حضرت! فرمایا۔ چونکہ تم خود چاہتے ہو ایسا نہیں ہو سکے گا۔

○ ایک بار حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے مزار پُر انوار پر بیٹھے تھے حضرت بایزید کی قبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہِ تَعَالٰی جَعَلَ اَقْدَامُ الاولیاء منار الارض فَمَا لَھُو لَاءِ الاَجْسَادِ یعنی لَا یَرْقُصُوْنُ بِہٰذا الیک

○ ایک دن حضرت احمد ابولیث حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کی خدمت میں آئے جب وہ واپس چلے گئے تو حضرت نے ایک آدمی کو بھیجا کہ انہیں بلا لائیں۔ واپسی پر آپ نے اس شخص سے پوچھا۔ راستہ میں احمد ابولیث کیا کہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے

آپ نے پوچھا۔ وہ کن نعمتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر کی ہیں یا وہ نعمتیں جو تم پر کی ہیں۔ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کی ہیں وہ بے پناہ بلند اور اعلیٰ ہیں اور جو نعمتیں آپ کو دی ہیں وہ درمیانہ درجے کی ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا۔ ایک ایسے زاہد بزرگ تھے جو مراقبہ میں رہتے ان کے بال اس قدر بڑھ گئے تھے کہ بھڑوں نے اس پر آشیانہ بنالیا تھا اور اس میں بچے دے دیئے تھے مگر وہ محویت میں مدتوں بسر کرتے رہے۔

صاحب ہمت :- حضرت خواجہ علی خبّاز قدس سرہٗ مرو سے چلے اور میہنہ آئے حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ خواجہ احمد نصر اور دوسرے مشائخ وقت مجلس میں بیٹھے تھے۔ یہ حضرات مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسی دوران زمانہ حاضرہ کے ایک دنیادار کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ خواجہ خبار نے کہا۔ ہاں وہ بڑا باہمت شخص ہے حضرت نے فرمایا اسے جوانمرد کہا جا سکتا ہے اسے باہمت نہیں کہا جاتا۔ البتہ امنیت کہا جا سکتا ہے جو شخص اپنے مال کو غریبوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسے امنیت کہتے ہیں۔ ہمت نہیں کہتے صاحب ہمت وہ ہوتا ہے۔ جسے اللہ کے بغیر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔

احترام مسجد :- ایک دفعہ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ چھت سے کچھ مٹی اور گھاس گری اور حضرت کے جسم پر پڑی۔ ایک درویش پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے اٹھا کر مسجد میں گرادی حضرت شیخ نے فرمایا۔ بھائی۔ تم نے یہ بات کی ہے تمہیں خیال نہیں آیا تم نے کیا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ساتوں آسمان زمین پر گرا کر اسے نیست و نابود کر دے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے پر کرم کیا ہے۔ کہ اپنے گھر کی مٹی گرائی ہے۔ اور حکم دیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اگر تم نے گوارا نہ کیا مسجد کی یہ خاک میرے جسم پر پڑے۔ مگر تم نے یہ گوارا کر لیا کہ اسے اللہ کے گھر میں پھینک دیا جائے۔

حضرت شیخ جن دنوں نیشاپور تھے۔ انہی دنوں حضرت امام قیشری

ہاتھ اور دل :- قدس سرہٗ بھی نیشاپور میں تھے۔ ایک دن حضرت شیخ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مال اوقاف میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اوقاف ہمارے ہاتھ میں ہے۔ دل میں نہیں ہے۔ حضرت نے جواب بھیجا ہم تو آپ کے دل اور ہاتھ کو ایک ہی جانتے تھے۔

استاد عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہٗ نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ میں ان کی مجالس میں قاری تھا۔ ایک دن ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ میں مسافر ہوں آپ کے شہر میں آیا ہوں۔ سارے شہر میں آپ کا نام چلتا ہے۔ شہرت ہے اور ہر طرف آپ کا ڈنکا بجتا ہے۔ پھر بہت سی کرامات بھی مشہور ہیں مجھے آج کوئی کرامت دکھائیے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہم عامل میں تھے۔ ایک شخص حضرت ابوالعباس قصاب قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہوا۔ اور یہی سوال کیا۔ جو تم نے کہا ہے حضرت ابوالعباس نے کہا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ بھی ایک کرامت ہے۔ میں ایک قصاب کا لڑکا ہوں جس نے باپ سے قصائی کا پیشہ سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ میں اٹھا۔ بغداد چلا آیا۔ حضرت پیر شبلی نے مجھے وہاں سے مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منوّرہ پہنچے۔ مدینہ منوّرہ سے بیت المقدس گیا حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اس قصاب زادے کو نگاہ قبولیت سے دیکھیں۔ انہوں نے اپنی تربیت میں رکھا اور یہ مقام دیا۔ ایک جہاں مجھ پر مہربان ہو گیا۔ اب لوگ شراب خانوں سے نکل کر ایک بار مجلس میں آتے ہیں تو دل کی سیاہیوں سے پاک ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے سے سوختہ دل آتے ہیں اور یہاں آکر سکون قلب حاصل کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا کرامت دیکھنا چاہتے ہو؟ اس شخص نے حضرت سے پھر اصرار کیا۔ میں تو اب فوری کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گڈریے کے بیٹے کو صدر

نشین بنا دیا ہے۔ یہ اس کا کرم ہے۔ کہ ایک ذرۂ ناچیز کو اس قدر نوازا۔ اسے زمین میں دفن نہیں کر دیا۔ اس پہ آسمان نہیں ٹوٹ پڑا۔ اس گھر کی چھت اس پہ نہیں گر پڑتی بے ملک بادشاہ بنا دیا ہے بے تاج بادشاہی کر رہا ہے۔ بغیر کسی ہنر و فن کے روزی حاصل کرتا ہے خود کھاتا ہے۔ مخلوق کو کھلاتا ہے۔ یہ تمام ظاہری کرامتیں ہیں جو تم اب بھی دیکھ سکتے ہو۔ پھر حضرت نے اس نوجوان کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ ہمیں تمہارے ساتھ وہی واقعہ درپیش آیا ہے۔ جو حضرت ابوالعباس کو آیا تھا۔ اس نے کہا حضرت میں آپ سے کرامت طلب کر رہا ہوں۔ آپ مجھے حضرت ابوالعباس کا واقعہ سنا رہے ہیں جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری باتیں اللہ کی طرف سے کرامت ہوتی ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا۔

ہر باد کہ از سوئے بخارا بمن آید — زد بوئے گل و مشک و نسیم و سمن آید
بر ہر زن و ہر مرد کجا بر در زد آن باد — گوید مگر آن باد ہمی از ختن آید
نہ نہ ختن باد چناں خوش نوزد، ہیچ — کاں باد ہمی از بر معشوق من آید
ہر شب نگرایم بہ یمن تا تو بر آئی — زیرا کہ سہیلی و سہیل از یمن آید
کوشمہ کہ بپوشم صنما نام تو از خلق — تا نام تو کم در دھن انجمن آید
با ہر کہ سخن گویم اگر خواہم اگر نہ — اوّل سخنم نام تو اندر دھن آید

پھر حضرت شیخ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پاک فرما دیتا ہے۔ اس کی حرکات سکنات قول و فعل۔ حال و احوال تمام کے تمام کرامات ہو جاتے ہیں وَصَلَّی اللّٰہ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط



اقوال و گفتار

حضرت شیخ ابو سعیدؒ ابوالخیر قدسؒ سرہٗ العزیز



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○ دیدار خداوندی دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ زبان کی گفتار سے نہیں ہوتا۔

○ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی (جو شخص اللہ کے خوف سے ڈرتا ہے۔ اور خواہشات سے بچتا ہے، جب تک نفس نہ مرجائے اس وقت تک صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

○ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ۝ بہت سے لوگ زبان سے ایمان لے آتے ہیں۔ مگر دل سے مشرک ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پہ کہا ہے۔ جو شرک کرے گا میں اسے نہیں بخشوں گا۔ اِنَّ اللہَ مَا یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ جو شخص شرک سے پاک ہو گا اسے بخش لوں گا مگر تیرے تو سات اندام شک اور شرک سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ شرک اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے جب تک ایمان دل میں جاگزیں نہ ہو جائے۔

○ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یارسول اللہ مجھے اصل مسلمان کے بارے میں ہدایت فرمائیں تاکہ میں اس پر ایمان لا سکوں اور عمل کر سکوں۔ آپ نے فرمایا اچھا کہو۔ آمَنْتُ بِاللہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (اللہ پر ایمان لاؤ اور اس پر ثابت قدم رہو) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔

آیتہ کریمہ اسی مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔لومڑی کی طرح ہر کھوہ میں سر نہ چھپاتے پھرو اسی طرح اپنے ایمان کو ہر خیال سے پامال نہ کرتے رہو۔ایمان یوں لاؤ کہ ایک بار اللہ اللہ کہہ دو پھر اس پر قائم رہو۔

○ سرکشی کفر ہے۔غیر اللہ پر بھروسہ کرنا شرک ہے۔اور اللہ کی رضا پر خوش رہنا فرض ہے۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے کہا۔ایک شخص نے توبہ کی تھی۔توڑ دی۔آپ نے فرمایا اگر اس کی توبہ کو توڑا نہ جاتا تو کبھی توبہ نہ توڑتا۔

○ شیخ فرمایا کرتے۔تم بے نوا اور بے بس ہو۔بے عیب معشوقہ کی تلاش میں نہ رہو۔بے عیب کبھی نہ پاسکوگے۔

○ ہزار دوست تھوڑے ہوتے ہیں اور ایک دشمن بڑا ہوتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے اپنی مناجات میں کہا۔بار خدایا۔مجھے بخش لے تو دوست نواز ہے میرے عیب نہ دیکھ۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔اللہ کے بندے تو مسجد میں ہوتے ہیں فرمایا شراب خانے میں بھی ہوتے ہیں۔

○ شیخ فرمایا کرتے تھے۔ہم نے جو کچھ پایا ہے۔شب بیداری سے۔انکساری سے اور مال دنیا سے بے نیازی پایا ہے۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ سے پوچھا گیا صوفی کون ہوتا ہے۔فرمایا۔ جو سر میں جو کچھ ہو گرا دے۔ہاتھ میں جو کچھ ہو غریبوں کو دے دے۔ اور جو کچھ کہا جائے اس سے خفا نہ ہو۔

○ حضرت نے کہا۔جو چیز اللہ سے ہٹا دیتی ہے وہی مذموم ہے۔

○ شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔انسان ایک دن رات میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) سانس

لیتا ہے جو سانس اللہ کے بغیر لیا جائے وہ رائیگاں جاتا ہے۔ یہ ایسا سانس ایک ایسے مردار کی طرح ہے جس سے ہر ایک بدبو محسوس کرتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تمہاری زندگی دو سانسوں کے درمیان ہے۔ ایک گزر گیا اور دوسرا آنے والا۔ اسی کا نام (گذشتہ) کل ہے اور (آئندہ) کل ہے۔ اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تصوف دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ یکسو دیکھنا اور یکساں دیکھنا۔

○ حضرت نے فرمایا۔ اَللّٰہ بَس وَما سَوٰی ہَوَسٌ وَانْقَطَعَ النفس۔

○ الذکر لنسیان مَاسَوٰی ذکر اللہ کے سوٰی سب کچھ بھول جانا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ یا تو پکے یہودی ہو۔ یا توریت سے کھیلنا چھوڑ دو۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ رَاحَتہِ النَّفْسَ فِی التَّسلیم وَبَلَاوِ ھا فِی التَّدبِیرِ جان تسلیم حکم میں راحت محسوس کرتی ہے۔ اور تدبیر میں مصائب آتے ہیں۔

○ شیخ نے فرمایا یہ ہے اور بس۔ اُس کو ناخن پہ لکھ لو۔

○ حضرت نے فرمایا۔ اسلام اس چیز کا نام ہے کہ ازلی احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ وَالاِسلَامَ اَنْ یَموُتَ نَفْسُکَ۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ کہ بندہ نماز پڑھتے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ تو رب کریم فرماتا ہے کہ نہ دیکھو۔ اگر دیکھنا ہے تو مجھے دیکھو میں سب چیزوں سے بہتر ہوں۔ جب دوسری بار دیکھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے۔ کیا دیکھتے ہو۔ کیا یہ چیز مجھ سے بزرگ ہے عزیز ہے۔ محترم ہے! جب تیسری بار دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جاؤ۔ پھر اس کو ہی پسند کرو

ے وانی کہ مرا یار چہ گفت امروز جز ما بکسے درمنگر دیدہ بدوز

○ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ بزرگ ترین انسان وہ ہے جو متقی ہو۔ تقویٰ اپنے نفس سے بھی پرہیز کرنا ہے۔ اپنے آپ سے پرہیز کرو

گے تو اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا: یہ میرا راستہ ہے دوسرا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ یہ راستہ روزہ رکھنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ قیام کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ عبادت سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ سجدہ کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ رکوع کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ تو اپنے آپ سے پرہیز کرنے سے ملتا ہے۔ یہی اللہ کا راستہ ہے۔

○ آپ نے فرمایا۔ التصوف اسم واقع فاذا تم فهو الله درویشی واقع کا نام ہے جب مکمل ہو جائے تو منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ وہاں اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں نظر نہیں آتی۔

○ ایک دن ایک درویش حضرت کی خدمت میں ایسے کھڑا ہوا۔ جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے کھڑے ہو جیسے نماز پڑھ رہے ہو۔ لیکن اس سے بہتر یہ تھا کہ تمہارا وجود نہ ہوتا۔

○ آپ نے فرمایا جو چیز اللہ کی نہیں وہ کچھ نہیں۔ جو بندہ اللہ کا نہیں وہ انسان نہیں۔

○ جہاں تم اپنا وجود تسلیم کرتے ہو وہاں دوزخ ہے۔ اور جہاں اپنے وجود کی نفی کرتے ہو وہی بہشت ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اللہ اور بندے کے درمیان حجاب آسمان اور زمین نہیں ہے عرش و کرسی نہیں ہے۔ بلکہ یہ حجاب ہے غرور اور تکبر کا۔ تکبر مٹا دو خدا کو پا لو گے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ چار اقوال چار کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ توریت سے مَنْ قَنَعَ شَبِعَ (جس نے قناعت کی پھل پایا) انجیل سے مَنْ اِعْتَزَلَ سَلِمَ (جس نے اپنے آپ کو گرا لیا وہ سلامت رہا) زبور سے مَنْ صَمَتَ نَجَا (جس نے خاموشی اختیار کی نجات پائی) قرآن سے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

پھر آرام کو چھوڑ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ وہ صرف اپنے اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر نگاہ التفات رکھتا ہے۔ یہ تمام مقامات اس کی دوستی اور محبت کا نتیجہ ہیں۔ یہ میری کوشش مجاہدہ سے نہیں۔ وہ اس مقام پر پہنچ کر رکتا ہے۔ اس وقت اس پر توحید کے دروازے کھلنے شروع ہوتے ہیں وہ جان لیتا ہے۔ اور دیکھ لیتا ہے۔ اللہ اسے تنا سا بنا لیتا ہے۔ تاکہ وہ پہچان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو آسان بنا رہا ہے اِنَّمَا الاَشیاءُ بِرَحمَۃِ اللّٰہِ (تمام چیزیں اللہ کی رحمت سے مکمل ہوتی ہیں) اس مقام پر وہ جانتا ہے۔ کہ تمام اسی کی ذات ہے۔ ہمہ اوست! اور ہمہ از وست!

تکبر اور غرور کی ساری کیفیت انسان کی ابتلا اور مصائب کی علامت ہے یہ انسانی غلطیاں اللہ تعالیٰ نے اپنی جباریت کے اظہار کے طور پر مسلط کی ہیں انسان اللہ کے اوصاف سے باہر نہیں جا سکتا اور جبار بھی اللہ کا اوصافی اسم ہے ان عادات کا مظاہرہ جب انسانی ذات سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ انسان کامل تو ان اوصاف کو بھی از وست یا ہمہ اوست کہہ اُس کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ ان حالات میں بھی انسان کامل کے اندر عجز پیدا ہوتا ہے۔ اور تکبر و غرور ختم ہو جاتا ہے۔ انسان آزاد اور آسودہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور اس اتباع میں آسودگی پاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہمہ اوست۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ اس کا علم بھی یہی کہتا ہے۔ کہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس طرح آسان کو آسان نہیں بناتا۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہیں۔ یہ زخم نہ تو سوئی سے سیئے جا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی رشتہ میں پروئے جا سکتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی عطاء ہے۔ اللہ کی تعلیم یہی ہے۔ ذٰلِکَ مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّيْ اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآن (یہ وہ مقام ہے جسے مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا اور قرآن کی تعلیم دی)

○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا حضرت نماز پڑھتے وقت ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔ فرمایا۔ ہاتھ دل پر اور دل اللہ تعالیٰ پر۔

○ حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ تمام چابک سواران راہ سلوک حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے کوچے میں پہنچے۔ اور ان کی باگیں کھینچ گئیں۔ آج حضرت بایزید کہاں ہیں تاکہ وہ ایک زبردست سوار کو دیکھ سکیں!

○ ایک بار لوگوں نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے پوچھا کہ انسان اپنی خواہشات سے کب رکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہو۔ یہ بات انسان کی اپنی کوشش سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ کا فضل ہونے لگتا ہے تو توبہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پھر وہ مجاہدہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے وہ کوشش کرنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راستہ ہے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے لئے ترقی کی راہیں کھل رہی ہیں۔ یا اب وہ کام کرنے لگا ہے مگر اسے منزل نہیں ملتی۔ اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ مختصر سے مجاہدوں کی یہ آلائیش اس کے راستہ میں حائل ہے۔ وہ توبہ کرتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے۔ اب اس کے دل پر اللہ کی راہیں کھلنا شروع ہوتی ہیں اور یقین کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ آگے بڑھتا ہے اس نے جن جن لوگوں سے چیزیں لی ہوتی ہیں۔ ان سے انہیں خواری اور شرمندگی آنے لگتی ہے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کیوں ہے اس کے دل سے خنک رفع ہونا شروع ہوتا ہے پھر وہ اس پر محبت کے دروازے کھلنا لگتے ہیں۔ دوستی کے اثرات بڑھنے لگتے ہیں۔ اس محبت میں اپنی خودی اور تکبر ختم ہوتی جاتی ہے ان حالات میں لوگوں کی ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی یوں صورت ہوتی ہے۔ کہ وہ اس راستہ میں جو کچھ آئے یا طعن و تشنیع کا سامنا ہو اسے قبول کرتا ہے۔ اس سے نالاں نہیں ہوتا۔ اس کے اندر ایک معرفت کا نور نمایاں ہونے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں دوست رکھتا ہوں۔ اس حالت میں مزید آگے بڑھتا ہے۔ چند لمحے آرام کرتا ہے

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے ان اسرار کو بیان کرنے کے بعد مزید فرمایا۔

جَذَبُ جَذَبتہٗ من الخلق اِلیٰ معاینہ الذات فیحنئذ صارالعلم عَیِنًا والعین کشفا والمکشف۔ شہودًا باشہودًا وصارا لکلام خرسا والحیٰوۃ موتًا وانقطعت العبادات وامحت الاشارات وَالمحقت الخصومات وشمر انقاد صح البقاء وزالتُ والعنا دطاح المَاءَ والطین دبقیٰ من کم یزل حسین اوحسینٌ قل ارابتم ان اصبح ماؤکم غورًا فمن یاتیکم بماءٍ معین ط۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت کے باوجود مخلوق خدا کے حقوق کو اپنے حقوق کے تابع رکھتا ہے۔ یعنی ان کو اوّلیت دیتا ہے۔ اپنے فضل وکرم سے اپنے حقوق خلق میں یہ بات گوارا نہیں کرتا۔ باوجودیکہ رحمت اللہ کا خاصہ ہے اور عجز مخلوق کا خاصا ہے تاہم وہ حقوق العباد کو معاف نہیں فرماتا۔

آرے چنیں کنند کریماں کہ شاد کرد سوئے رہے بچشم بزرگی نگاہ کرد

○ ایک دن حضرت شیخ نے دوران گفتگو ایک شخص کو مخاطب فرمایا۔ اور کہا تمام ڈر ہمارے نفس کی وجہ سے ہے۔ اگر اسے نہ ماروگے تو وہ تمہیں مار دے گا اگر اس پر سختی نہ کروگے تو وہ تم پر سختی اور قہر کرے گا۔

○ ایک دن حضرت منبر پر تشریف فرما تھے فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرے بعد یہ پوچھے کہ تمہارے پیر نے تمہیں کیا سکھایا تھا۔ تو یہ کہو کہ چار اصول۔ حکم الوقت۔ اشارۃ السّر فتوح الغیب۔ اور سلطان الحق۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص بلند مقامات روحانی پر پہنچا ہے اور غیب پر مطلع ہونا نصیب ہوا ہے اور اس کا کوئی پیر و مرشد یا استاد بھی نہ ہو۔ مجاہدات کے باوجود بعض اوقات فائدوں کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ نے دوران وعظ فرمایا۔ تصوّف ذلت میں عزت بے روپئی میں تونگری ہے۔ بندگی میں بادشاہی ہے بھوک میں سیری ہے عریانی میں پوشیدگی ہے غلامی میں آزادی ہے۔ موت میں زندگی ہے تلخی میں شیرینی ہے جو شخص راہِ تصوّف پر گامزن ہوتا ہے۔ اور سنبھل کر نہ چلے وہ سرگرداں رہتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے ایک اور مقام پر فرمایا۔ کہ انسان کو دو کاموں میں مشغول رہنا چاہیئے جو چیز اسے اللہ سے دُور رکھتی ہے اس سے دور رہے۔ درویشوں کو راحت پہنچائے اگر یہ دونوں کام صحیح طریقہ پر سرانجام پائیں گے تو مقصد کے حصول میں کامیابی ہو گی۔

○ حضرت شیخ سے درویشوں نے پوچھا حضرت مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کو ملنے کے لئے کتنی راہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک روایت کی روشنی میں تو ایک ہزار راہیں ہیں اور ایک دوسری روائیت میں کائنات ارضی کے ہر ایک ذرے کے برابر اللہ تک پہنچنے کی راہیں ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور محفوظ راہ یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو آرام و راحت پہنچائی جائے۔ ہم نے یہی راستہ اختیار کیا اور اپنے دوستوں کو بھی اسی راہ پر چلنے کی وصیّت کرتے ہیں

○ ایک درویش نے حضرت شیخ سے سوال کیا حضرت خداوند تعالیٰ کو کہاں تلاش کیا جائے۔ آپ نے اسے فرمایا۔ تم نے کہاں تلاش کیا ہے تو وہ تمہیں نہیں ملا۔ تم جہاں کہیں دیکھو گے اسے پالو گے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ بندہ کو دوزخ میں لے جائیں گے اسے دُور سے ایک نور نظر آئے گا۔ وہ کہے گا۔ یہ کیسا نور ہے؟ کہیں گے یہ فلاں بزرگ کا نور ہے۔ وہ شخص کہے گا۔ میں تو اس بزرگ کا زندگی میں مرید تھا اور اسے محبت کرتا تھا۔ یہ بات اس بزرگ تک پہنچائی جائے گی وہ بزرگ اس مرید کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کے لئے آگے بڑھیں گے اللہ تعالیٰ اس بزرگ کے وسیلہ سے اس بندے کو بخش دے گا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ سے لوگوں نے سوال کیا۔ کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض دوستوں کو

اللہ کا دیدار ہو جاتا ہے مگر بعضوں کو محرومیت کا شکار ہونا پڑتا ہے آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے۔ اس کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اس پردہ آشکارا فرماتا ہے۔

○ ایک درویش نے حضرت سے پوچھا۔ کہ صوفی کون ہے۔ آپ نے فرمایا صوفی وہ ہے جس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ اور وہ جو کام بھی کرے اللہ کو پسند ہو

○ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔ دنیا دار دنیا کی نعمتوں میں خوش رہتے ہیں مگر آخرت کے منعم دنیا میں غم واندوہ سے بسر کرتے ہیں۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ما دا بہتر کے بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ شرک کی جگہ خوشی ہے۔ ایمان کی منزل حزن وملال ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ غم اللہ تعالیٰ کی حمایت کا قلعہ ہے جس میں کوئی مصیبت نہیں آسکتی۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دنیا دار شیطان کا شکار ہیں۔ وہ شہوات اور خواہشات میں پھنسے رہتے ہیں۔ آخرت والے اللہ تعالیٰ کے شکار ہیں وہ اندوہ وغم کی کمند میں پھنسے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہ تَعَالٰی یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ (اللہ تعالیٰ غمزدہ دل کو پسند فرماتا ہے)

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ایک درویش کو فرمایا۔ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو کہو۔ تاکہ کوئی بات ناگفتہ نہ رہ جائے۔ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو تاکہ کوئی چیز ناکردہ نہ رہ جائے۔

○ خواجہ ابوالبرکات کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا گیا۔ کہ میں نے حضرت پیر ابو بکر درونی قدس سرہٗ سے سنا تھا۔ جنہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن قدس سرہٗ سے سنا تھا۔ انہوں نے بتایا۔ کہ انہوں نے یہ بات حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ کی

زبانی سنی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ اَحَبَّ قَوماً علیٰ اَعمالِهِم حُشِرَ فِیْ زُمرتِهِم وحُوسبَ مِجنابو واِنْ لَمْ یَعمَلْ بِاَعمالِهِم۔

○ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے ہاں کوئی بیٹا یا پوتا پیدا ہوتا۔ تو آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ تاکہ آپ اس کے کان میں اذاں کہیں۔ حضرت اس کے کان پر منہ رکھتے۔ اور اذان کی بجائے پوری نماز سناتے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو شخص خلق کو مخلوق کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اس کی دشمنی اس سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن جو شخص مخلوق خدا کو اللہ کی نگاہوں سے دیکھتا ہے تو ان سے اسے خوشی اور آرام ملتا ہے

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنّ اوّل مَنْ یَقْرعُ اَبوابَ الجنةِ مِنْ اُمّتی فقراءھا۔ وَاَکثرُ اَهلِ الجنةِ مِنْ اُمّتی ضُعفاءوھا وشرارُ اُمّتی مَن یُساقُ اِلَی النّارِ الاقماعَ۔ قیلَ یارسولَ اللہ ومِنَ الاقماعَ قالَ صلی اللہ علیہ وسلم الّذین اذا اکلوا لم یَشبعوا وَاِذا جمعوا لم یستغنوا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو استاد کا ادب نہیں کرتا۔ وہ بطال ہے۔

○ حضرت شیخ کو ایک بار دورانِ مجلس سوال کیا گیا۔ کہ حضور! تصوّف کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ تصوف حکم کے سامنے صبر کرنا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہنا۔ تمام قدرت کے ہوتے ہوئے تسلیم و رضا اختیار کرنا ہے۔

○ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ جس دل میں اللہ کی طرف سے راز نہیں وہ کلام خداوندی نہیں سن سکتا۔ ایسے دل میں اخلاص پیدا نہیں ہوتا۔ جسے اخلاص نہیں وہ نجات نہیں پا سکتا۔ پھر فرمایا۔ کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اخلاص سے نجات ہوتی ہے اور شرک حیوانوں کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اخلاص اختیار کرنے والے جنت میں داخل ہوں اور شرک کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں۔ پھر حضور نبی کریم نے یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر فرمایا۔ اخلاص طلب کیا کرو۔ کیونکہ اخلاص سے ہی۔ دنیا و آخرت میں خلاصی ہے حضور نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ معاذ اپنے دین میں خلوص پیدا کرو۔ یہ تھوڑے عمل میں بھی کفائیت کرے گا۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ عالم وہ ہوتا ہے جس میں خلوص ہو۔ جس کے دل میں خلوص نہیں اسے دین کا علم نہیں آ سکتا۔ اور نہ وہ شریعت پر چل سکتا ہے ایک شخص نے پوچھا حضرت خلوص کیا ہے؟ آپ نے بتایا۔ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے خلوص سرِّ الٰہی ہے۔ جو انسان کے دل و جان کو روشن رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ اسی سِر پر پڑتی ہے۔ اور اس سِر کو اللہ تعالیٰ کی پاک نگاہ سے امداد حاصل ہوتی ہے۔ موحد صحیح معنوں میں اسی سِر سے مؤحد ہو سکتا ہے کسی نے پوچھا حضرت یہ سِر کیا ہے فرمایا یہ الطاف حق سے ایک لطیفہ (لطف و کرم) ہے۔ اس نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ (اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے) یہ بات اللہ کے فضل و کرم سے پیدا ہوتی ہے۔ محنت اور کسب سے نہیں ملتی۔ ابتداء کار میں انسان کے دل میں نیاز مندی۔ انکساری۔ حزن اور ارادت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس نیاز مندی پر اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت و کرم پڑتی ہے اس کے دل میں اس کے لُطف کی چاشنی پیدا ہوتی ہے اس لطیفہ رحمت پر اللہ کا مقرب فرشتہ بھی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی نبی مرسل واقف ہوتا ہے۔ اسی لطیفہ رحمت کو سِرّ الہیتہ کہا جاتا ہے اور اسی کا دوسرا نام اخلاص ہے۔ نبی کریم صاحب کو تر و تسنیم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ مخلوق میں اعلان کر دیجئے قُلْ بِفَضْلِ اللہ وَبَرَکَاتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اخلاص ایسا راز ہے جسے نہ فرشتے لکھ سکتے ہیں نہ دوسرا انسان واقف ہو سکتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو شخص سانس سے زندہ رہتا ہے وہ موت سے مرجاتا ہے جو شخص اخلاص اور صدق سے زندہ رہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ وہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتا ہے۔ آپ نے خوش انداز میں فرمایا۔

گر مردہ بوم بر آمدہ سالے بیست — چہ پنداری کہ گورم از عشق تہیت
گر دست بخاک بر نہی کاین جاکیست — آواز آید کہ حال معشوقم چیست

پھر حضرت شیخ نے فرمایا۔ موحدوں کی معشوقہ تو وہی سِر پاک یعنی اخلاص ہے یہ سِر باقی رہتا ہے اور یہ سِر اللہ کی نظر میں قائم رہتا ہے جس میں یہ سِر ہے۔ زندہ ہے۔ جس کو یہ میسر نہیں وہ حیوان ہے۔

○ حضرت نے ایک دن منبر پر فرمایا اَلَا مَنْ عَاشَ بِاللہِ۔ لایموت ابدا۔ اخلاص تو اللہ کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ ایسا انسان کبھی نہیں مر سکتا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بذات خود تمہارے دلوں میں آئے تو پہلے دلوں کو غیر اللہ سے پاک اور صاف کرو۔ کیونکہ شہنشاہ اس گھر میں نہیں جاتے جہاں خرافات اور بے ہودگی ہو۔ وہ تو اس گھر میں رونق افروز ہوتے ہیں جو پاک اور صاف ہو۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہ ہو۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ عبودیت کی حقیقت دو چیزوں پر ہے حُسنَ الافتقَاد الی اللہ۔ اللہ کی بارگاہ میں نہایت انکساری اور فقر کی حالت میں پیش ہونا۔ اور اس سے باطنی احوال کھلتے ہیں حسن القدرۃ الی رسول اللہ۔ حضور کی بارگاہ میں ادب و محبت۔ حضرت

شیخ فرمایا کرتے تھے۔ ساری عمر میں اگر ایک سانس صاف لے لیا۔ جو نفسانی خواہشات کے خلاف ہوگا۔ تو یہ بھی ایک مبارک بات ہے جو سانس اللہ کی رضا کے بغیر ہو وہ سانس نہیں تنور کا دھواں ہے جب نفس مقہور اور مغلوب ہو جائے تو سانس صاف کرتی ہے۔ دل صاف ہو جاتا ہے۔ جس طرح نسیم صبح گلستان میں سے گذر کر جس بیمار سے گزر کرتی ہے اسے راحت پہنچاتی ہے اور اسے شفا بخشتی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفِ اَرَادَةُ الحقَّ فِی الْخَلْق بِلَا خَلَقْ۔ پھر فرمایا یہ تلون۔ یہ شورش۔ یہ اضطراب۔ یہ تغیر تمام کے تمام نفس کی خرمستیاں ہیں جہاں انوارِ حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں نہ ولولہ رہتا ہے نہ دمدمہ نہ تغیر نہ تلون۔ لَیْسَ مَعَ اللّٰہِ وَحْشَۃٌ وَلَا مَعَ النفس رَاحَتہٗ ط پھر فرمایا۔

مرد باید کہ جگر سوختہ خنداں بودا

نہ ہمانا کہ چین مرد فراواں بودا

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضرت فتوحات کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ تَرْحَبُنِی لِاَخِیکَ مَا تَرْضٰی لِنَفْسِکَ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو ایک دن میں تین سو ستر بار دیکھتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کشش کوشش سے بہتر ہے۔ جب تک کشش نہ ہو کوشش نہیں ہو سکتی۔ جب تک کوشش نہ ہو نگاہ نہیں ہوتی۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ یا حضرت طریقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صدق۔ اور رفق۔ صدق اللہ کے ساتھ اور رفق (نرمی) مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ ایک درویش نے ہمارے شیخ قدس سرہٗ سے سوال کیا۔ حضرت یہ دلوں میں

سوز کس طرح ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ دراصل یہ آتشِ نیاز ہے اللہ تعالیٰ نے دو آگین پیدا کی ہیں۔ ایک زندہ آگ اور ایک مردہ آگ۔ زندہ آگ آتشِ نیاز ہے جو سینوں میں سلگتی رہتی ہے اور ان کا سینہ اس آگ سے فروزاں رہتا ہے۔ یہ نورانی آگ ہے۔ جب انسان کا تن من جل جاتا ہے تو یہ آگ آتش شوق بن جاتی ہے۔ یہ آتش شوق نہ اس دنیا میں بجھتی ہے نہ اس جہاں میں۔ اسی آگ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا قَذَفَ فِی قَلْبِهٖ نُوْرًا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَلَامَةُ ذَالِکَ النُّوْرِ۔ قَالَ اَلتَّجَافِی عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ۔

اس سائل نے کہا۔ حضرت جب آتش شوق بھڑکتی ہے تو وہ دیدار کی دولت عطا فرماتا ہے پھر آتش شوق کم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ چاند کے دیکھنے سے نور سے تسکین نہیں ہوتی۔ دیدار سے تو تشنگی بڑھتی ہے۔ اس سے سیری نہیں ہوتی۔ جو آج غیب ہے وہ کل کون دیکھ سکے گا۔ اس کی صفت پر گردش کا اثر نہیں ہوتا۔ جو شخص دیکھتا ہے اپنی ایمانی قوت سے دیکھتا ہے۔ نور ایمان دل سے آنکھوں میں آتا ہے اور اسی نور ایمان سے جلال و جمال نظر آتا ہے۔ آتش مردہ دوزخ کی آگ ہے۔ یہ آتش ظلمت ہے یا آتش وحشت ہے۔ جو آتش زندہ (آتش شوق) سے نہیں جلتا اسے آتش زندہ سے جلایا جاتا ہے اس جہاں میں بھی اور اس جہاں میں بھی۔

آتش نمرود ہرگز بور آذر را نسوخت ۔۔۔ پور آذر پیش ازیں آتش چو خاکستر شدست

تابدیں آتش نوازی تو یقین صافی بنہ ۔۔۔ خواہ اگر دیوانہ خوانی خواہ گوئی بیہدست

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ سات سو پیران طریقت نے گفتگو کی ہے مگر جو بات اولین مشائخ نے کی ہے وہی آخرین نے کی ہے۔ صرف الفاظ اور عبارت مختلف تھی ان کا مطلب اور معنی ایک ہی تھا۔ کہ تصوف ترکِ تکلف ہے۔ کوئی تکلف اپنی ذات

سے زیادہ نہیں۔

○ صوفیا نے حضرت شیخ قدس سرہٗ سے پوچھا کہ کیا مرشد کے بغیر راہ طریقت طے کی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیر طریقت نے راستہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنا ہوتا ہے وہ ہر منزل پہ آگاہ کرتا ہے۔ کہ اب یہ فلاں منزل ہے۔ یہاں زیادہ قیام کرنا چاہیئے۔ یہ مقام خطر ہے۔ یہاں سے جلدی گزر جانا چاہیئے۔ اسے نرمی سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے تاکہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس راہ کو طے کرتا جائے۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ جو شخص اپنے مرشد کی راہنمائی کے بغیر راہ طریقت کو طے کرتا ہے۔ وہ ایسے دیو کی طرح ہے۔ جو جنگل میں جا رہا ہو۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راستہ کس طرف جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیَاطِینُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَان۔ یہ اس شخص کی طرح ہے۔ جسے شیطانوں نے بہکا دیا ہو۔ اور وہ راہ میں حیران و پریشان کھڑا ہو۔ اصل مقصد یہ ہے کہ پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق راستہ طے کیا جائے۔ اگر اتباع کی جائے تو ہدایت پائی جا سکتی ہے۔ مرید مرشد کا فرماں بردار ہو۔ تو وہ ایسے ہی جیسے ایک بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ وَمَن یُطِعِ الرسول فَقَد اطاع اللّٰه (جس نے رسول خدا کی اطاعت کی وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے) اَلشَّیخ فِی قَومِہٖ کالنَّبی فی اُمتہٖ مرشد اپنی قوم میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں بزرگان دین کی صحبت اور مجلس میں بیٹھنے کے خاص آداب ہوتے ہیں لباس صاف ہو اور یہ لباس تواضع کا ہوتا ہے۔ انسان کی تواضع سے بہترین لباس آج تک دنیا میں نہیں بنا۔ تواضع انسان کو دوسروں کے دلوں میں عزیز بناتی ہے مَن تَواضَع للّٰه رفعه اللّٰه (جو شخص تواضع کرتا ہے۔ اللہ اس کے درجات بلند کرتا ہے) تواضع کا مطلب انکساری ہے اور سر جھکانے اور عجز کا اظہار ہے یاد رہے۔ تکبّر سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی آفت نہیں ہے۔ تکبر سے سرفرازی اور خودسری ملتی ہے، مگر یہ خودسری ابلیس نے سکھائی جس

نے کہا اَنا خَیرٌ مِّنہُ (میں اس سے بہتر ہوں) تکبر کے ایک نعرے سے اس کی ہزار سالہ عبادت اکارت گئی۔

کہتے ہیں ابلیس بازاروں میں گھومتا ہے اور کہتا ہے۔ لوگو! تکبر نہ کرو۔ خود سری نہ کرو۔ نہیں تو مجھے دیکھ لو۔ میرا کیا حشر ہوا ہے۔ تکبر، کبریائی اور بزرگ داری تو صرف اللہ کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ جو شخص اللہ کا مقابلہ کرتا ہے وہ اس کے قہر کی گرفت میں آتا ہے۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں جو شخص امور تصوف ہمارا ساتھی ہوگا۔ وہ ہمارا اپنا ہے وہ ہر وقت ہمارے پاس ہے۔ اگرچہ ظاہراً وہ کتنے فاصلے پر ہو۔ جو شخص امور تصوف میں ہمارا ہم خیال نہیں ہے۔ خواہ وہ ہمارے کتنا ہی قریب ہو۔ ہمارا ساتھی نہیں ہو سکتا۔ جس شخص نے کہا تھا۔ کہ "اللہ کا قحط آگیا ہے" اس کا معمول تھا۔ کہ وہ کسی قافلے کو دیکھتا۔ اور کہتا قافلہ والوں میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس کے کپڑے پارہ پارہ ہوں۔ اگر کوئی مل جاتا تو فرماتے یہ ہمارا ساتھی ہے اسے دنیا داری سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہیں جنہیں رحمٰن اور رحیم سے واسطہ پڑا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ اپنے جبّار و قہار سے واسطہ ہے۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی کایشان دانند سیاست سلطانی

○ حضرت نے ایک بار فرمایا۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں تو ہم اپنی ٹوپی کا ایک گوشہ بھی درست نہیں کر سکے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو کام بھی کرو۔ دوست کے ساتھ کرو۔ زندگی کے سفر میں دوست ہی کام آتے ہیں۔ جہاں کہیں تمہارا قدم ڈگمگاتا ہے۔ دوست ہی کام آتے ہیں۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ہم مشرق سے لے کر مغرب تک ایسے دیکھتے ہیں جس طرح تم لوگ ایک تھالی میں دیکھتے ہو۔ تھالی میں جو کچھ ہوتا ہے تم دیکھتے ہو۔ ہم بھی اسی طرح ساری کائنات کو مشرق و مغرب تک دیکھتے ہیں۔

○ حضرت شیخ نے یہ حدیث پڑھی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سَتَفتَرِقُ اُمَّتِی اِثنَا دَسبعِین فِرقَۃً اَلنَّاجِی مِنْهُم وَاحِدَۃٌ وَالبَاقُونَ فِي النَّارِ (میری امت بہتر فرقوں میں ہو گی۔ صرف ایک فرقہ نجات یافتہ ہو گا۔ باقی تمام کے تمام آگ میں ہوں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا یعنی فِی النَّارِ اَنفُسِهِم (یہ لوگ اپنی تکبر اور خواہشات کی آگ میں جلیں گے)

○ قاری عبدالرحمن جو حضرت شیخ قدس سرہٗ کے خصوصی قاری تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ العزیز سماع کی مجلس میں رقت میں تھے نعرہ مارتے تھے۔ رقص کرتے تھے اور مجمع عام میں بے خودی میں تڑپ رہے تھے۔ ہوش میں آئے۔ خاموش ہوئے۔ ہم بھی تمام خاموش بیٹھے تھے آپ نے فرمایا۔ سات سو بزرگانِ دین نے تصوف کی ماہیت میں گفتگو فرمائی ہے۔ سب سے عمدہ بات یہ ہے اِستِعمَالُ الوَقتِ بِمَا هُوَ اَولٰی بِہٖ وقت کا صحیح استعمال ہی بہترین بات ہے۔

○ حضرت نے فرمایا رسموں کے بندے زندگی میں ہی مردہ ہوتے ہیں مگر حقیقت کے بندے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ ہم جہاں جہاں گئے۔ یہ بات ہمارے ذہن پر سوار رہی اور ہم نے اسی پر عمل کیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو پہاڑوں جنگلوں اور صحراؤں میں تلاش کرتے رہے ہو سکتا تھا کہ اسے کہیں پا لیتے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں نہ پاتے اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ اب ہمیں اپنی بھی خبر نہیں رہی۔ ہم اسی کی ذات میں فنا ہو گئے ہیں۔ بقا اسی کی صفت ہے ہم کچھ نہیں وہ ہمیشہ رہے گا ہم نہ رہیں گے۔ اب ایک لمحہ کے لئے خودی کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔ ہمارا مشاہدہ۔ تصوف اور زہد کا دعویٰ صحیح نہیں جس کی نہ اپنی کوئی چیز ہو نہ اپنا نام ہو۔ اس کا نام رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم کس نام سے زندہ رہ سکتے ہیں۔

○ حضرت نے فرمایا جس وقت وہ چاہیئے اسے یہاں ہی حاصل کرے اور اسی کی

خوشبو پائے گا۔ وہ مجلسیں علمی مجلسیں ہیں۔ وہاں علم تو ملتا ہے۔ مگر یہ مجلس حق کی مجلس ہے اُس مجلس میں کلاہ۔ عزت اور رجبہ مل جاتا ہے مگر حق کی مجلس میں کلاہ۔ عزۃ جاہ اور رجبہ و دستار چھن جاتے ہیں عزت صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ اس کی عزت لم یزل ہے ساری کبریائی اور عزت اسی کی ذات کی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو شخص درویشوں کے سماع کا منکر ہے وہ بطال ہے۔

○ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہٗ میہنہ میں مجلس وعظ میں تقریر فرما رہے تھے کہ ایک کاروان گزرا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کاروان مبارک ہے! اس کاروان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کتا بھی مبارک ہے۔ قیامت کے دن یہ کتا اصحاب کہف کے کتے سے آگے ہو گا۔ اس نے ہماری بات کو سن لیا ہے۔

○ نیشاپور میں حضرت شیخ قدس سرہٗ سے لوگوں نے سوال کیا۔ حضرت کیا اس دنیا میں خداوند تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ اپنے بندے سے خوش ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نشانی یہ ہے کہ دنیا میں بندہ اگر اللہ تعالیٰ سے راضی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ بھی اس پر راضی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی شیخ ابوسعید کا ذکر ہو گا دل خوش ہونگے کیونکہ بوسعید ابوسعید کے لئے کوئی بات نہیں کرتا۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کو دیکھا جا سکتا ہے مگر درویش کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہست ہے ہست کو دیکھا جا سکتا ہے درویش نیست ہے اور نیست کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ مسلمانو! یاد رکھو بوجھ اٹھائے بغیر تمہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔ اگر حقیقت کا بوجھ اٹھا لو تو بہتر ہے اس سے نقد راحت ملے گی۔ کل آرام ملے گا۔ وگرنہ باطل کا بوجھ تمہاری گردن پر ہو گا۔ اور اس کا نہ دنیا میں فائدہ ہو گا۔ نہ قیامت میں۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے کہا وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ کا کیا معنیٰ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو بہت اچھی طرح یاد فرمایا۔ بندہ اسے کما حقہ، یاد نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اپنے بندے کو یاد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا یاد فرمانا یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو توفیق دیتا ہے۔ کہ وہ اسے یاد کرنے میں مشغول ہو جائے۔

یک چند دویدم و قدم فرسودم آخر بی تو پدید نا مد سودم ،
تا دست بعیت و نایت سودم در خانہ نشستم و فرد آسودم

○ ایک قاری نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی مجلس میں یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً خَالِدِیْنَ فِیْھَا۔ تو آپ نے یہ شعر کہے۔

جز درد دل از نظارہ خوباں چیست آنرا کہ در دست دکیسہ از سیم تہیست

قاری نے پھر پڑھا۔ فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ

حضرت شیخ نے فرمایا۔

مارا بسر چاہ بری دست زنی لاحول کنی در دست بر دست زنی

○ حضرت شیخ نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام سے عزیز تر کوئی پیغمبر نہیں۔ اور آپ کی بادشاہی سے وسیع تر سلطنت نہیں ہے۔ بایں ہمہ ان کے قبضہ میں ہوا کے بغیر کچھ نہ تھا۔ وَلِسُلَیْمَانَ الرِّیْحَ۔ جب ان کی مملکت کی قدر و قیمت دکھائی گئی۔ تو انہیں تخت سے ہٹا دیا گیا اور آپ کی جگہ صخر جن کو بٹھا دیا گیا۔ وہ حضرت سلیمان کی سلطنت میں حکومت کرتا رہا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا ملک واپس کیا گیا۔ اور حکم کیا گیا اس سلطنت کو ایسے چلاؤ کہ پھر اسے واپس دیکھنے کی خواہش نہ ہو۔ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ ط

○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت دولت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا

اس موضوع پر بہت سے بزرگوں نے اظہارِ خیال فرمایا ہے لیکن ہمارے خیال میں دولت حسنِ اتفاق کا نام ہے۔ جب مل جائے تو اسے عنایتِ ازلی سمجھنا چاہیئے۔ یہ دولت سوئی سے سی نہیں جا سکتی۔ نہ ہی کسی رسی سے باندھی جا سکتی ہے۔ نہ ترازو پر تولی جا سکتی ہے۔ جب نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی۔

آنزا کہ بیا مذرت دنیا آمد　　دانی کہ بیامذہ چو آوردہ بنود

( ) حضرت شیخ کی مجلس میں ایک شخص اٹھا۔ اور کہا حضرت اب ہمارے لئے کیا تدبیر ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ اَلتَّدْبِیْرُ فِی الْعَقْلِ تَدْمِیْرٌ وَالتَّدْبِیْرُ فِی الْعِشْقِ تَزْوِیْرٌ (عقل میں تدبیر تباہی ہے مگر عشق میں تدبیر مکر و فریب ہے) کوئی خطاب اس سے بدترین نہیں ہے جو دولت کے حق میں یا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے مگر اس کی تدبیر اپنے دشمن سے کی جائے۔ تدبیر نفس کی صفت ہے اور نفس دشمن ہے اگر تدبیر کرنا ہو تو دانائی سے کرو۔ اوّل زمانہ سے قیامت تک کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دانا تر نہیں ہے۔ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ ان کی ذات اقدس سے تدبیر کرو۔ اور غور کرو آپ نے کیا فرمایا ہے اسی پر عمل کرو جس سے روکا ہے اس سے دست کش ہو جاؤ۔

گفتارِ دراز مختصر باید کرد　　وز یارِ بد آموز حذر باید کرد

یارِ بد آموز نفس ہے۔ اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط:۔ اس کو دیکھو جس سے خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ جب تک تم اپنی ذات کے لئے ہو۔ ہرگز راحت حاصل نہ کر سکو گے۔ اگر اس نفس سے دُور رہ کر بات کرو گے تو راحت و سکوں پاؤ گے۔

○ ایک درویش نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ حضرت عقل کیا چیز ہے آپ نے العقل آلۃ العبودیۃ، عقل عبودیت کا ذریعہ ہے عقل سے ربوبیت کے اسرار نہیں پائے جا سکتے۔ کیونکہ عقل صورت ہے اور صورت سے قدیم کو نہیں پایا جا سکتا۔

حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ بادشاہ اپنے غلاموں کو نہیں بیچا کرتے تم کوشش کرو کہ اس کے غلام بن جاؤ۔ اس کی بندگی کرو۔ یا عبادی کا آوازہ سنا ہو گا۔ تمہارا کام قیاس اور تصرف سے آگے بڑھ جائے گا۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قالب بدن بنانے سے چالیس ہزار سال قبل جانوں کو پیدا فرمایا۔ اور اپنے محل قرب میں رکھا۔ پھر اپنا نور ان پر نثار کیا اس نور خداوندی سے جس جان نے جتنا حصہ لیا اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور الطاف سے نوازا۔ اسی نور کی روشنی میں آسودہ ہوئے اور اسی نور میں پرورش پاتے رہے۔ اس دنیا میں جن لوگوں نے ایک دوسرے سے محبت کی۔ وہ ایسے حالات میں ایک دوسرے کے قریب رہے تھے اس دنیا میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص اللہ کو ڈھونڈتا ہے اسی تعلق سے ڈھونڈ لیتا ہے کَمَا تَتَشَامَ الْخَیل جس طرح گھوڑے اپنی منازل کو سونگھ لیتے ہیں اسی طرح یہ جانیں ایک دوسرے کی خوشبو پا لیتی ہیں۔ ایک جان مغرب میں ہو۔ دوسری مشرق میں ایک دوسرے سے انس و محبت کے روابط قائم کر لیتی ہے۔ اگر ایک پہلی صدی میں ہوا ہے اور دوسرا پانچویں صدی میں یہ دوسرا پہلی صدی والے کے اقوال و احادیث سے مستفیض ہوتا رہتا ہے چنانچہ یہ ساری جانیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نوازی جاتی ہیں وہ کسی چیز سے اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوتیں نہ کسی مصیبت سے نہ کسی ابتلا سے نہ کسی لالچ سے نہ کسی کرامت مرتبہ سے جو شخص ان معانی سے انکار کرتا ہے وہ محض دروغ گو ہے۔ کیونکہ یہ کرامات و مقامات اللہ تعالیٰ کو نہیں چاہیئے۔ یہ تو ساری چیز اس کے بندوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جو ان مقامات کو پا لیتا ہے۔ وہ اللہ سے اپنا نصیب حاصل کرتا ہے۔

○ ایک دن حضرت نے فرمایا ہم مجلس بے علم برپا کرتے ہیں۔ اور دعوت بے خرچ کرتے ہیں۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا ایک مدت ہوئی ہم اللہ کو تلاش کر رہے ہیں کبھی پا لیتے ہیں اور کبھی محروم رہتے ہیں۔ اب ہم نے اپنے آپ کو تلاش کرنا شروع کیا تو نہ پایا ہمہ رو ہو گئے ہیں اور یہی وہ مقام ہے ہم اوست کا۔

بچوں وچرا در شدم سالیاں ۔۔۔ بچوں این چنیں وچراآں چناں
چو از خواب بیدار شد خفتہ مرد ۔۔۔ بہ بیداری آساں ترش گشت درد

○ حضرت نے فرمایا مرد حق کو ہر ایک چیز کرنی چاہیئے۔ لوگوں نے تفصیل پوچھی تو فرمایا مرد حق کو تمام کوچوں اور مقامات پر جانا چاہیئے اور اسے آزمانا چاہیئے کہ اس کا دل کہیں جا کر غیر اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

○ حضرت نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو نیک جانتا ہے وہ اپنے آپ کو نہیں پہنچان سکتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے بداندیش ہے وہ اسے نہیں پہنچان سکتا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو عفو اور مغفرت کتنی پسند ہے تو ہر انسان گناہ میں مبتلا ہو نا پسند کرتا۔

○ حضرت سے پوچھا گیا۔ یا شیخ بزرگان دین کا یہ مقولہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کیا معنی رکھتا ہے۔ فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ بِالْعَدَمْ عَرَفَ رَبَّہٗ بِالْوُجُوْدْ۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ قدس سرہٗ سے پوچھا حضرت یہ نصر عزیز کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ کہ انسان کے دو دشمن ہیں۔ ایک دشمن تو وہ ہے جو اس کے پیراہن کے اندر ہے اور دوسرا دشمن باہر ہے جو ظاہر نظر آتا ہے۔ جب اسے باہر کے دشمن پر کامیابی اور فتح کی قوت دی جاتی ہے تو اسے فتح و ظفر کہتے ہیں۔ اور جب اسے اندرونی دشمن پر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسے نصر عزیز کہا جاتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا محنت سے بختی بڑھ سکتی ہے۔ روزی نہیں بڑھ سکتی رزق

تو رزاق مطلق کے فضل سے ہوتی ہے۔ کوشش سے نہیں!

○ حضرت نے فرمایا۔ پہاڑ کو ایک بال سے کھینچا جا سکتا ہے مگر اپنے آپ کو کھینچنا مشکل ہے۔

○ آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ وہ خوش ہیں۔ اور آرام میں بسر کر رہے ہیں مگر جس مصیبت میں ہم ہیں اگر یہ لوگ دیکھ لیتے تو مصیبت میں پھنس جاتے اور بھاگ جاتے۔

حضرت نے فرمایا۔ ہمارا شیطان صرف لاحول پڑھنے سے نہیں جاتا یہ تو ناچنے اور کودنے والا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ ایک لاکھ صاحب دنیا کو ایک صاحب دل پر فدا کر دیتا ہے۔

○ میں نے اس شعر کا مطلب ستر سال بعد پایا ہے۔

دلے اے مردم داد زعالم برخاست   جرم او کند و عذر مرا باید خواست

○ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ هَبْ لِی مُلْکًا اے اللہ مجھے ملک عطا فرما جب آپ نے یہ معلوم کیا کہ یہ تو اللہ سے دُوری کی علامت ہے تو پھر کہا لَا یَنْبَغِی لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِی۔

○ جب مرد کامل تجدید کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اُسے ملک سلیمان بھی ہیچ دکھائی دیتا ہے۔ اگر تجدید کے راستہ پر نہ چلے تو اسے اپنی آستین کا ایک کونہ بھی اہم دکھائی دیتا ہے سیدنا حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ نے سر بازار اپنی آستین کا بڑھا ہوا کونہ چھری سے کاٹ دیا کہ یہ کونہ خدمت خلق میں ایک رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا فرمائی تو اسے سامنے رکھ کر فرمایا۔ مَنْ انا (میں کون ہوں) عقل حیران رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نور سے نوازا پھر پوچھا۔ کہنے لگی۔ انت لا اِلٰہ اِلّا اللہ عقل کو معرفت کا راستہ اللہ کے نور کے بغیر نہ ملا۔

○ ایک دن حضرت شیخ نے مجلس میں فرمایا۔ زندگی علم سے ہوتی ہے۔ راحت معرفت

میں ہے ذوق ذکر الہیٰ میں آتا ہے تو اب توحید میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت میں ہوگا۔حکم کی تعمیل کا ثواب جنت ہے۔ اور منکرات سے پرہیز کا ثواب آگ سے نجات کا باعث بنتا ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ آیۃ کریمہ پڑھی۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَ اللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدِ ط

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو بات ہم کہتے ہیں اس سے بہتر بات کہی نہیں جا سکتی لیکن اگر ہم یہ بات نہ کہتے تو اس سے بھی بہتر ہوتا۔

○ ایک دن حضرت کی مجلس میں بعض صاحب دل حضرات بیٹھے تھے۔ ایک نے کہا ہم جو کچھ کہتے ہیں کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم جو کچھ سوچتے ہیں کرتے ہیں۔

چون نیست شدی ہست بودی صنما　　　چوں خاک شدی پاک شدی لاجرما

انسان جب تک صفات بشریت سے نیست (خالی) نہ ہو جائے۔ وہ ہست نہیں ہو سکتا۔

○ حضرت نے فرمایا۔ تم نہیں جانتے۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ تم نہیں جانتے اور یہ بھی کبھی نہ چاہو گے کہ جان لو کہ تم نہیں جانتے!

○ شیخ قدس سرہٗ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اے بار خدایا۔ جو کچھ ہماری طرف سے پہنچا ہے۔ استغفر اللہ۔ اور جو کچھ تیری طرف سے ہمیں ملتا ہے۔ الحمدللہ۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ جس دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے وہ دل پراگندہ ہوتا ہے پراگندہ دل نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔

○ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ ایک دن ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔ آپ کیسے ہیں؟ آپ کا حال کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا۔ بھائی تیس سال ہو گئے ہیں میں نے اپنے نفس کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اللہ کے حکم کا منتظر بیٹھا ہوں۔

○ حضرت شیخ نے ایک دفعہ فرمایا۔ دل کی پریشانی تو دنیا کی محبت سے ہوتی ہے جب

تک دنیا کی محبت دل میں رہے گی۔ دل مطمئن نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبّ الدُنیا رأس کُلِّ خَطِیئَۃٍ تمام برائیوں کے لشکر کا سپہ سالار تو دل میں بیٹھا ہے وہ کسی دوسرے کو راستہ دے گا تو دل میں آئے گا۔ ابوالقاسم بشر یاسین یہ شعر بہت کہا کرتے تھے۔

مہمان تو خواہم آمدن جانانا ستواریک وزجا سدان بنہانا

خالی کن خانہ وز پس مہمان باما کس را نجانہ در منشانا

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ابوالقاسم بشر یاسین قدس سرہٗ مہینہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

کے گشت زندہ بدو ہر کہ گشت مردہ بدو

از حیات نیابی کہ از جزو نبری

مقام صفوت خواہی و پائیت آلودہ

خبیس ہمت ترسم کہ اندرو نخوری

○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا ہم اس بات پر بڑا غور و فکر کرتے ہیں مگر اس بات کا مطلب نہیں پا سکتے۔ فرمایا غور و فکر تو بے خبروں کا کام ہوتا ہے۔ دنیا میں غور و فکر اور تدبیر سے بڑا کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے اطلبوا اللہ تبوکم التدبیر فَاِنَّ التَدبیر فی ھٰذا الطریق تدبیرٌ۔ اللہ کو تلاش کرنا ہو تو تدبیر کو ترک کر دو۔ کیونکہ اس راستہ میں تدبیر کرنا مکر و فریب ہے۔

○ فرمایا مخلوق میں بدترین بیوقوف وہ ہوتا ہے جو دوست کے لئے دشمن سے مشورہ کرتا ہے۔ یہ مشورہ تو معرفت کے نہ ہونے کی نشانی ہے۔ ایک بزرگ یہ دعا بہت مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنّی اَشکُو الیک مِنْ قِلّتِہ مَعْرِفَتِی بِکَ۔

○ حضرت شیخ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا۔ کہ میں حضرت ابوالفضل حسن

قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا۔ ہم نے دوستوں سے ہاتھ اٹھالئے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دوست اچھے تھے جنہیں تم دوست شمار کیا کرتے تھے۔ مگر اب تم نے ہاتھ اٹھالئے ہیں یہ اُس سے بھی اچھی بات ہے۔

○ اَلزِّیارہ مع حضور القلب خیرٌ مِنْ دَوَامِہا مَعْ نَفُورِ الْقَلْبِؕ

(حضور قلب سے کبھی کبھی زیارت کرنا اچھا ہے۔ بہ نسبت نفورِ قلب سے متواتر زیارت کرنے سے)

○ جب تک انسان اپنے معاملات کی صفائی میں یہ کہتا ہے تم ایسے ہو۔ میں ایسا ہوں اس وقت ناکس رہتا ہے۔ مگر جب اس کی نگاہیں اللہ کے فضل وکرم پر پڑتی ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے تو ہی تو ہی اس وقت اس کی بندگی حقیقت بنتی ہے۔

○ حضرت شیخ قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا حضرت شریعت۔ طریقت اور حقیقت کی وضاحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ یہ تمام سالک کی منزلوں کے نام ہیں اور شہریت اپنی منازل تک پہنچنے کی جد وجہد کرتی رہتی ہے۔ شریعت قالب دہیکل پر لغی وا ثبات کا نام ہے۔ طریقت محو کلی کی کیفیت ہے۔ اور حقیقت حیرت کا مقام ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا سے سفر آخرت کرنے لگے تو فرمایا۔ یَا ھَادِیَ الطریقِ حِرْت۔ حیرت حقیقت سے پکار رہی تھی۔ یہ تمام باتیں نشانی ہیں۔ اور نشانی بے نشان سے کفر ہوتی ہے۔

○ حضرت نے فرمایا ہر کام سے طمع ہٹا دینا چاہیئے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا عمل آسان ہو۔ تو عمل بغیر طمع کے ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد یہ اشعار فرمائے۔

کمال دوستی از دوستاں بے طمع ست   چہ قیمت آرد آں خیر کش بہا باشد

عطا دھند ترا بہتر از عطا بہ یقین   عطا چہ باید چوں عین کیمیا باشد

○ ایک درویش نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے پوچھا حضرت فقر اور رعنا میں سے کون سی چیز اچھی ہے۔ حضرت شیخ نے پہلے یہ شعر پڑھا۔

؎ بوالعجب یاری اے یار خراسانی   چاکر بوالعجبہائے خراسانم

پھر فرمایا۔ یاد رکھو اتم ۔ اکمل اور افضل (اچھا۔ اعلیٰ یا مکمل) یہ تمام شریعت کی اصطلاحات ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی نگاہ لطف فرماتے ہیں تو فقر غنا بن جاتا ہے۔ بشریت ربوبیت کا آئینہ ہے۔ اس نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا۔ سوائے حضرت انسان کے کسی چیز کو دوبارہ نہ دیکھا۔ اِنَّ اللہ تعالیٰ لَمْ یَنْظُرْ اِلَی الدُّنیا مُنْذُ خَلَقَھَا بُغْضًا لَھَا لیکن جب حضرت انسان کا معاملہ آیا تو فرمایا۔ اِنَّ اللہ تعالیٰ لَا یَنْظُرُ اِلیٰ صُوَرِکُمْ وَلَا اِلیٰ اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِن یَنْظُرُ اِلیٰ قُلُوبِکُمْ (اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی صورتوں کو نہیں دیکھتا تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے) اس نے تمام جہانوں کو پیدا فرمایا۔ اس کا ایک حکم کافی تھا۔ فرمایا کُنْ فَکَان (بن جا تمام جہاں بن گئے) مگر جب حضرت انسان کا معاملہ آیا تو فرمایا خَلَقْتُ بِیَدِیْ (میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے) جب یہ قدرت سے بنائے ہوئے قالب کو دیکھا تو فرمایا نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوحِیْ (میں نے اس میں اپنا روح پھونک دیا)

◯ حضرت شیخ نے فرمایا سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت۔ اللہ تعالیٰ نے نجات آسمان سے بھیجی ایسے ہی قیامت کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے لئے یُجَاءُ بِالْکَافِرِ وَیُقَالُ لِلْمُسْلِمِ ھٰذَا فِدَاؤُکَ مِنَ النَّارِ (مسلمان کو کہا جائے گا یہ نجات ہے تمہیں آتش جہنم سے)

◯ حضرت نے فرمایا۔ ہر آدمی کے ساتھ بیٹھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ایک شخص کی بات نہیں سنی جا سکتی۔ ہر ایک کے ساتھ کھانا پینا روا ہے مگر ہر ایک سے نیکی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ ان کا نفس شیطان کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

◯ ایک درویش نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ حضرت بندگی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خَلَقَکَ اللہُ حُرًّا فَکُنْ کَمَا خَلَقَکَ (اللہ نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے تم اسی طرح رہو جس طرح اس نے پیدا فرمایا ہے) درویش نے فرمایا۔ حضرت میں نے بندگی کے بارے

میں دریافت کیا تھا۔حضرت شیخ نے فرمایا۔آپ نے فرمایا۔تم نہیں جانتے جب تک دو جہاں کی خواہشات سے آزاد نہ ہو جاؤ۔ بندہ نہیں بن سکتے۔

آزادی و عشق چوں ہمی نامد راست
بندہ شدم نہادم از یکسو خاست
زین پس چوناں کہ در روم دوست رواست
گفتار و خصومت از میانہ برخاست

○ ایک درویش نے حضرت سے سوال کیا۔حضرت فتوت کیا ہے؟آپ نے فرمایا صاحب ہمت چاہیئے تاکہ اس کے سامنے فتوت کا مطلب بیان کر سکوں۔صاحب منیت کے ساتھ فتوت کی بات نہیں کی جا سکتی۔پھر فرمایا زِلّۃ صِاحَبُ الہمتِ طاعۃ" و طاعت صَاحَبِ المنیّت زِلّۃ رفتوت۔شجاعت لطافت اور ظرافت ایسی بوٹیاں ہیں جو گلستانِ کشش میں اُگتی ہیں۔یہ روزے۔یہ فاقے۔یہ رات کا جاگنا۔یہ صدقات جو شخص بھی اثبات کی کوشش کرتا ہے کشش ختم ہوتی جاتی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج فرشتوں کی ایک جماعت ایسی دیکھی جو نور ہی نور تھے۔ان کے آگے نور ان کے پیچھے نور۔ان کے اُوپر نور ان کے نیچے نور۔نوراً علی نور۔حضور نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔یہ کون لوگ ہیں جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں۔جنہیں اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہیں۔

○ حضرت نے ایک دن فرمایا۔حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ایسے غنی سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا جو فقیر کی تواضع کرتا ہو۔اور میں نے اس فقیر سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔جو غنی سے بے نیاز رہتا ہے پھر قاری نے خوش الحانی سے پڑھا۔وَلِلّٰہِ الْمَغفرۃَ ولِرسُولہ وَلِلْمُومِنِیْنُ۔

○ **پیرِ محقق اور مرید مصدق**:- ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر

سے پوچھا۔ پیر محقق کون ہوتا ہے؟ اور مرید مصدق (صادق) کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا سچے پیر و مرشد میں دس صفات ہونے بڑے ضروری ہیں:۔

اوّل:۔ اس کی نگاہ میں مرید کی شناخت پرکھ ہو۔

دوم:۔ وہ راہِ طریقت سے واقف ہو تاکہ راہنمائی کر سکے۔

سوم:۔ مہذّب اور مودّب ہو۔ تاکہ مرید کی تادیب کر سکے۔

چہارم:۔ بے پناہ سخی ہو تاکہ مرید پر اپنا سب کچھ نچھاور کر سکے۔

پنجم:۔ مرید کے مال پر نگاہ نہ رکھتا ہو۔ تاکہ اسی لالچ میں منزل سے پہلے ہی نہ تھک جائے۔

ششم:۔ اشاروں میں تربیت دے سکے بعض اوقات الفاظ کا کام اشاروں سے کرے۔

ہفتم:۔ نرمی سے مرید کی تربیت کر سکے۔ سختی اور درشتگی سے کام نہ لے۔

ہشتم:۔ جو کچھ کہیں پہلے اُس پر عمل کرے۔

نہم:۔ جو چیز آگ سے بچا سکتی ہے۔ اُس سے خود ڈرتا ہو۔

دہم:۔ جس مرید کو اللہ کے سپُرد کرے تو اُسے مخلوق سے بھی علیحدہ نہ کرے تاکہ یہ سلسلہ رُک نہ جائے جب پیر و مرشد ان اوصاف سے متصف ہو گا۔ تو مرید کی روحانی تربیت صحیح سمت پہ ہو گی۔ ان اخلاق سے آراستہ پیر ہی سچے مرید کو تربیت کر سکتا ہے۔ پھر اس کے اخلاق مرید میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح سچے مرید کے ہاں کم از کم دس چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

اوّل:۔ وہ اتنا دانا اور زیرک ہو کہ اپنے پیر کے اشارے کو پا سکے۔

دوم:۔ وہ ہمہ تن تسلیم و رضا کا پیکر ہو تاکہ پیر کی تربیت حاصل کر سکے۔

سوم:۔ کانوں کا تیز ہو تاکہ پیر کی معمولی سی بات کو ذہن نشین اور دل نشین کرے۔

چہارم:۔ دل کا صاف ہو تاکہ پیر کے مقامات کو دل میں رکھے۔

پنجم :۔ سچا ہو۔ جو بات کرے اس میں سچائی ہو۔

ششتم :۔ وعدے کا پکا ہو۔ جو کچھ کہے اس پر عمل کرے۔

ہفتم :۔ وہ آزاد روش ہو۔ تاکہ پیر کا فرمان ماننے میں کسی خواہش کا غلام نہ ہو سکے۔

ہشتم :۔ رازدار ہو۔ پیر کے اسرار و راز کو دل میں ہی رکھے۔

نہم :۔ نصیحت کو اختیار کرنے والا ہو تاکہ پیر کے احکامات کو قبول کر سکے۔

دہم :۔ جانثار ہو تاکہ پیر کے حکم پر جان بھی قربان کرنے کا وقت آئے تو ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے اگر مریدان اوصاف سے متصف ہو گا تو اسے راہِ طریقت پر چلنے میں کامیابی ہو گی اور پیر کی تربیت آسان ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

○ حضرت ابو سعید قدس سرہٗ نے ایک دن رسومات پر بات کرتے ہوئے فرمایا ایک کام اوّل اوّل میں اُٹھا کیا جاتا ہے۔ یہی رسم تکلفاً کی جاتی ہے۔ پھر یہ عادت بن جاتی ہے یہی عادت کچھ عرصہ کے بعد طبیعت کا حصہ بن جاتی ہے یہی طبیعت آہستہ آہستہ حقیقت بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ نے خواجہ ابوبکر موٴدب کو کہا۔ اٹھو۔ قلم دوات لاؤ۔ اور کاغذ پر لکھو تاکہ میں تمہیں رسومات و عادات خانقاہیاں لکھا دوں۔ وہ قلم دوات اور کاغذ لائے تو آپ نے کہا لکھو۔ خانقاہ نشینوں میں دس چیزیں فرض ہوتی ہیں وہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی طرف عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اصحاب صفہ کی دس عادات کے فریفتہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان خانقاہ نشینوں کو صوفی کہا جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ صاف دل ہوتے ہیں وہ اصحاب صفہ کے افعال کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر یہ دس چیزیں جو اصحاب صفہ کی تقلید میں کرتے ہیں دراصل قرآن پاک کے ارشادات کے زیر احکام کرتے ہیں۔ اور اس میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتباع ہوتی ہے۔

(۱)۔ کپڑے پاکیزہ پہنتے ہیں۔ وثیابک فطھر۔

(۲)۔ باوضو رہتے ہیں۔ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین

(۳) ۔ وہ مسجدیں قیام کرتے ہیں یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ۔

(۴) ۔ اولین فرصت میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔

(۵) ۔ رات کو نماز ادا کرتے ہیں۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

(۶) ۔ سحری کے وقت استغفار اور دعا کرتے ہیں وَبِالْاَسْحَارِ یَسْتَغْفِرُوْنَ

(۷) ۔ صبح کے وقت تلاوت قرآن کرتے ہیں جب تک سورج نہ نکل آئے کسی سے بات نہیں کرتے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

(۸) ۔ نماز شام اور عشا کے درمیان ذکر خداوندی میں مشغول رہتے ہیں وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ۔

(۹) ۔ ضعیفوں، نیازمندوں اور جو لوگ ان سے وابستہ ہوتے ہیں ان کی دلدہی کرتے ہیں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

(۱۰)۔ ایک دوسرے کے بغیر کوئی چیز نہیں کھاتے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا ۔ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر ادھر ادھر نہیں جاتے ۔ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْا۔

ان مشاغل و مصروفیات سے وقت بچ جائے تو وہ علم حاصل کرتے ہیں۔ ورد کرنا یا مخلوق خدا کے لیے ایسا کام کرنا جس سے اسے خوشی یا آسانی ہو۔ ان لوگوں کی امداد کرنا۔ ان سے مختلف امور میں تعاون کرنا کسی کو آرام پہنچانا۔ ان کی تکلیف و راحت میں شریک ہونا اللہ کو پسند ہے۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی قوم سے محبت کی وہ اسی کا ایک

حصہ ہے اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

○ حضرت شیخ نے فرمایا جس شخص نے ہمیں دیکھا۔ ہمارے بیٹوں اور خاندان کے افراد کی امداد کی۔ وہ ہماری شفاعت کی چھتری کے نیچے ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہماری شفاعت سے محروم نہیں رہے گا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ ہم نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کے ہمسائے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے کام میں لگا دیا ہے فرمایا بلخ والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ مرو والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ نیشاپور والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ ہرات والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ یاد رکھو۔ ان ہمسایوں کے متعلق کوئی بُری بات نہ کہی جائے نہ سوچی جائے۔ جو شخص گدھے پر سوار ہو کر ہماری گلی سے گزرے گا۔ ہماری خانقاہ کے سامنے سے گزرے گا۔ ہماری خانقاہ کی روشنی کو دُور سے ایک بار دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم التماس کریں گے کہ اس کے لئے اپنی رحمت اور برکات کے دروازے کھول دے۔



دُعائیں نیک تمنّائیں

حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز نے اپنے ہم عصر حضرات کے لئے بعض دعائیں کیں اور نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا ہے۔ ان صفحات میں ان دعاؤں کا تذکرہ ہے۔ قارئین حضرات بھی ان دعاؤں میں شریک ہوں گے اور ان سے برکات حاصل کریں گے۔

——— مترجم

حضرت خواجہ ابو طاہر قدس سرہٗ بیان کرتے ہیں

ایک دن خواجہ ابو منصور ورقانی قدس سرہٗ ہمارے شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ یا حضرت مجھے کوئی راستہ دکھائیں۔ حضرت نے فرمایا وہ راستہ اختیار کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کون سا راستہ ہے حضرت شیخ نے فرمایا۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ خَابَ۔ مزید فرمایا۔ ان لوگوں کی اتباع کرو جو ہمارے ساتھ رہے ہیں اور ہمارے دوست تھے یہ نہیں فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جو بداعمال اور گمراہ ہیں تا دنیا و آخرت کے نابکار اور نامراد ہوئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا یا حضرت یہ راہ کس زاد راہ کے ساتھ طے کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہمیشہ یہ کہا کرو۔

يَا رَجَاءَ الرَّاجِينَ وَيَا أَمَلَ الْآمِلِينَ لَا تُخَيِّبْ رَجَائِي
وَلَا تَقْطَعْ أَمَلِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ

خواجہ ابو طاہر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان طغرل نے ایک آدمی بھیجا کہ اس کے وزیر ابو منصور ورقانی کو بلا لائے۔ وزیر نے کہا۔ میں نے ابھی تک چاشت کی نماز نہیں پڑھی۔ اس لئے فوری نہیں آ سکتا۔ وہ آدمی یہ انکاری پیغام لے کر واپس چلا گیا اور بادشاہ کو جا کر کہہ دیا۔ مگر بادشاہ نے کچھ نہ کہا۔ خواجہ ابو منصور نماز چاشت پڑھ کر اوراد سے فارغ ہوئے۔

تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے کہا۔ خواجہ! مجھے جب بھی کوئی کام ہوتا ہے میں آپ کو بلاتا ہوں تو پتہ چلتا ہے اب آپ نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ اب وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اب آپ ورد کر رہے ہیں اور کام اسی طرح رہ جاتے ہیں۔ ابو منصور نے کہا۔ بادشاہ سلامت! میں اللہ کا بندہ ہوں اور آپ کا ملازم ہوں مجھے پہلے اپنے اللہ کی بندگی کرنا ہوتی ہے پھر آپ کی ملازمت اور خدمت۔ اگر آپ کسی ایسے آدمی کو وزیر رکھ لیں جو اللہ کا بندہ نہ ہو صرف آپ کا ہی ملازم ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں میں گھر بیٹھ جاتا ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ مجھے ایسے کسی وزیر کی ضرورت نہیں جو صرف میرا ہی ملازم ہو۔ آپ پہلے اللہ کی عبادت کیا کریں۔ پھر میری ملازمت میں آیا کریں۔ ابو منصور دربار سے واپس گھر آئے یہ خبر حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر کو ملی۔ شیخ ان دنوں نیشاپور میں تھے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے پر زین رکھیں۔ میں ابو منصور کو مبارک دینے جاؤں گا۔ آپ خانقاہ سے روانہ ہوئے تو حسن مؤدب نے ایک آدمی آگے بھیج دیا کہ ابو منصور کو اطلاع دے کہ حضرت شیخ مبارک دینے کو آرہے ہیں جب حضرت شیخ ابو منصور کے دروازے پر پہنچے تو حسن مؤدب کو دربان نے کہا جلدی کرو خواجہ ابو منصور کو جب سے اطلاع ملی ہے کہ حضرت شیخ تشریف لا رہے ہیں۔ اسی وقت سے گھر میں کھڑے ہو کر انتظار کر رہے ہیں۔ گھر والے انہیں بیٹھنے کا کہتے ہیں۔ وہ نہیں بیٹھتے اور کہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت کے آنے سے پہلے بیٹھ جاؤں۔ اتنا بڑا بزرگ مجھے ملنے آئے اور میں بیٹھ کر انتظار کروں۔ حضرت گھر میں داخل ہوئے۔ تو ابو منصور کو کھڑے دیکھا۔ سبب پوچھا کہنے لگا جب سے حضرت کے آنے کی خبر سنی ہے میں سرو قد کھڑا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تشریف لا رہے ہوں اور میں بیٹھا ہوا ہوں۔ حضرت شیخ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا: ابو منصور! قیامت کے دن ہم سے بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کھڑے ہوں اور میں بیٹھا رہوں" جب تک آپ کو صحیح مقام پر بٹھا نہ لیں گے نہیں بیٹھیں گے۔ خواجہ کہتے ہیں۔ میرا کام ہو گیا۔

حضرت شیخ بیٹھے۔ خواجہ ابو منصور بھی بیٹھ گئے۔ مبارک پیش کی۔ خواجہ نے بتایا مجھے ڈر تھا

کہ یہ بادشاہ ترک ہے۔ اور ترکوں کی طرح کہیں سرکشی نہ کر بیٹھے مگر اللہ نے شرم رکھ لی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ آئندہ کے لئے جب بھی دربار میں جاؤ دعا یوم الاحزاب پڑھ لیا کرو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بادشاہ کے پاس جائے۔ دعائے احزاب پڑھ لیا کرے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کام آسان کردے گا۔ دعائے احزاب یہ ہے۔

دعائے احزاب:- اَللّٰھم اِنّا نعُوذ بنُور قدسک وعظمة طہارتک وبرکة جلالک من کل آفة ومِنْ کلّ سُوء وعاھة ومِنْ طوارق اللیل والنّہار اِلّا طارقا یَطرق بخیر منک یا رحمٰن۔ اَللّٰھم اَنت غیاثنا فبک نغوث وانتَ ملاذنا فبک نلوذ یا من ذلّت لہٗ رقاب الجبابرة وخضعت لہٗ اَعناق الفراعنة نعُوذ بک من خزیک وکشف سترک ونسیانِ ذکرک والانصراف عن شکرک ذکرک شعارنا وثناؤک دثارنا فی نومنا وقرارنا وظعننا واسفارنا ولیلنا ونہارنا اضرب علینا سرادقات حفظک وادخلنا جمیعا فی خفض عنایتک وجد علینا بخیر منک یا رحمٰن یا رحیم یا لا الٰہ اِلّا۔ انت وحدک لا شریک لک نستغفرک ونتوب الیک۔

خواجہ ابو طاہر قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ جن دنوں حضرت شیخ نے مجھے لنسا کے علاقہ میں بھیجا۔ مجھے یہ دعا پڑھائی۔ اور فرمایا اس دعا کے پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنا۔

یا حنّان یا منّان یا دیّان یا برھان یا سبحٰن یا رحمٰن یا مستعان یا عزیز الشان یا دائم السلطان یا کثیر الخیر والاحسان نعوذ بک من الحرمان والخذلان۔

حضرت شیخ یہ دعا اور اد صبحگاہی میں پڑھا کرتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ ما شاء اللہ لا یاتی بالخیر الا اللہ۔ بسم اللہ ما شاء اللہ وما بنا من نعمۃ فمن اللہ ما شاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بسم اللہ لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔ بسم اللہ الشافی بسم اللہ الکافی۔ بسم اللہ المعافی۔ بسم اللہ ذی الشان الشدید السلطان العظیم البرھان۔ ما شاء اللہ کان اعوذ باللہ من الشیطان ونزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین فتحنا بالحی الذی لا یموت ورمینا من اراد ما نسو بلا الہ الا انت وتمسکنا جمیعا بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع العلیم۔

یہ دعا بھی ہمارے شیخ قدس سرہٗ بعد از نماز صبح پڑھا کرتے تھے۔

الحمد للہ رب العالمین حمدا کثیرا طیبا مبارکا کما یحبہ ربنا ویرضی کما ینبغی بکرم وجھہ وعز جلالہ والحمد للہ حمدا لا انقضاء العددہ ولا انتھا لمددہ والحمد للہ الذی خلقنا لیوم عاقبۃ واقالنا بحمل عافیۃ والحمد للہ حمدا بعدد احسانہ وفضلہ علینا وعلی جمیع خلقہ الحمد للہ حمدا بعدد حسنات خلقہ وسیاتھم اذ فضلنا علی کثیر ممن خلقہ اللھم لک الحمد بجمیع محامدک کلھا علی جمیع نعمائک کلیا علینا۔ وعلی جمیع خلقک کلھم وصلوات اللہ ملائکتہ ورسلہ وجمیع خلقہ علی نبینا محمد وعلی آلہ علیھم السلام۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مرحبا مرحبا

بالحافظین وحیا لہما اللہ من کاتبین ملکین رفیقین شاہدین عدلین جزاکما اللہ عنی من جلیسین کریمین خیراً کتبا رحمکما اللہ ورضی عنکما بسم اللہ وباللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ واشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ وان الجنۃ حق وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور اصبحت عبداً مملوکاً لا اقدر ان اسوق الی نفسی خیر ما ارجو ولا ان اصرف عن نفسی شر ما احذر اصبحت علی فطرۃ الاسلام وکلمۃ الاخلاص وعلی دین نبینا محمد صلی اللہ علیہ وعلی ملۃ ابینا ابراھیم علیہ السلام وولایۃ ولیہما والبرائیۃ من عدوھما۔ اللھم انی اصبحت فی عافیتک ونعمتک فاتمم علی عافیتک ونعمتک اللھم بک اصبحت وبک امسیت وبک احیی وبک اموت وعلیک التوکل والیک النشور ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یاد رہے۔ ہمارے شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کا یہ معمول تھا کہ کھانا کھانے کے بعد دسترخوان لپیٹ لیتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم بارک لنا فیما رزقتنا وارزقنا خیراً منہ وافضل واعطنا جمیع ما سالناک من الخیر ومالم نسال وزدنا من فضلک الواسع وانا الیک راغبون ۔



مکتوبات عالیہ

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے چند ایک مکتوبات بطور تبرک درج کیے جاتے ہیں۔ سلطان چیغری نے حضرت شیخ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جسے خواجہ حمویہ رئیس میہنہ کے ہاتھ بھیجا۔ سلطان چیغری حضرت شیخ کا مرید تھا۔ اس نے حضرت شیخ سے درخواست کی تھی۔ کہ ایک مشکل مہم کے معاملہ میں آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے اس خط کے جواب میں یہ مکتوب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ امیر جلیل ملک مظفر کو اپنی پناہ میں رکھے۔ اور اپنی مخلوق کو دوسروں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑے۔ جو اس کی رضا ہے اس میں محفوظ رکھے۔ اور جس کام کے نتیجہ میں پشیمانی آتی ہے۔ اسے اپنے فضل سے درست فرمائے بِمَنِّہٖ وَبِفَضْلِہٖ وَ بِرَحْمَتِہٖ۔

نامۂ گرامی امیر جلیل مظفر اسے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے ملا۔ یہ خط خواجہ حمویہ کی معرفت موصول ہوا ہے۔ میں نے اسے پڑھا۔ اور حالات کو معلوم کر لیا ہے پہلے مکتوبات میں جس معذرت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس کو دوبارہ معلوم کر لیا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان دعاؤں کو قبول فرما لیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے امیر جلیل ملک

منظفر کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اسے دو جہاں کی مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔ اور جس کام میں دونوں جہانوں کی بہتری اور اصلاح ہو اسی کی توفیق دے اور خطرات سے نجات دے الحمدللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک درویش آیا۔ کہنے لگا۔ میں میہنہ جا رہا ہوں۔ حضرت شیخ نے قلم دوات اور کاغذ منگوایا۔ اور فرمایا تھوڑا سا ٹھہرو میں ابوطاہر کے لئے خط لکھوا دوں۔ آپ نے لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام اللہ اللطیف الخبیر علی الکبیر الصغیر و ھو علی جمعھم اذا یشاء قدیر والسلام!

ایک درویش حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت میں مرو جا رہا ہوں کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو یہ خط لیتے جانا۔ آپ نے لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا حفظھا فتعلم ما بقلبی　　　　و تلحظنی فاعلم ما ترید

والسلام۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ایک بزرگ کو یہ مکتوب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطیب عزیز!

سلام اللہ تعالیٰ علی الشیخ العالم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ و ھذا الخطیب الافضل ادام اللہ فضلہٗ من اھل بیت العلم و الفضل و قد قصد ساحتہ و طلب مجاورتہ متقیا ببرکتہ و نرجو ان ینزلہٗ منازل امثالہ باظھار شفقۃ علیہ و امالہ بکرمہ و افضالہ والسلام۔

ایک خطیب نے حضرت شیخ کو کسی چیز کے لئے لکھا۔ آپ نے یہ جواب دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وصل ادام اللہ فضلہ کتاب الخطیب الافضل الادیب ونفعہ اللہ علی جمیع ما یقربہ الیہ دنیا ودنیا وآخرہ وکشف لی من جمیع ما یضمرہ من صحۃ الاعتقاد ومحض الوداد ولاغرو ان یکون کذا اذا القلوب متشاھدۃ والضمایر بنور الحق متلاحظۃ واللہ بتقیہ وعن الاسوا یقیہ والاحادیث المتونات نور اللہ قبرھا بشر بلقایہ صدرھا وانشد علی فراقھا نصیرۃ عن طویلۃ۔

ولو کان النساء کمن فقدنا لفضلت النساء علی الرجال

والسلام۔

خواجہ امام محمد بن عبد اللہ بن یوسف الجوینی قدس سرہٗ نیشاپور میں انتقال فرما گئے۔ ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے میہنہ سے بزرگان نیشاپور کے نام ایک مکتوب لکھا۔ جس میں مرحوم کے لئے تمام بزرگوں سے تعزیت کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام اللہ تعالیٰ علی الاجلۃ السادۃ ورحمۃ وبرکاتہ فیقول انا للہ وانا الیہ راجعون ثم انا للہ وانا الیہ راجعون رضا بقضائہ وتسلیما لحکمہ وحمودا تحت قھرہ۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ ایک درویش حاضر ہوا۔ سامان سفر تیار کیا اور کہنے لگا میں میہنہ جا رہا ہوں۔ کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں آپ نے فرمایا۔ میرے بیٹوں کے نام ایک خط لیتے جاؤ۔ آپ نے لکھا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیچ صورت گر بصد سال از بدایع ذر نگار

آں نداند کرد و نتو اند کہ یک باراں کند

خندہ روئی. کشادہ دلی اور مہمانوں کی تواضع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

والسلام

مندرجہ ذیل مکتوب فقیہہ ابو بکر خطیب مینہہ کو لکھا گیا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم آپ جیسے فاضل کا ذکر خیر ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے خیال اور آپ کے بیٹوں کی دعا سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آپ کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھے اور دو جہاں کے مشاغل میں سرخرو فرمائے جو بھی بڑا اور چھوٹا ثواب ہے۔ عطا فرمائے بفضلہ انہ' خیر مسئول۔ ہمیشہ آپ جیسے دانشمند عالم فاضل ادام اللہ توفیقہ کو راحتیں نصیب ہوں۔ میرا سلام و تحیت موصول ہو آپ کو آپ کے بیٹوں کو اور احباب کو، تمام چھوٹے بڑوں کو سلام و دعا حسن مؤدب خصوصی طور پر سلام پیش کرتا ہے۔

والسلام علیٰ محمد و آلہ۔



حضرت کے پسندیدہ اشعار

جانا بزمین خاوران خاری نیست کش با من و روزگار من کاری نیست

با لطف و نوازش جمال تو مرا در دادن صد ہزار جان عاری نیست

○ ○ ○

صاحب خبران دارم آنجا کہ تو ہستی یا جملہ مراہستی یا عہد شکستی

○ ○ ○

مارا بجز این جہاں جہانی دگرست جز دوزخ و فردوس مکانی دگرست

قلاشی و عاشقی سرمایہ ماست قرائی و زاہدی جہانی دگرست

○ ○ ○

ماو ہمین دوغ وا و ترب و ترینہ پختۂ امروز نیاز باقی د بینہ

عز ولایت بذل عزل نیرزد گرچہ ترا نور حاج تا بعدینہ

○ ○ ○

بس کی جستم تا بیابم من از ان دبر نشان

تا گمان اندر یقین گم شد یقین اندر گمان

درخیال من نیامد در یقینم ہم نبود

نی نشانی کی صواب آید از و دادن نشان

چند عاشقی برزیدم و پیدا شتم
جو ایشتن شهره بکردن کو چنین دمن چنان
درحقیقت چون بدیدم زد خیالی هم نبود
عاشق و معشوق من بودم ببین این داستان



هر آن دلی که ترا سیدی بدان نظرست
خطر گرفت اگرچه حقیر و بی خطرست
اگرچه خود یکی شاخکی گیاه بُود
کی تو بدو نگری زاد سر و غاتفرست
هر آن دلی کی نهفتست زیر هفت زمین
کی تو نگری همتش زعرش برست



در راه یگانگی نه کفرست و نه دین
یک گام زخود برون نه و راه ببین
ای جان جهان تو راه سلام گزین
با مار سیه نشین و با خود منشین



وقتی قوال در پیش شیخ ما این بیت می گفت
سر گشتم نگاری را که دیدار پری دارد
نوّت راهی سازد نه کار سرسری دارد



نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرد برد۔

ترا سلامت باد و مرا نگونساری

ترا سلامت باد و مرا سبکباری

○○○

من بودم داو داو و من اینت خوشی

این چنین سه چهار تن بود چنین باید گفت

من بودم داو داو داو اینت خوشی

○○○

خواہی کہ کسی شوی زہستی کم کن ناخوردہ شراب وصل مستی کم کن

با زلف بتاں دراز دستی کم کن بت را چہ گنہ تو بت پرستی کم کن

○○○

تا زلف تو شاہ گشت در خسار تو تخت افگند دلم برابر تخت تو رخت

روزی بینی مرا شدہ کشتہ بخت حلقم شدہ در حلقۂ زلفین تو سخت

○○○

گرفت خواہم زلفین عنبرین ترا بوسہ نقش کنم برگ یاسمین ترا

ہر آن زمین کہ تو گر یہ و قدم بنہی ہزار سجدہ برم خاک آن زمین ترا

ہزار بوسہ دہم بر سخا و نامۂ تو اگر ببینم بر مہرِ او نگین ترا

بتیغ ہندی گو دست من جدا بکنند اگر بگیرم روزی من آستین ترا

دگر چہ خامش مردم کہ شعر باید گفت زبان من بروی گردد آفریں ترا

○○○

تا روی ترا بدیدم ای شمع طراز — نی کار کنم نه روزه دارم نه نماز
چون باتو بوم مجاز من جمله نماز — چون بی تو بوم نماز من جمله مجاز



تقنع بالکفاف تعش رخاءً — ولا تبغ الفضول مع الکفاف
ففی خیر القفار بغیر ادم — وفی ماء القراع غنی وماف
وکل تزین بالمرء زین — وازینه التجمل بالعفاف



واجبت اولاد الیهود باسرهم — لاجلک حتی کدت ان اتهوّدا
اصلی فاژدی قبلتی متعمدا — لقبلتکم فاشهد صلاتی لتشهدا
وانی لاهدی فی صلاتی بحبکم — بتوریة موسی ثم فرقان احمدا
ولولا مقال الکاشحین وبغضهم — لعبدت یوم السبت فیمن تعبدا
وکان دخول النار فی الحب هینا — اذا کان من تهواه فی الحب مسعدا
تقشع غیم الجهد عن قمر الحب — واشرق نور الصبح فی ظلمة الغیب
وجاء نسیم الاعتذار مخففا — فصادف حسن القبول من القلب



از یک سو شیر و از دگر شمشیر — مسکین دل من میان شیر و شمشیر



کار همه راست شد چنانک بباید — حالت شادیست شاد باشی شاید
اندوه و اندیشه را در انچه داری — دولت تو خود همان کند که بباید
رای وزیران ترا بکار نیاید — هرچه صوابست بخت خود فرماید
چرخ نیارد بدیل تو زخلائق — وآنکه ترا زاد نیز چون تو تراید

ایزد هرگز دری نبسند بر تو تا صد دیگر بهتری نگشاید



آنجا که بباییٔ پدید نیئی گوییٔ آنجا که نباییٔ از زمین بردییٔ
عاشق کنی و مراد عاشق جوییٔ اینت خوشی و ظریفی و نیکوییٔ



ای ساقی پیش آر ز سرمایهٔ شادی
زان می که همی تابد چون تاج قبادی
زان باده که با بوی گل و گونه لعلست
قفل در گرمست و کلید در شادی



خوشش آید او را چون من بناخوشی باشم
مرا که خوشی او بود ناخوشی شاید
مرا چو گریان بیند بخندد از شادی
مرا چو کاسته بیند کرشمه بفزاید
هرکسی محراب کرد ست آفتاب و سنگ و چوب
من کنون محراب کردم آن نگارین روی را



در شب تاریک بُداری نقاب از روی خویش مرد نابینا ببیند باز یابد راه را
طاقت پنجاه روزم نیست تا بینم ترا دلبرا شاها ازین پنجاه لفکن آه را
پنج و پنجام نباید هم کنون خواهم ترا ابجی ام می ندانم من بن و بنگاه را



جائی که تو باشی اثر غم نبود | آنجا که نباشی دل خرم نبود
آنرا که ز فرقت تو یک دم نبود | شادیش زمین و آسمان کم نبود



لان کانت الایام فرقن بیننا | فانا یقرب التقلب مجتمعان
تصوّرت فی قلبی لفرط صبابتی | فشخصک لی نصب بکل مکان



ای دوست ترا بجملگی گشتم من | حقا که درین سخن نه زرقست و نه فن
گر تو ز وجود خود برون جستی پاک | شاید صنما بجائے تو هستم من

بیت :۔

چندانکہ بکوی سلمه بارست و رود | چندانکہ درخت میوه دارست مرد
چندانکه ستاره است برین چرخ کبود | از ما بر دوست سلامست و درود

بیت :۔

بر دسته دگر باشد و بر بسته دگر | . . . .

بیت :۔

تنگ دلی نی و دل تنگ نی | تنگ دلا نرا بر ما رنگ نی

بیت :۔

دریغم آید خواندان گذاف وارد و نام | بزرگوار دو نام از گزاف خواندن خام
یکی که خوبان را یکسر نکو خوانند | دگر که عاشق گوینده عاشقانرا عام
دریغم آید چون مرتر نکو خوانند | دریغم آید چون بر رهیت عاشق نام



فا ساختن و خوی خوش وصفراکم — تا عہد میان ما بماند محکم

فا ساختن و خوی خوش وصفرا ہیچ — تا عہد میان ما بماند پی تریچ

بیت:-

رنج مردم ز بیشی و پیشیست — راحت و ایمنی ز درویشیست

برگزین زین جہاں یکی و بس — گرت با دانش و خرد خویشیست



بابِ سوم

حضرت کی زندگی کے آخری لمحات

۱۔ مرض الموت کے دوران وصایا

۲۔ حالت وفات اور کیفیتِ نزع

۳۔ کرامات جن کا ظہور بعد از وفات ہوا



فصل اوّل

مرض الموت کے دوران وصایا

حضرت شیخ کی زندگی کے آخرین لمحات جب آپ موت کے دروازے پر کھڑے تھے۔ فرمانے لگے ہمیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ کچھ لوگ یہاں آئیں گے۔ زیارت کریں گے۔ اور مجھے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔ یاد رکھو۔ اگر ایسے لوگ ہمارے ہاں آئیں زیارت کریں۔ تو ہماری یہ بات برملا کہنا۔

"گر باشیم یا نباشیم" ـــ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا

یہ بات قیامت تک زبان زدِ خلائق رہے گی۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: "ہمارے بعد بہت سی درگاہیں بنیں گی۔ مرقع پوشوں کی بھی کثرت ہوگی۔ مگر یہ لوگ خلق خدا سے علیحدہ علیحدہ رہیں گے۔ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نہیں جائیں گے۔ یاد رکھو مخلوق اللہ کو قریب رکھو۔ قریب جانو! یہ لوگ تو مخلوق خدا سے محجوب رہیں گے"

میرے جدامجد شیخ الاسلام حضرت خواجہ ابوسعیدؒ قدس سرہٗ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخرین سال ہر روز مجلس میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے "مسلمانو! قحطِ خداوندی آنے والا ہے" زندگی کی آخرین مجلس میں (جو آپ کی زندگی کی الوداعی مجلس تھی اور اس میں اکثر وبیشتر مرید موجود تھے) فرمایا۔ اگر تمہیں کل سوال کیا جائے۔

کہ تم کون ہو؟ تو تم کیا جواب دو گے ؟ لوگوں نے کہا حضرت آپ جو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "یہ کبھی نہ کہنا! کہ ہم مومن ہیں! ہم صوفی ہیں! ہم مسلمان ہیں!! کیونکہ اس طرح تم جو کچھ کہو گے اسے ثابت کرنے کی دلیل بھی تمہیں سے پوچھی جائے گی۔ اور اگر صحیح دلیل نہ دے سکے تو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ لہذا۔ یوں کہنا۔ ہم عاجز ہیں۔ ہم کہتر ہیں! ہمارے راہنما اور بہترین بزرگ ہم سے آگے چلے گئے ہیں! ہمیں ان کے پاس لے چلو۔ وہ ہماری طرف سے جواب دیں گے کیونکہ چھوٹوں پر سوال کا جواب بڑے دیا کرتے ہیں۔ کوشش کرو۔ کہ اپنے بزرگوں کو پالو۔ اگر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا گیا تو بڑا مشکل مرحلہ ہوگا۔"

ایک دفعہ خواجہ ابو منصور ورقانی جو سلطان طغرل کا وزیر تھا۔ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ یا حضرت مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "اللہ کے بندوں کا اوّلین مقام یہ ہے کہ اپنے اللہ کی ذات کو پہچانیں۔ اور نبوت کا آخرین مقام یہ ہے کہ مومنین کے حقوق کی رعایات فرمائی جائے۔"

تم ان دنوں جس منصب پر فائز ہو۔ وہاں مخلوق خدا کے حقوق کی بہم رسانی کو بڑی اہمیت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہمیشہ سامنے رکھو لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَرْحَمَ الْعَامَّۃَ کَمَا یَرْحَمُ اَحَدُکُمُ الْخَاصَّتَہ" ترجمہ" تم سے کوئی شخص اس وقت تک جنّت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ جب تک تم عام لوگوں پر اتنی شفقت نہ کرے۔ جتنی وہ اپنے خاص عزیزوں سے کرتا ہے۔ عوام النّاس تمہاری سلطنت کے فرزند ہیں انہیں اپنے بیٹوں کی طرح محبت کی نگاہ سے دیکھا کرو۔ دنیا کی لالچ۔ اور مخلوق کی دلآزاری کے درپے نہ ہو۔ لوگ اپنی اپنی ضروریات کے غلام ہیں۔ اگر تم ان کی ضروریات پوری کرتے جاؤ گے تو وہ تم سے خوش رہیں گے اگرچہ تم میں بہت سے عیب بھی ہوں گے اگر ان کی حاجات و ضروریات کا خیال نہ رکھو گے تو خواہ تم کتنے ہی اچھے ہو گے وہ تم سے مایوس ہو کر دور دور رہیں گے۔"

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے آخرین عمر میں ایک دن لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ ہمیشہ غریب مسکین درویشوں کی خدمت کرتے رہو۔ ان کی خدمت میں زیادہ وقت گذارو۔ بچوں کی طرح کھیلنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ اور نہ ہی جوانوں کی طرح لو العجبیاں کرتے رہو۔ بوڑھوں کی طرح گپوں میں وقت نہ گذارو! دونوں جہانوں کا علم تو اس میں ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ط اللہ کا قحط آ رہا ہے! اللہ کا قحط آ رہا ہے!! اللہ کا قحط آ رہا ہے! اس سے پہلے تو روٹی اور پانی کا قحط آیا کرتا تھا۔ مگر اس بار اللہ کا قحط آ رہا ہے۔ میری طرف دیکھو۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے دعا میں پھیلے ہوئے ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیئے۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ نے اپنی الوداعی مجلس میں بتایا۔ کہ بچپن کا زمانہ تھا میں محمد عفازی کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ قرآن پڑھا کرتا۔ جب قرآن پاک ختم کر لیا تو فرمانے لگے اب کسی استاد کے پاس جانا چاہیئے۔ میں نے عرض کی۔ حضرت مجھے حقِ تعلیم قرآن معاف فرما دیں فرمانے لگے۔ ہم تمہیں معاف کر دو۔ اور یہ الفاظ یاد رکھو۔ لَاَنۡ تَرُدَّ ھِمَّتَکَ اِلَی اللّٰہِ طرفتہ عین خیر لک مما طلعت علیہ الشمس! اللہ کی طرف ایک لمحہ کے لئے دیکھنا (مشاہدہ کرنا) طلوع آفتاب کی روشنیوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ہم آج تم لوگوں کو ہی وصیت کرتے ہیں۔ یاد رکھو۔ اللہ کو ایک لمحہ کے لئے نہ بھولو۔ اس کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو! یہ کہہ کر آپ نے حسن مؤدب کو فرمایا۔ اٹھو! حسن اٹھا۔ فرمایا۔ یاد رکھو میں نے تمہاری ہستی کو اپنی طرف نہیں بلایا تھا۔ بلکہ تمہاری ہستی کو اپنی طرف دعوت دی تھی ہم نے کہا تھا۔ ہستی تو صرف اسی ذات کی ہے۔ تمہیں تو اس نے نیستی (فنا) کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں جہانوں کی عبادت بھی کرے۔ تو اس شخص کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا۔ جو مخلوق خدا کو راحت پہنچاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو وصیت فرمائی تھی۔

تَخَلَّقُوا بِاَخۡلَاقِ اللّٰہِ تَعَالٰی! (ہمیشہ اپنی عادات کو اللہ تعالے کی عادات

کا مظہر بنا لو) میں بھی تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ کی راہ اختیار کرو۔ سب لوگوں کو اللہ کی نظر ترحم سے دیکھو۔ اللہ کو چھوڑ کر خلق کی نظر سے نہ دیکھو۔

مَن نَظَرَ اِلَی الخَلقِ بِعَینِ الخَلقِ طَالَت خُصُومَتُہ مَعَھُم و

مَن نَظَرَ اِلَی الخَلقِ بِعَینِ الحَقِ اَستَرَاحَ مِنھُم

ترجمہ:۔ جو شخص لوگوں کو لوگوں کی نظر سے دیکھے گا۔ اس کی لوگوں کے ساتھ نفرت اور دشمنی بڑھتی جائے گی۔ جو اللہ کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اسے لوگوں سے محبت بڑھے گی۔

مجلس وداعی میں حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ نے ایک بار خواجہ حمویہ کی طرف نگاہ فرمائی۔ اور فرمایا۔ خواجہ تمہیں حمویہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کی حمایت کرے مخلوق کے مسائل پر کان رکھے۔ ہماری بات غور سے سنو! جمعہ کے روز ہمیں یہاں لایا جائے گا اس دن بہت سے لوگ جمع ہوں گے۔ تم لوگوں کو زحمت ہو گی۔ کچھ لوگ تمہارے واقف و آشنا ہوں گے مگر بہت سے لوگ ایسے بھی آئیں گے۔ جنہیں تم جانتے ہی نہیں۔ اس وقت دل مضبوط رکھنا اور کوشش کرنا کہ جلد از جلد ہمیں آسودہ خاک بنا دینا۔ ہمارے سامنے ایک سخت دشوار گذار سفر آرہا ہے۔ خواجہ نجار نے پوچھا۔ حضرت وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا۔ خواجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین جن صحابہ کو تمام جنوں پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا ان کے نام۔ عمرو۔ بحر۔ اور عقب رضی اللہ عنہم تھے۔ عقب مجھے ملتے رہے ہیں۔ میری مجلس میں آتے رہے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر مجاور ہوں گے۔ اور ساری زندگی مجاورت کریں گے۔ وہ صرف عید بقر عید کو وہاں سے جایا کریں گے ان کی وجہ سے بہت سے دوسرے جنات بھی میرے ساتھ دوستی رکھتے تھے۔ بذنا پوہ اور یہاں ہر جگہ یہ جن میرے رفیق رہے ہیں مجلس سماع برپا ہوتی یہ تو پہرہ دیتے تھے جب تک تم لوگ اور دوسرے درویش ہمارے مزار پر مجالس سماع منعقد کرتے رہیں گے۔ یہ جنات بھی حاضر رہیں گے۔ ان کے حقوق کا خیال رکھنا اپنے اپنے گھروں میں ہر ماہ سلکاتے رہنا۔ کیونکہ کافر جنات اس کی

خوشبو ست بھاگ جاتے ہیں۔ انہیں حکم دینا وہ نماز عصر تک صفائی کا کام کرتے رہیں گے تمام نجاست کو اٹھاتے رہا کریں گے۔ ہماری جنات کے وقت اگر تم لوگوں کو کہیں سے وحشت ناک آواز سنائی دے اور آواز دینے والا دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا کہ یہ جنات میں سے کوئی ہے۔ یاد رکھو میں اس دنیا سے جا رہا ہوں۔ تم لوگوں کے لئے چار چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ رُفت و رو۔ شست و شو۔ جستجو۔ گفتگو۔ جب تک ان چار چیزوں کو درست رکھو گے۔ تمہاری نہروں کا پانی جاری رہے گا۔ اور تمہارے یمن وایمان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب رہیں گی۔ تمہیں لوگ دیکھنے آیا کریں گے۔ کوشش کرو۔ کہ ان چیزوں سے ایک بھی ضائع نہ ہو۔ اب ہمارا کام مکمل ہوگیا ہے ہماری زندگی کے ایک ہزار ماہ پورے ہوگئے۔ ہزار ماہ سے زیادہ زندگی نہیں ہو گی۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ط

حضرت شیخ نے زندگی کی آخری مجلس میں فرمایا۔ کاغذ قلم دوات لاؤ۔ آپ نے ابوالحسن اغرج ابیوردی کو بلا کر کہا۔ لکھو۔ اور یہ عبارت لکھوائی۔

ابوطاہر سعید بن فضل اللہ طہرہ اللہ واسعدہ بفضلہ ومنتہ وعونہ ونصرتہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالوفا المظفرہ اللہ وابدہ (وسددہ وخیرہ ومہدہ) ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالعلا ناصر بن فضل اللہ نصرہ اللہ وظفرہ وایدہ وخیرہ ونصرہ ولا قوۃ الا باللہ (ابوعلی المطہر بن فضل اللہ اعلاہ اللہ وطہرہ وحملہ ونصرہ وادبہ وخیسرہ ولا قوۃ الا باللہ (ابوالبقا المفضل بن فضل اللہ البقاہ اللہ وفضلہ علی کثیر من خلقہ تفضیلا ولا قوۃ الا باللہ۔ اولاد ابی طاہر ابوالفتح طاہر بن سعید فتح اللہ لہ وبہ ومنہ وبجمعیتہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوسعد اسعد بن سعید اسعدہ اللہ وایدہ واکرمہ وسددہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالعز الموفق بن سعید وفقہ اللہ ونصرہ وایدہ اللہ وخیسرہ وادبہ وسددہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالفرج الفضل بن احمد العامری فرج اللہ عنہ وبہ ومنہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالفتوح مسعود بن الفضل اسعدہ اللہ وفضلہ وفتح لہ وبجلہ ولا قوۃ الا باللہ۔

پھر فرمایا۔ یہ دس افراد ہیں۔ ان میں سے جب تک ایک شخص بھی زندہ ہے اثرات موجود رہیں گے۔ جب یہ تمام کے تمام آسودۂ خاک ہوں گے۔ تو لوگوں پر وہ راز محجوب ہو جائیں گے آپ نے فرمایا۔ فَاِنَّمَا نَحْنُ بِہٖ وَلَہٗ ط

حضرت ابوسعید قدس سرہٗ نے مندرجہ بالا گفتگو کی۔ تو چند لمحوں کے لئے مراقبہ میں چلے گئے سر اٹھایا۔ تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ تمام حاضرین بھی رونے لگے فرمایا۔ ایک دن میں نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا۔ کہ یہ حضرات کب تک رہیں گے۔ فرمایا ایک سو سال تک میرے زمانے کے لوگوں میں سے بعض رہیں گے۔ اس کے بعد ان مجالس کی خوشبو کے اثرات باقی نہیں رہیں گے۔ اگر کہیں کوئی شخص ایسا ہو گا بھی تو زیر خاک ہو گا اور ایسی دعائیں اور التجائیں ختم ہو جائیں گی"

ہم نے ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت کی وفات کو ایک سو سال گذرا تو ایسے حالات پیدا ہوئے۔ کہ ہر شخص حیران و پریشان ہو گیا۔ ملک بھر میں شورش و ہیجان برپا ہو گئی۔ حتیٰ کہ کوئی شخص حضرت ابوسعیدؒ نور اللہ مرقدہٗ کے مزار پاک پر مہینہ میں حاضری نہیں دے سکتا تھا۔ مزار سے تین میل دور پہاڑ کے اس طرف ایک گاؤں تھا جسے سر کلہ کہتے تھے آتے اور فاتحہ کہتے تھے۔ چونکہ ایک دن یہ بات آپ کی مجلس میں بیان کی گئی تھی۔ کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی شخص مہینہ میں نہیں آسکے گا۔ اور سر کلہ پر آکر خفیہ طور پر زیارت کر کے چلا جائے گا اس سو سال کے درمیان جس کا ذکر حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ ہم لوگ مزار پر رہے ایک دن ایسا نہ گذرا تھا۔ کہ نماز باجماعت ادا نہ کی گئی ہو۔ صبح و شام عام لوگوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ ہر صبح مزار پاک پر ختم قرآن کیا جاتا تھا۔ رات کے وقت سونے تک مزار پر شمعیں روشن رہتیں سحری سے پھر روشنی ہوتی تھی۔ مقربانِ درگاہ و خادمانِ خانقاہ صبح و شام مزار پر حاضری دیتے تھے۔ اور مزار کے ارد گرد آپ کی اولاد اور دوسرے صوفیا کا مجمع رہا کرتا تھا۔ کوئی فتنہ و فساد نام تک نہ تھا ہر روز فتوحات اور نعمتیں آتی تھیں۔ اور اطرافِ عالم اسلام سے بزرگانِ دین زیارت کے لئے

حاضر ہوا کرتے تھے۔ مجالسِ سماع منعقد ہوتیں۔ خرقہ ہائے فقر تقسیم ہوتے۔ جس شخص کو راہ سلوک میں کوئی مشکل پیش آتی۔ آپ کے صاحبزادگان سے حل ہوتی آپ کی اولاد اور متعلقین کو جس قدر عزت و منزلت حاصل تھی۔ اُس کی مثال نظر نہیں آتی۔ ایسا ہوا۔ کہ مہینہ میں جس کے پاس ایک درہم تھا۔ وہ مالا مال ہو گیا۔ جو مالا مال تھے۔ وہ آسودہ حال ہو گئے۔ جن کے پاس خروارے تھے وہ انباروں کے مالک بن گئے اور آپ کی اولاد کی خواجگی عالم اسلام سے خراجِ عقیدت حاصل کرنے لگی تھی۔

سو سال گذرے تو یہ آثار مٹنے لگے۔ آپ کے فرزند اور مریدوں میں سے محدودے چند حضرات رہ گئے۔ تمام کے تمام بکھر گئے یا شہید کر دیئے گئے غزوں نے ایک ایک کو تہہ تیغ کر دیا۔ بعض عقیدت مند اطرافِ جہاں میں نکل گئے اور دیارِ غیر میں غربت کے عالم میں رحلت کرتے گئے آج (کتاب لکھتے وقت) چوتیس ۳۴ سال گذر چکے ہیں ابھی تک مزار پر کوئی آثار نہیں پائے جاتے کہ اس کی رونق پھر لوٹ آئے۔ ہم دو چیزوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ایک تو حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ ایک سو سال بعد یہ واقعات ہوں گے اور ایک شخص اٹھے گا۔ جو حالات کو درست کرے گا۔ دوسرے میرے والد مکرم نورالدین منور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات کہی تھی کہ خواجہ ابو الفتح نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی زبانی سنا تھا۔ کہ یہ لوگ ایک سو سال ہمارے خادم رہیں گے۔ ایک سو سال تک ہماری اولاد کے خادم رہیں گے اور ایک ہزار سال تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ خواجہ عبدالکریم نے جو حضرت کے خادم خاص تھے۔ فرمایا۔ کہ میں نے اپنے کانوں حضرت شیخ کو کہتے سنا تھا کہ قیامت تک ہمارے مزار کی رونق رہے گی۔ ہم لوگ ان امیدوں پر جی رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی عمر کے آخرین حصہ میں مزار پاک کی رونق کو بحال ہوتے دیکھ سکیں۔ اور ہم آسودگی پا سکیں۔

حضرت شیخ نے خواجہ عبدالکریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ بچہ چاہتا ہے کہ راہ سلوک کو فوراً طے کرے۔ بیٹا! جہاں تم پہنچے ہو۔ ثابت قدم رہو۔ اس سے آگے قدم بڑھانے

کی خواہش نہ کرو۔ تمہارا مقام یہاں تک ہی ہے۔ پھر آپ نے اپنے بڑے لڑکے کی طرف دیکھا فرمایا طاہر آگے آؤ۔ وہ آگے آئے۔ تو حضرت شیخ نے اس کا دامن پکڑ کر فرمایا۔ میں نے تمہیں اور تمہاری اولاد کو درویشوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ پھر یہ شعر فرمایا۔

عاشقی خواہی کہ تا پایاں بری ۔ بس کہ بہ پسندیدہ باید ناپسند
زشت باید دید و انگارید خوب ۔ زہر باید خورد و انگارید قند

پھر آپ نے فرمایا کیا تم نے خدمت درویشاں قبول کر لی ہے۔ عرض کی۔ ہاں حضرت مجھے منظور ہے فرمایا۔ جو لوگ آج یہاں موجود ہیں سن لیں اور دوسروں تک یہ بات پہنچا دیں۔ کہ خواجہ ابوطاہر دو قطبوں میں سے قطب وقت ہے۔ اسے بزرگوں کی آنکھ سے دیکھیں۔ اس زمانہ میں دو خواجہ ہوئے ہیں۔ خواجہ علی حسن جو اس وقت کرمان میں تھے اور خواجہ علی جناز جو مرو میں تھے تیسرے قطب حضرت خواجہ ابوطاہر ہیں۔ دنیائے تصوف میں یہ تینوں صوفیاء کے قطب مانے جاتے ہیں۔

فصل دُوم

احوالِ حالتِ نزع

ہمارے شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعہ، ۲ ماہ رجب ۴۴۰ھ اپنی زندگی کی آخرین مجلس اس بیت پر ختم کی:-!

دردا کہ ہمی روی بره باید کرد • وین مفرش عاشقی دوتا باید کرد

اے دردِ عشق! اب راہِ محبوب کا رخ کرنا چاہیئے۔ اور عاشقی کی بساط تہہ کر دینی چاہیئے۔

اس شعر کے بعد آپ نے اپنے خواجہ علیک نیشاپوری سے فرمایا۔ اٹھو علیک اٹھے۔ تو فرمایا تم نیشاپور روانہ ہو جاؤ۔ تین دن کے اندر اندر واپس آجانا۔ صرف وہاں نصف دن قیام کرنا اور جمعرات نماز ظہر تک یہاں پہنچ جانا۔ وہاں ایک روئی گر کو سلام کہنا اور کہنا کہ روئی کی وہ کمتی جو تم نے آخرت کے لئے رکھی ہے۔ مجھے دے دو۔ علیک اسی وقت اٹھے۔ اور روانہ ہو گئے اور مقصود حاصل کیا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ مجلس کے تمام صوفیاء کو بڑی تشویش ہوئی۔ کہ حضرت آج کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

حضرت نے اسی مجلس میں خواجہ عبدالکریم کو بلایا اور فرمایا کہ زندگی میں تم مجھے وضو کراتے رہے ہو۔ بعد از وفات بھی میرے غسل کا اہتمام تم ہی کرو گے۔ کسی قسم کی کوتاہی یا غلطی نہ ہونے پائے۔ حسن مؤدب کو ساتھ رکھنا۔ خیال کرنا کسی قسم کا خوف اور دہشت نہ آنے پائے اور سنت نبوی کے مطابق سارے کام کرنا۔ اگر کوئی سنت رہ جائے تو اس کا اعادہ کرنا۔

یہ تمام وصیتیں کرنے کے بعد آپ منبر سے اترے۔ حسن مؤدب کو فرمایا۔ گھوڑے پر زین رکھو گھوڑا تیار ہوا۔ تو آپ سوار ہوئے میہنہ کے گرداگرد ایک چکر لگایا۔ جہاں جہاں خلوت میں عبادت خداوندی کی تھی۔ ایک ایک لمحہ رکے۔ الوداع کہتے گئے۔ حسن مؤدب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت شیخ کے ہمرکاب تھا۔ سوچا جاتا تھا۔ کہ حضرت شیخ کی وفات کے بعد میں کس طرح خدمات سرانجام دوں گا میرا دل غم والم سے بھرا پڑا تھا۔ اور مجھے اس قرض کا بڑا فکر تھا۔ جو حضرت نے درویشوں کی دعوت کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ حضرت شیخ نے گھوڑے کو روکا۔ اور میری طرف منہ کر کے فرمانے لگے۔

ایا برجاں، ما ہرچہ بہ شطرنج اہوا نذی
چو مارا شاہ مات آید ترا سپرے شود بازی

میں یہ شعر سنتے ہی دم بخود ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن۔ فکر نہ کرو۔ بوسعد دادا آنے ہی والا ہے۔ میری وفات کے بعد تمہارا سارا قرضہ چکا دے گا۔ حقیقت میں یہ دونوں باتیں ویسے ہی ہوئیں۔ جیسے حضرت شیخ نے کہی تھیں۔

جب ہمارے حضرت شیخ قدس سرہٗ کو موت نے آلیا۔ تو خواجہ حسن مؤدب درویشوں کی خدمت کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ خواجہ ابوطاہر اور ان کے بیٹے ہی مہمانوں اور درویشوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کا حکم بھی یہی تھا۔ حضرت شیخ کی وفات کے تیسرے روز بوسعد دادا غزنین سے آیا۔ تمام قرضہ بیباق کر دیا گیا۔

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سیر کرنے کے بعد واپس آئے گھر میں داخل

ہوئے۔ آج آپ بیمار اور خستہ بدن دکھائی دیتے تھے۔ آپ کے مرید اور بیٹے عام طور پر آپ کے پاس ہی ہوتے تھے۔ اور آپ سے سوال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کے جنازے کے آگے آگے کون کون سی آیات تلاوت کی جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ آیات قرآنی کی تلاوت تو بہت بڑا کام ہے لیکن یہ اشعار ضرور پڑھے جائیں۔

خوبتر اندر جہاں ازین چہ بود کار
دوست بر دوست رفت و یار بر یار
آں ہمہ اندوہ بود واین ہمہ شادی
آن ہمہ گفتار بود واین ہمہ کردار

(دنیا میں اس سے اچھا کام کیا ہے کہ دوست اپنے دوست سے ملاقات کرے۔ ایک مرحلہ تو صرف اندوہ غم کا ہی ہے اور ایک مقام خوشی کا ہے۔ ایک تو ساری گفتار ہی گفتار ہے۔ اور دوسرا کردار)

جس دن حضرت شیخ ابوسعید کا جنازہ اٹھایا گیا۔ تو قاریاں خوش گلو آگے آگے پڑھتے جا رہے تھے حضرت شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا تھا۔ کہ آپ کی قبر پر اشھد اللہ۔ آیت الکرسی لکھیں یا تبارک اللہ لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ آیات تو بہت بلند مقام کی حامل ہیں۔ میری قبر پہ یہ شعر لکھا جائے۔

سالتک بل اوصیک ان مت نا کبتی ۔ علی لوح قبری کان ھذا متیماً
نقل شجیاً عارفاً سنن الھویٰ ۔ یمر علیٰ قبری القریب مسلما

مندرجہ بالا شعر کے علاوہ آپ کے مزار پُر انوار پر یہ قطعہ لکھا گیا۔

یا عزاقسم بالذی انا عبدہٗ ۔ ولہٗ الحجیج وماحوت عرفات
لا ابتغی بدلاً سواک خلیلۃ ۔ فثقی بقول والکرام ثقات
ولوان فوقی تربتہ ودعوتنی ۔ لاجبت صوتک والعظام رفات

واذا ذکرتک ماخلوت تقطعت ۔ کبدی علیک وزادت الحسرات[1]

آپ کی وفات کے بعد یہ دونوں قطعات حضرت شیخ قدس سرہٗ کے مزار پر تین خطوں میں لکھے گئے تھے۔

وفات سے دو دن پہلے حضرت شیخ کی زبان پر یہ جملے آئے۔ اس وقت حضرت کے تمام بیٹے اور مرید موجود تھے۔

نِعمتہٗ اللہ مجھولۃ فاذا مت محسولۃ فاذا فقدت عرفت ط

یہ بات کرنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ غور سے سن لو! جب تک ایمان پر قائم ہو مخلوق خدا کا کام کرتے رہو۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے پائے۔

خواجہ عبدالکریم بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ نے جمعرات کو بوقت نماز ظہر آنکھیں کھولیں اور خواجہ ابوطاہر کو فرمایا۔ عَلیک آگیا ہے؟ نہیں ابا حضرت۔ حضرت شیخ نے پھر آنکھیں بند کرلیں میں اُٹھ کر باہر نکلا۔ اس وقت علیک آرہا تھا۔ میں لوٹ کر اندر آیا۔ اور خواجہ ابوطاہر کو بتایا کہ عَلیک آگیا ہے۔ اور وہ کپڑا لے آیا ہے۔ جسے لینے کے لئے گیا تھا۔ ابوطاہر نے حضرت کو اطلاع دی تو آپ نے سنتے ہی فرمایا۔ کیا کہہ رہے ہو! ابوطاہر نے کہا حضور عَلیک آگیا ہے۔ سنتے ہی فرمایا۔ الحمدُ للہ۔ اور جان شرین جان آفرین کے حوالہ کردی۔ یہ تاریخ چار شعبان ۵۴۴۰ھ بروز جمعرات بوقت نماز عشاء تھی۔ گھر سے ایک شور اٹھا۔ سارا قصبہ مہینہ آہ و بکا سے بھر گیا۔ چونکہ شیخ نے پہلے ہی بتادیا تھا۔ یہ ان جنوں کی آواز تھی۔ جو حضرت کی وفات کا سن کر آگئے تھے۔ ان آوازوں

---

[1] جب میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔ تو میرا دل دھڑکتا ہے۔ میرا جگر تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور محبت کی کشش زیادہ بڑھتی ہے۔

میں یہ الفاظ سنے گئے۔ دریغا دریغا!! افسوس آپ رخصت ہو گئے۔ سب کچھ ساتھ لے گئے۔ اب ہمارے لئے کچھ نہ رہا۔ یہ آوازیں آدھی رات تک مختلف اطراف سے سنائی دیتی رہتیں۔

ہم صبح کے وقت غسل کی تیاریاں کرنے لگے حضرت شیخ نے بتایا تھا۔ علیک نیشاپور سے جو کپڑا لایا ہے۔ اُسے دو حصے کر لینا۔ ایک ہمارے کندھے پر ڈال دینا۔ خواجہ عبدالحکیم کہتے ہیں کہ جب ہم نے حضرت شیخ کو کفن پہنا لیا۔ تو حضرت خواجہ ابوطاہر اور دوسرے بیٹے موجود تھے۔ میں حضرت کے پاؤں کی جانب کھڑا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں ہیں جیسے وہ مجھے دیکھ رہے ہوں۔ دائیں ہاتھ سے اپنی ران کی طرف اشارہ کیا۔ جسے تمام حاضرین نے دیکھا۔ میں نے دیکھا تو کفن کا ایک حصہ ران پر موجود نہ تھا۔ یہ بے پردگی کی طرف اشارہ تھا۔ میں آگے بڑھا اور کفن کو درست کیا۔ یہی بات تھی۔ جب حضرت نے مجھے کہا تھا۔ دیکھنا! شرائط سنت میں کوتاہی نہ آنے پائے۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی۔ آپ نے آگاہ کر دیا۔

صبح آفتاب نکلا۔ جنازہ اٹھا کر باہر لایا گیا۔ نماز جنازہ ادا کی گئی جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف روانہ ہوئے مگر صبح سے لے کر چاشت تک جنازہ قبرستان تک نہ پہنچ سکا۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی۔ مگر جنازے کا فاصلہ طے ہونے کو نہ آتا تھا۔ خواجہ بخار نے خواجہ حمویہ کو کہا۔ کہ شیخ نے آپ کو کیا فرمایا تھا۔ کیا وہ وقت آگیا ہے یا نہیں؟ حمویہ نے حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق ایک لکڑی اٹھائے لوگوں کو راستے سے ہٹاتے جاتے تھے۔ اس طرح جنازہ قبر تک پہنچایا گیا۔ اور لا کر دفن کر دیا۔

ان کرامات کے علاوہ ایک کرامت قابل ذکر ہے کہ جس تختے پر حضرت شیخ کو غسل دیا گیا تھا اسے اسی مقام پر ایک بلند جگہ رکھا گیا۔ اور اس جگہ سے کوئی بھی نہ ہلاتا تھا حتیٰ کہ ایک عرصہ تک وہ تختہ ایک جگہ نصب رہا۔ دیوار یا چھت بناتے وقت اسے کوئی نہ ہلا سکا۔

شیخ کی وفات کے بعد یہ بات مشاہدے میں آئی۔ کہ جس پایۂ تخت یا کرسی پر حضرت شیخ زندگی میں وضو فرمایا کرتے تھے۔ بطور تبرک محفوظ رکھ لئے گئے۔ لوگ آتے۔ ان دونوں کی زیارت کرتے غزوں کی شورش اور حملے کے وقت میہنہ تباہ و برباد ہو گیا۔ جہاں جہاں لکڑی کی کوئی چیز تھی۔ جلا

کر راکھ کر دی گئی۔ مگر یہ کرسی اور پایۂ تخت ان دنوں گم ہوگئے۔ لوگ قیدی بنا لئے گئے۔ مگر ان تبرکات کا کسی کو علم نہ ہوا۔ حضرت شیخ کی اولاد میں سے اکثر حضرات قید و بند میں رہے۔ مگر جب یہ لوگ رہا ہو کر واپس آئے تو یہ تینوں چیزیں اپنی اپنی جگہ صحیح و سلامت تھیں۔

اس حادثے کے دوران بہت سی ایسی چیزیں دیکھنے میں آئیں جو حضرت شیخ کی کرامات میں سے ہیں۔ کہ جب سلطان سعید سنجر بن ملک شاہ بَرَّدَ اللہُ مُضْجَعَہٗ کو غزوں سے رہائی ملی اور مَرْو کے دارالسلطنت میں پہنچے۔ یہ دعاگو (نورالدین) سرخس سے مشائخ کے وفد کے ساتھ مرو گیا۔ تاکہ بادشاہ کو ہدیۂ تبریک پیش کیا جا سکے مصلحتاً اس وفد میں حضرت شیخ ابوسعید کے فرزندان۔ رشتہ داراں اور مہینہ کے لوگوں کو ساتھ نہ لیا تھا۔ اکثر لوگ اِدھر اُدھر مختلف مقامات پر چلے گئے تھے۔ ان میں اکثر لوگ عراق میں چلے گئے تھے۔ ہم مرو پہنچے تو مہینہ کا گورنر بھی چند روز قبل وہاں پہنچا تھا۔ وہ ابھی تک سلطان سے ملاقات نہیں کر سکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرخس کے اس علاقہ کی بہبود کے لئے بات کرے جو غزوں کے حملہ سے تباہ و ویران ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل حضرت شیخ کی اولاد کے بغیر کوئی بھی اس کام کی طرف توجہ نہیں دیا کرتا تھا۔ اگر کسی نے کبھی کوشش کی بھی تو اسے نگاہِ التفات سے نہیں دیکھا گیا۔ مہینہ کا کوتوال۔ عامل۔ رئیس یا دوسرے حکام جو کام بھی کرتے حضرت شیخ کی اولاد کے مشورہ سے متعین کرتے تھے۔ اگر کسی پر کوئی حاکم ظلم کرتا۔ تو حضرت شیخ کے بیٹے بادشاہ کو لکھا کرتے کہ فلاں حاکم کو یہاں سے ہٹا لیا جائے۔ یہ خط کسی درویش کے ہاتھ لشکرگاہ میں پہنچا دیا جاتا۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوتا۔ اور اس شخص کو معزول کیا جاتا۔

الغرض مہینہ کے گورنر کو اس فقیر (صاحب کتاب نورالدین) کے پہنچنے کی خبر ملی ملنے کے لئے آیا۔ اور بڑے تپاک سے ملا کہنے لگا۔ چند دنوں سے میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ آپ کے ساتھ مل کر بادشاہ کی خدمت میں سفارشات پیش کی جائیں۔ دوسرے دن ہم دونوں بادشاہ سے ملے۔ بادشاہ نے مجھے دیکھا۔ تو بڑی عزت افزائی کی۔ میں نے بادشاہ کے لئے دعا کی۔ تو بادشاہ نے کہا۔ مہینہ بڑی مبارک جگہ ہے۔ حضرت شیخ کے مرقد سے نورانی اور بابرکت مقام اور کونسا ہو سکتا ہے؟ میں

نے سنا ہے۔ کہ ایک غز نے حضرت شیخ کی قبر کو گرانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کا بازو شل ہو گیا۔ اس غز کا خیال تھا کہ مزار میں دولت اور سونا بھرا ہوا ہے اس شخص کے رشتہ دار اسے اٹھا کر میرے لشکر گاہ میں لے آئے۔ میں نے اُسے خود دیکھا تھا۔

سلطان سنجر نے یہ واقعہ سنانے کے بعد حکم دیا کہ ایک ہزار خروار غلہ دیا جائے تاکہ خاوراں کی زمینوں میں تخم ریزی کی جا سکے۔ ایک سو خروار مشہد کے لئے دیا جائے۔ مہینہ کے گورنر نے التجا کی کہ حضور ہمیں کاشتکاری کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے بتایا۔ کہ خراسان تباہ ہو کر رہ گیا ہے خزانے میں روپیہ نہیں ہے۔ ابھی اپنے وسائل سے گذارا کرو۔ حضور کے مزار کے لئے ایک سو دینار خصوصی طور پر دیئے مہینہ کے گورنر نے واپس آکر ادھر اُدھر آدمی بھیجے تاکہ حضرت شیخ کی اولاد میں جو شخص جہاں ملے اسے واپس لایا جائے۔ اس وقت صرف پچاس ایسے افراد ملے۔ جو مہینہ پہنچے۔ خانقاہ پر لنگر جاری کیا گیا۔ پانچ وقتی نماز شروع ہوئی قبر پہ شمع جلنے لگی۔ ختم قرآن کا آغاز ہوا۔ قاریوں کا بندوبست کیا گیا۔ اور اس طرح سابقہ رونقیں لوٹ آئیں۔ روشنیاں پھیلنے لگیں راقم بھی مزار کی سابقہ شان و شوکت کو بحال کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اطراف واکناف سے لوگ جمع ہونے شروع کئے۔ آرام و آسائش ملنے لگی۔ اسی دوران سلطان سنجر کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کی جگہ سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ مرو میں غزوں کے ساتھ دوبارہ جنگ شروع ہو گئی۔ بادشاہ کو شکست ہوئی۔ شاہی لشکر بکھر گیا اور غزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس بار پھر ہمارے حالات خراب ہو گئے۔ علاقہ ویران ہو کر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے امن و عدل برقرار کرے۔ خراسان کو آباد فرمائے اور تمام جہاں پر امن و سلامتی کا دَور دورہ ہو۔ بِمَنّہٖ و فَضلِہٖ۔

فصل سوم

کرامات بعداز وصال شیخ قدس سرہٗ

یہاں ہم ان کرامات کا ذکر کریں گے۔ جو حضرت کی زبان سے بعض اقوال کی صورت میں برآمد ہوئیں اور وفات کے بعد ان حقائق کا اظہار کیا۔

حکایت:۔ ہمارے شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کے گھر میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ جو آپ کے گھر میں باورچی خانہ میں کام کیا کرتی تھی۔ اسے داد املیخی کہا کرتے تھے۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بوسعد دادا تھا۔ اس کی ماں اسے کسی کام کا کہتی۔ تو کہتی، دوست دادا! فلاں کام کر آؤ۔ ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرہ میں آرام فرمارہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا دوسرے صوفی مسجد میں آرام کر رہے تھے۔ سخت گرمی تھی۔ ماں نے بیٹے کو ایک گھڑا دیا۔ اور کہا۔ اے دوست دادا! جاؤ دوڑ کر پانی بھر لاؤ۔ ابھی صوفیوں کو اور حضرت شیخ کو پانی کی ضرورت پڑے گی۔ بوسعد نے گھڑا اٹھایا۔ اور پانی لینے گیا۔ ننگے پاؤں تپتی ہوئی زمین۔ بوسعد کے پاؤں جلتے

آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں گرتیں۔ او رکمر پر پانی کا گھڑا اٹھائے چلا آ رہا تھا حضرت کے حجرے کے دروازے سے سامنے سے گذرا تو حضرت شیخ نے اندر سے آواز دی بو سعد دادا تمہیں" ہم نے بغداد بخش دیا ہے تم اپنے بیٹوں کو دو یا خود رکھو۔ یہ انعام پانی کے ایک گھڑے کے بدلے دیا گیا ہے"۔ اس دن کے بعد لوگ سعد کو دوست دادا کہنے لگے۔

وقت گذرتا گیا۔ یہ بچہ حضرت کے دربار کی خدمت میں ہی نوجوان ہوگیا اس کی خدمت گذاری نے اسے یہاں تک پہنچایا کہ وہ حضرت کے دس مخصوص خدمت گذاروں میں شمار ہونے لگا۔ احباب ان دس خدمت گذاروں کو احباب عشرہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ نسبت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ سے تھی۔ واللہ تعالیٰ ان عشرہ مبشرہ کی برکات سے ہم سب کو اعزاز واکرام سے نوازے۔

حضرت شیخ کی وفات کے بعد آپ کی خانقاہ کے ہر خدمت گذار کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے نوازا۔ آپ کے خادم اور فرزند اں ایک ایک کرکے بلند درجات کو پہنچے امام او رپیشوا بنے۔ حضرت شیخ نے اپنی عمر کے آخرین حصہ میں بو سعد دوست دادا کو اپنے پاس بلایا اور کہا ہم اس وقت تک اس دنیا سے جانا نہیں چاہتے جب تک حسن مؤدب کا وہ قرضہ جو اس نے درویشوں پر خرچ کر دیئے ہیں۔ بیباق نہ کر دیا جائے یہ قرضہ تین ہزار دینار ہیں۔ میں آج تمہیں غزنین بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم سلطان غزنین کی خدمت میں جاؤ۔ اسے میرا سلام کہنا۔ اور پیغام دینا کہ میں نے تین ہزار دینار قرضہ ادا کرنا ہے۔ اس سے پہلے ہمارے دل کو فارغ کرو۔ ہم اس کی وجہ سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتے۔ بو سعد کہتے تھے کہ جب یہ بات حضرت شیخ نے مجھے کہی تو میرے دل میں آیا۔ کہ میں یہ باتیں بادشاہ کو کیسے کہہ سکوں گا۔ اور بادشاہ کو میرا کیا پتہ کہ میں کون ہوں؟ بھلا بادشاہ میرے جیسے خدمت گذار کی باتیں کیوں سنے گا۔ میرے دلی خدشات کو حضرت نے بھانپ لیا۔ فرمایا دوست دادا! تم فکر نہ کرو۔ میں نے ساری باتیں بادشاہ کو کہہ دی ہیں۔ اور اس نے قبول کر لی ہیں۔

بوسعد نے اسی وقت رختِ سفر تیار کیا۔ اور حضرت سے اجازت طلب کرنے کو اندر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ بوسعد ہمیں الوداع کہہ لو۔ واپسی پر تم ہمیں نہ پاؤ گے مہینہ میں واپس آ کر صرف تین دن قیام کرنا۔ پھر واپس چلے جانا۔ اور بغداد چلے جانا۔ میں نے بغداد تمہیں اور تمہارے بیٹوں کو بطور جاگیر دے دیا ہے۔ یاد رکھو! کسی دوسرے شہر میں نہ ٹھہرنا۔ وہاں تمہیں بہت آسودگی ملے گی۔ رزق میں کشایش ہوگی۔ اور صوفیہ بھی آرام پائیں گے بوسعد کہتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں بے حد رویا۔ حضرت کی قدم بوسی کی۔ وداع کہا اور غزنین کو روانہ ہو گیا۔ میں شہر کے دروازے پر پہنچا تو ڈر رہا تھا۔ کہ مجھے اس شہر میں کون پہچانے گا مجھے ڈر تھا کہ میں بادشاہ تک کیسے پہنچوں گا اور یہ باتیں کس طرح بیان کروں گا۔ میں یہ سوچتے ہوئے شہر کی اس مسجد میں گیا۔ جو بادشاہ کے گھر کے پاس ہے۔ وہاں میں نے قیام کیا میرا خیال تھا کہ بادشاہ کا کوئی خاص ملازم نماز پڑھنے آئے گا۔ تو مجھے وہاں تک رسائی کا کوئی راستہ تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ چنانچہ میں اسی فکر میں تھا۔ کہ مسجد کے باہر اپنی خیالات میں گم بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک محلی سی بعد میرے سامنے آئی میں اس محلے کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی تھوڑا سا آگے گیا تو مجھے ایک دروازے کے سامنے چند بڑی سرو قد کھڑے دکھائی دیئے میں نے محسوس کیا کہ یہ کسی صاحبِ منصب کا گھر ہے مجھے دیکھتے ہی ان لوگوں نے میرے لئے راستہ بنایا۔ ایک خوبصورت سا خادم آگے بڑھا اور میرے پاس آکر کہنے لگا حضور! یہاں بیٹھئے! میں ابھی آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد باہر آکر کہنے لگا شیخ بوسعد دوست دادا شیخ بوسعید ابوالخیر میہنی کے مرید آپ ہی ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں! کہنے لگا۔ اٹھو! اندر آؤ۔ میں اٹھا۔ اور روتے روتے بادشاہ کے مکان میں داخل ہوا مجھے حیرانی تھی کہ ان لوگوں نے مجھے کیسے پہچان لیا۔ اور میرے نام سے کس طرح واقف ہو گئے۔ بادشاہ کو میرے آنے کی اطلاع کس نے دی ہے۔ وہ خادم مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ اپنے کمرے میں بیٹھا میرا منتظر تھا میں نے سلام کیا۔ مجھے بہت محبت سے جواب دیا کہ تم بوسعد دوست دادا ہو! میں نے کہا۔ ہاں میں ہی ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ چالیس دن پہلے مجھے حضرت شیخ ابوسعید خواب میں ملے۔ میں نے

اس خادم کو دروازے پر بٹھا دیا کہ وہ تمہارا منتظر رہے۔ حضرت شیخ نے قرض کا سارا معاملہ مجھے بتا دیا ہے۔ میں نے منظور کر لیا ہے۔ اب اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ وہ تو دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ میں نے یہ باتیں سنیں تو سکتے میں آ گیا۔ رونے لگا۔ بادشاہ بھی میرے ساتھ رونے لگا۔

بادشاہ نے اپنے خادم کو بتایا۔ انہیں لے جاؤ۔ اور لباس سفر بدلو۔ بادشاہ کے گھر میں ہی ایک آراستہ پیراستہ کمرہ دیا۔ نوکر چاکر آئے۔ سامان سفر ایک طرف رکھا گیا۔ مجھے حمام میں لے گئے غسل کیا۔ نیا لباس ملا۔ صوفیانہ پوشاک پہنائی گئی۔ میں تین دن تک شاہی مہمان کی حیثیت سے رہا چوتھے دن علی الصباح ایک خادم نے آ کر کہا کہ بادشاہ طلب فرما رہے ہیں۔ میں اٹھا۔ بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا۔ مجھے تین ہزار دینار دے کر فرمایا۔ یہ حضرت شیخ ابو سعید کے قرضہ کی رقم ہے۔ ایک ہزار دینار مزید دے کر کہا۔ یہ حضرت کے عرس کے اخراجات ہیں۔ ہماری طرف سے حضرت کے مزار پر عرس کرنا۔ ایک ہزار مزید دیا کہ اس سے اپنے سفر کے اخراجات پورا کرنا۔ اور بقایا رقم اپنے اہل وعیال کو دینا۔ کیونکہ ابھی تم لوگوں نے مزید سفر پر جانا ہے۔

اسی وقت ایک خادم کو بلایا۔ اسے حکم دیا۔ کہ مجھے خراسان کو جانے والے قافلے میں لے جائے۔ ایک سواری خرید کر اس پہ اسباب لاد دے۔ زاد راہ مہیا کرے۔ اور سالار قافلہ کو تاکید کرے کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ دوران سفر اس کا پوری طرح خیال رکھا جائے کوئی تکلیف نہ ہونے دے اور خراسان تک خدمت گذاری کرے۔

میں نے بادشاہ کو سلام کیا۔ اور رخصت لی۔ بادشاہ نے مجھے بڑے اعزاز کے ساتھ الوداع کہا۔ خادم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق قافلہ میں شرکت کرائی اور میں نہایت آرام سے خراسان پہنچ گیا۔ راستے میں اگرچہ مجھے ہر قسم کا آرام میسر تھا۔ مگر میرا دل مہینہ کے حالات اور حضرت شیخ کے وصال کی طرف لگا رہا۔ میں مہینہ پہنچا۔ تو حضرت کے تمام بیٹوں۔ درویشوں اور دوسرے مہمانوں نے میرا استقبال کیا۔ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق حسن مؤدب کو قرضہ کے بوجھ سے فارغ کیا یہ وصال کے بعد چوتھا دن تھا۔ میرے پہنچنے پر تمام حاضرین کے ہاں آہ و فغان برپا ہو گئی۔ سارا گھر دوبارہ

ماتم کدہ بن گیا۔ تمام احباب کو لے کر میں حضرت شیخ کے مزار پر پہنچا۔ اور تمام حاضرین کو وہ واقعات سنائے جو حضرت کے حکم کی تعمیل میں پیش آئے تھے۔ حضرت ابو طاہر کی خدمت میں ایک ہزار دینار رکھے تاکہ وہ حضرت کے عرس کے اخراجات میں لائیں۔ تین ہزار دینار ادائیگی قرض کا پیش کیا۔ تاکہ حسن مؤدب فارغ ہوں۔ میرا ذاتی سرمایہ جو ایک ہزار دینار تھا بھی حضرت ابو طاہر کی خدمت پیش کیا تاکہ آپ یہ روپیہ بھی میری طرف سے حضرت کے عرس پر خرچ فرمائیں۔ حضرت خواجہ ابو طاہر نے میرا نذرانہ قبول فرماتے ہوئے عرس پر تمام خرچ کر دیئے۔ تین دن تک تمام تقریبات ختم ہوئیں تو میں نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے حکم کے مطابق بغداد روانہ ہونے کا اعلان کیا حضرت کے مزار۔ آپ کی اولاد اور مریدوں کو الوداعی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خالی ہاتھ روانہ ہوا۔

میں بغداد پہنچا۔ ان دنوں ساری آبادی دریائے دجلہ کے اس طرف تھی۔ میں ایک مسجد میں ٹھہر گیا۔ کوئی واقف نہ تھا۔ چند روز گذرے ایک شخص سے شناسائی ہوگئی تھی۔ اس سے مشورہ کیا۔ کہ میں بغداد میں ایک ایسی آرام گاہ بنانا چاہتا ہوں۔ جہاں صوفیہ آرام کرسکیں۔ اس نے کہا۔ بغداد کی ساری مسجدیں خالی ہیں جس مسجد میں چاہو ڈیرہ جمالو۔ اور صوفیہ کی خدمت کرتے رہو۔ مگر خانقاہ بنانے کے لئے سارے شہر میں کوئی جگہ حاصل کرنا آسان نہیں۔ البتہ دریائے دجلہ کی دوسری طرف جگہ آسانی سے مل جائے گی۔ اور حکومت بھی خانقاہ بنانے میں تمہاری مدد کریگی بغداد شہر میں نہ تو تمہیں جگہ ملے گی نہ پانی۔ لوگ دنیاوی لالچ میں کسی کو نظر میں نہیں لاتے۔

چنانچہ میں نے امیر المومنین بغداد کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی کہ مجھے دجلہ کے دوسری جانب صوفیہ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر مہینی کا مرید ہوں۔ میں درویشوں کی خدمت کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہوں۔ خلیفۃ المسلمین نے میری درخواست پر لکھا۔ کہ مجھے جس قدر جگہ چاہیئے۔ دے دی جائے۔ میں دریا کے اس پار آیا۔ ایک وسیع قطعہ زمین پر نشان لگائے۔ اور فیصلہ کیا کہ تقریباً دو ہزار گز جگہ پر خانقاہ کی عمارت بناؤں گا جہاں صوفیہ قیام کیا کریں گے۔ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد میں نے ایک تھیلا اٹھایا۔ اور دن رات بغداد

کے کھنڈرات میں گھومتا۔ اینٹیں اور ان کے ٹکڑے اکٹھے کرتا۔ اور خانقاہ کی تعمیر کے لیے لاتا رہتا اور اس جگہ پر ایک ڈھیر لگا دیا۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ خراسان سے ایک قافلہ آ رہا ہے۔ میں اس قافلے کے استقبال کے لئے ہزوان تک پہنچا۔ قافلہ والوں نے مجھے دیکھتے ہی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی مراعات کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے۔ جنہوں نے مجھے حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا تھا اور جانتے تھے۔ کہ حضرت مجھے کتنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بھی حضرت کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ اور مجھے بھی عزیز جانتے تھے۔

میں نے درخواست کی۔ کہ میں بغداد کے نزدیک صوفیہ کے لئے ایک سرائے بنانا چاہتا ہوں اگر آپ کا قافلہ چند دنوں کے لئے اسی جگہ پر قیام کرے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ کیونکہ آپ اولین لوگ ہوں گے جو میرے اس مقصد کے لئے قیام کریں گے۔ اس قافلہ میں صوفیاء کی ایک خاصی تعداد تھی۔ کچھ تجارت پیشہ حضرات تھے۔ تمام وہاں قیام کرنے پر رضامند ہو گئے۔ اور میری مقررہ جگہ پر خیمے نصب ہو گئے۔ میں اٹھا۔ زنبیل لی۔ اور بغداد سے کھانا اور پھل مانگ کر لانے لگا۔ اور ہر روز صوفیہ کے لئے ایک دستر خوان سجا لیتا۔ پانچوں وقت اذان دیتا۔ نماز باجماعت ہونے لگی جس کی امامت میں خود کراتا۔ علی الصباح قرآن پاک کا درس دیتا۔ اس قافلے کے قیام کے دوران رات کو بڑی روشنیاں ہوتیں۔ دن کو بڑی رونقیں رہتیں۔ جب یہ قافلہ چلا گیا تو اہل قافلہ نے مجھے بڑے احترام سے الوداع کہا۔ میرے متعلق ایک ہمدردانہ تاثر لے کر گئے۔ میری خدمات کو بڑا پسند کیا گیا۔ ہر ایک شخص نے مجھے کچھ نہ کچھ دیا۔ میرے پاس خاصا روپیہ جمع ہو گیا۔ قافلہ چلا گیا تو میں نے ان اینٹوں سے خانقاہ کی عمارت چننا شروع کر دی۔ دن رات کام کرتا۔ ایک وسیع خانقاہ کی چاردیواری کھڑی ہو گئی ایک اونچا سا وسیع سٹیج بنا لیا۔ جماعت خانہ تعمیر ہوا۔ باورچی خانہ تیار ہو گیا اور لوگوں کے لئے وضو کرنے کی نہایت اچھی جگہ تیار ہو گئی۔ میں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک بڑی مسجد کی عمارت بلند ہونے لگی۔ ان ساری عمارات کی دیواریں دروازے نظر آنے لگے۔ اور ایک بہت بڑی بستی دکھائی دینے لگی۔ لوگ دیکھتے تو حیران ہوتے۔ کہ یہ کون سا شہر آباد ہو رہا ہے۔

اب حاجیوں کی آمد کا زمانہ آپہنچا۔ میں آگے بڑھا۔ اور حاجیوں کے ایک قافلے کو دریائے فرات تک استقبال کرنے چلا گیا۔ میں نے درخواست کی کہ آپ لوگ ایک نیکی کے سفر پر روانہ ہیں۔ براہِ کرم چند روز کے لئے میری خانقاہ پر قیام کریں مجھے ثواب ہو گا۔ آپ کی خدمت کروں گا۔ اور آپ میری خدمات سے خوش ہوں گے۔ لوگ رضامند ہو گئے اور حاجیوں کا یہ کارواں میری خانقاہ پر فروکش ہو گیا۔ ان لوگوں نے اتنی عمارات کی بنیادیں کھڑی دیکھیں تو تعجب کرنے لگے اور بے پناہ خوش ہوئے کہ تھوڑے سے عرصہ میں اتنی عمارتیں تیار ہونے لگی ہیں میرے متعلق ان کی رائے بڑی اچھی ہو گئی۔ میں بھی حسب سابق گداگری کرتا۔ اور جو کچھ ملتا درویشوں کے سامنے دسترخوان پر لا رکھتا۔ پانچوں وقت اذان دیتا۔ اور خود جماعت کراتا۔ چند دنوں بعد حاجیوں کا یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو سب نے حسب استطاعت میری خدمت کی میرے پاس ایک بار پھر خاصی رقم جمع ہو گئی۔ قافلہ چلا گیا۔ میں خانقاہ کی تعمیر میں مشغول ہو گیا۔ اس دفعہ خانقاہ کی خوبصورت عمارت تیار ہو گئی سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ حمام تیار ہوئے۔ جماعت خانہ مکمل ہو گیا۔ فرش لگائے گئے۔ باورچی خانے کے برتن جمع کئے۔ حتیٰ کہ اکثر ضروریات قیام و طعام تیار ہو گئیں۔ خانقاہ کے دروازے کے سامنے دکانیں اور بازار بن گئے اور ایک کارواں سرائے ترتیب دے دی گئی۔ میں چونکہ ہمہ تن خدمت خلق بن گیا تھا۔ عالم اسلام کے اطراف سے صوفیا و مشائخ آتے تو میرے پاس قیام فرماتے میری خدمت گذاری کی شہرت ہر طرف پہنچی۔ کہ بوسعد نے بغداد کے پاس ایک ایسی بستی تعمیر کی ہے جہاں صوفیہ اور درویش قیام کرتے ہیں اور پھر اس قدر خدمت کرتا ہے۔ کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

آہستہ آہستہ بغداد کے لوگ میرے مرید ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ میری شہرت خلیفہ وقت کے محلات تک جا پہنچی۔ میں ایک رات سویا ہوا تھا کہ کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں اٹھا دروازہ کھولا دیکھا۔ کہ امیر المومنین چند خاص آدمیوں کو لئے مجھے ملنے کو تشریف لائے ہیں۔ اور میری خانقاہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان حضرات میں وزیر عمارات۔ وزیر داخلہ۔ وزیر خزانہ اور دوسرے اعیان مملکت موجود تھے میں نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ خلیفہ خانقاہ میں تشریف لائے اور مختلف زیر تعمیر

عمارات دیکھنے گئے۔ درویشوں کے جماعت خانہ میں تشریف لائے۔ نہایت نیک اور عبادت گذار لوگوں کو دیکھا۔ پچاس حضرات صوفیہ اور مشائخ اس وقت مصلّوں پہ بیٹھے عبادت خداوندی میں مشغول پائے۔ امیرالمومنین نے ان حضرات قدسیہ کی زیارت کی اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ میں بھی چند لمحے امیرالمومنین کے پاس بیٹھا۔ اور اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی کرامات اور دوسرے حالات کا ذکر کرنے لگا۔ خلیفہ اس وقت بڑے اچھے مزاج میں تھا۔ اس پہ رقت طاری ہوگئی رونے لگا۔ اور ان حضرات سے بڑا متاثر ہوا۔ چند لمحوں کے بعد اپنے وزیر دربار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بوسعد جب بھی آئیں۔ بلا تردّد فوراً انہیں اندر بھیج دیا کرو۔ اور ان کے لئے پہلے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ پھر مجھے فرمایا۔ بوسعد آپ خدمت خلق میں مصروف رہیں آج سے ہماری طرف سے خدمت خلق کے اختیارات دیئے جا رہے ہیں۔ آپ اپنی ثواب دید کے مطابق لوگوں کے مسائل حل کرتے رہیں۔ میں ہر وقت تعاون کروں گا۔ جس کام کے لئے آپ کہیں گے۔ اسے قبول کیا جائے گا۔

امیرالمومنین واپس گئے تو میں چند روز بعد دربار میں گیا۔ حاجب وزیر دربار نے فوراً اجازت ملاقات دی۔ اندر لے گیا۔ اور میں خلیفہ کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے دعا کی اور اس رات تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ امیرالمومنین نے میری بے پناہ عزت کی۔ اور جو احکامات میری خانقاہ پر نافذ کئے تھے۔ دوبارہ جاری کئے۔ خدمت عامہ کا عہدہ مجھے دیا۔ میں واپس آیا۔ تو لوگ میری خانقاہ پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے اپنے مسائل حل کرانے لگے۔ میرے لکھے جانے پر لوگوں کو سہولتیں ملنے لگیں میں جو کچھ لکھ کر بھیجتا۔ اس کی تعمیل ہونے لگی۔ بہت سے لوگ تو میرے قرب و جوار میں ہی آنے جانے لگے میری خانقاہ کے قریب ہی زمین لے کر گھر بنانے لگے۔ حتیٰ کہ میری خانقاہ کے آس پاس ایک شہر آباد ہوگیا۔ میں بھی لپتے اور خدمت سے لوگوں کی خدمت میں دن رات مصروف ہوگیا۔ خلیفہ کے ہاں میری عزت اور بڑھ گئی۔ اور مخلوق خدا کے لئے دربار تک رسائی میں آسانیاں پیدا ہوگئیں لوگوں کو فائدہ پہنچنے کا اثر یہ ہوا۔ کہ دُور دُور سے لوگ آکر میری خانقاہ کے قرب و جوار مکانات بنانے لگے۔

یہ علاقہ ایک قصبہ میں تبدیل ہونے لگا۔ دوسری طرف خلیفہ کی نگاہ میں میرا مقام بڑھنے لگا۔ اس کا اعتقاد اور بڑھا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ خلیفہ نے اعلان کیا۔ کہ اب دارالخلافہ ابوسعد داد۔ قرب وجوار میں بنایا جائے۔ سارا شہر اس طرف امنڈ آیا۔ حتیٰ کہ پرانا شہر جو دوسرے کنارے وا تھا۔ بے رونق ہو گیا۔ اور لوگ وہاں سے اُٹھ کر نئے شہر میں آباد ہو گئے۔ اب میں بغداد کا الشیوخ تھا میرا مقام خلیفہ وقت سے کمتر نہ تھا۔ یہ سب صدقہ تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس نگاہ کا جس نے مجھے ننگے پاؤں دھوپ میں آتے دیکھ کر فرمایا تھا۔ کہ ہم نے بغداد تمہارے حوالے کر دیا ہے"۔ ان دنوں (مولف کے کتاب لکھنے کے زمانہ میں) بوسعد دادا کے بیٹے بغداد کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تمام امور سلطنت عملی طور پر انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ خلیفہ کی تو صرف مہر اور سکہ ہی چلتا ہے۔ ان دنوں بغداد کی سیاست کا یہ عالم ہے۔ کہ جو خلیفہ تخت نشین ہوتا ہے شیخ الشیوخ اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پہ بٹھاتے ہیں۔ سب سے پہلے خلیفہ بعیت ہوتا ہے۔ پھر عمائدین سلطنت پھر امراء وقت اور پھر عوام الناس اس طرح تمام معاملات اور امور سلطنت سعد دادا کے بیٹوں کے ہاتھ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کا گھوڑا:- میں نے ابویمانی کے اشراف میں سے ایک سے سنا کہ اس کے والد نے پیر ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ حضرت شیخ کے پاس کمیت رنگ کا ایک گھوڑا تھا۔ جو اس قدر سرکش تھا۔ کہ کسی کو سواری کی اجازت نہ دیتا۔ لیکن جب حضرت شیخ آتے تو اپنی پشت جھکا دیتا۔ حضرت رکاب پر پاؤں رکھتے۔ اور وہ ہوا ہو جاتا۔ حضرت کی وفات ہوئی تو وہ گھوڑا بڑا افسردہ خاطر دکھائی دیا۔ اُس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ چارہ کھانا ترک کر دیا۔ پانی پینا چھوڑ دیا۔ سات دن اسی طرح گذر گئے۔ لوگوں نے کہا حضرت کا گھوڑا اس قدر لاغر ہو گیا ہے۔ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ کیا کیا جائے۔ حضرت خواجہ ابوطاہر کو کہنے لگے۔ کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے ذبح کر دیا جائے۔ درویشوں کو بطور تبرک بانٹ دیا جائے۔ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے"۔

میں نے پیر زین الطائفہ عمر شوکانی سے سنا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن خواجہ ابوالفتح (جو حضرت شیخ کا بیٹا تھا) اپنے باپ کی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ خواجہ امام ابوالفتح حضرت شیخؒ کے واقعات زندگی بیان فرماتے ہوئے کہا کہ آپ نے وفات سے چند لمحے قبل تین بار ہماری طرف دیکھا۔ فرمایا کہ جمعرات کو ہم دنیا سے رخصت ہوں گے۔ بروز جمعہ یہاں بڑی اندوہناک بھیڑ ہوگی۔ تم ہمارے جنازے کے قریب نہ جاسکو گے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ایک چادر لاؤ۔ لوگوں نے چادر کے چاروں کنارے پکڑے اور ہوا میں پھیلا دی۔ آپ نے ہمیں فرمایا۔ اس چادر کے نیچے ہو کر دیکھو۔ گویا یہ ہمارا جنازہ جا رہا ہے۔ حضرت کے بیٹوں نے ویسے ہی کیا جس طرح حضرت نے حکم دیا۔ چنانچہ تیسرے دن ایسا ہی ہوا جیسا حضرت نے فرمایا تھا۔

جب حضرت کا جنازہ اٹھا۔ تو ہم لوگ جنازے کے قریب نہ جاسکے اور ایک کونے میں کھڑے روتے رہے۔ یہ بات سناتے بھی زار و زار رو رہے تھے۔

تربیت مریدین شیخ ابوالقاسم ردباہی قدس سرہٗ ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ یہ قدیم صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں جس طرح بونصر حرضی۔ احمد عدنی باف وغیرہ پرانے صوفیہ میں سے مانے جاتے ہیں آپ نے حضرت شیخ کی وفات کی خبر سنی۔ تو نیشاپور پہنچے۔ ان دنوں حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ آپ نے فرمایا۔ آج وہ شخص اُٹھ گیا ہے جس کی مثال نہ صوفیا متقدمین میں سے ملتی ہے اور نہ متاخرین میں کوئی ایسا ہوگا۔ آپ اٹھے اور کوئے عدنی گویاں کے محلے میں آئے اور حضرت کے غم میں خلوت گزین ہو گئے اسی ماتم کے دوران فرمانے لگے۔ جب ہم نے حضرت شیخ ابوسعید کو دیکھا تھا تو ابھی ہمیں تصوف کا علم بھی نہ تھا اور کسی صوفی کو دیکھا تک نہ تھا۔ اگر ہم آپ کی زیارت نہ کرتے تو لفظ صوفی صرف کتابوں میں ہی پڑھتے۔ زندہ صوفی نہ دیکھ سکتے۔ تعزیت سے فارغ ہوتے ہی حضرت استاد امام ابوالقاسم قشیریؒ نے آپ کا عرس کیا۔ ساتویں دن علی محتسب کو جو آپ کی خانقاہ کا وکیل تھا۔ ہمارے پاس بھیجا۔ اور کہا تم دس ایسے شخص ہو۔ جو حضرت شیخ کی زندگی میں مہینہ میں قیام پذیر تھے۔ تم ہمارے ہی آدمی ہو۔ اب شیخ چلے گئے ہیں۔ تم واپس آجاؤ

لوگوں نے علی محتسب کو کہا۔ چند روز ہمیں فیصلہ کرنے کی مہلت دی جائے۔ چند دنوں کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ استاد قاسم نے فرمایا اب تو تم نے سوچ کر فیصلہ کر لیا ہوگا۔ تمام کے تمام خاموش رہے۔ مجھ سے نہ رہا جا سکا۔ میں نے کہا تم لوگ کیوں جواب نہیں دیتے۔ کہنے لگے ہم کیا کہیں۔ میں نے کہا۔ میں تو تمہاری زبان سے جواب دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا حضرت استاد کی خدمت میں گذارش کردیں کہ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا۔ کہ جب دعوت ہوتی تو حضرت مجھے ایک پیالہ ایک قلیہ اور ایک میٹھی طشتری اپنے آگے سے اٹھا کر مجھے عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اپنے باورچی خانے سے اتنا کھانا میرے گھر بھجواتے۔ ایک دن دعوت تھی۔ میں نے خود ہی باورچی خانے پہنچ کر تمام ضرورت کا کھانا اٹھا لیا۔ اور ساری چیزیں باندھ کر سر پہ رکھ لیں۔ روٹیاں ایک آستین میں رکھیں۔ اور پیالہ دوسرے ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ اب حضرت نے اپنی طرف سے بھی یہ ساری چیزیں ازسرنو عنایت فرمادیں۔ میں نے دوسری آستین میں رکھ لیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں پیالہ اٹھا لیا۔ یہ گرمیوں کا زمانہ تھا حضرت اپنے احباب اور درویشوں کے ساتھ آرام فرمانے چلے گئے ہیں۔ اسی طرح خانقاہ سے روانہ ہوا۔ راستے میں یہ سر بازار میرا آزار بند ڈھیلا ہوا۔ اور قریب تھا کہ میں عریاں ہوجاتا حضرت نے اپنے حجرے سے آواز دے کر درویشوں کو کہا۔ ابوالقاسم کی امداد کرو۔ ایک درویش دوڑ کر آیا۔ اور کہنے لگا تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے اسے اشارہ کیا تو اس نے میرا آزار بند باندھ کر مجھے شرمندگی سے بچا لیا۔ حضرت ہم تو ایسے پیر و مرشد کے زیر تربیت رہ چکے ہیں۔ اگر آپ بھی ہمیں یوں حفاظت میں رکھ سکتے ہیں تو ہم حاضر ہیں۔ علی محتسب واپس چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت حضرت استاد امام قشیری ہمارے پاس خود تشریف لائے۔ اور ہم سے معذرت کی۔ اور ہمیں کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کسی سے بات نہ کرنا۔ ہم نے وعدہ کر لیا۔

امام قشیری مزار شیخ پر:- حضرت استاد امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے۔ اور حضرت ابوسعید کے مزار کی زیارت کو روانہ ہوئے اس سفر میں آپ کے ساتھ چالیس صوفیہ بھی تھے۔ جب یہ جماعت رباط سرکلا میں پہنچی تو استاد قشیری اور دوسرے

لوگوں کی نگاہیں میہنہ پر پڑیں۔سواریوں سے نیچے اتر آئے۔اور قاری حضرات کو کہا۔کہ حضرت شیخ ابوسعید کا یہ شعر پڑیں۔

ے - جانا بزمیں خاوراں خارے نیست
کش با من و روزگار من کارے نیست
با لطف و نوازش جمال تو مرا
درد اذن صد ہزار جاں عاری نیست

قاری حضرات یہ اشعار خوش الحانی سے پڑھتے جلتے تھے۔حضرت استاد پر حالت خاص طاری ہوگئی۔اپنا خرقہ اتار دیا۔دوسرے صوفیہ نے بھی اپنے خرقے اتار دیئے۔حضرت شیخ کے بیٹوں کو ان بزرگانِ دین کے آنے کی خبر ہوئی۔کہ حضرت امام قیشری صوفیہ کی جماعت کے ساتھ نیشاپور سے آرہے ہیں۔تمام کے تمام اپنے مریدوں اور درویشوں کو لے کر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔راستے میں ملے قاری اشعار پڑھ رہے تھے میہنہ والے بھی اپنے خرقوں سے عاری ہوگئے۔حتیٰ کہ یہ سارا مجمع حضرت شیخ کے مزار پُرانوار کے سامنے آپہنچا۔قاری پڑھتے جا رہے تھے۔درویش زمین پر تڑپ رہے تھے۔ہر ایک پر عجیب حالت طاری تھی۔خرقے پارہ پارہ کر دیئے گئے۔

حضرت امام قیشری ایک دن کے لئے میہنہ میں ٹھہرے۔حضرت شیخ کے بیٹوں نے آپ سے درخواست کی کہ ایک دن مزار پاک کے سامنے مجلس ذکر برپا کی جائے۔آپ نے قبول نہ کی۔لیکن لوگوں کے اصرار پر جامع مسجد میں مجلس ذکر منعقد کی۔اور دوران وعظ فرمایا۔

كُنَّا نَعْتَرِضُ علی الشیخ اَبِی سَعِیْدُ فی اَشْیَاء وکُنَّا نظلمہ لان من قابل صاحب الحال بالعلم یظلم۔

ترجمہ:۔بعض مسائل میں ہم حضرت شیخ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔اور ہم زیادتی کیا کرتے تھے۔کیونکہ جو لوگ صاحب حال بزرگوں کا علم سے مقابلہ کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں۔"

چند دن میہنہ سے واپس نیشاپور چلے گئے۔

مزار شیخ کا تعین:- حضرت شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میہنہ کی ایک نیک سیرت عورت نے خواب میں دیکھا۔ کہ جہاں ان دنوں حضرت کا مزار ہے حضرت آدم علیہ السلام دوسرے انبیاء کرام کو لئے کھڑے ہیں۔ اس عورت نے حضرت ابراہیم حضرت یعقوب حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایک ایک کو پہنچان لیا۔ اس وقت یہ مقام ہر ایک حویلی تھی جسے حضرت شیخ نے خریدا۔ لوگ تو وہاں گھوڑے باندھا کرتے تھے۔ مگر شیخ نے اس پر ایک صاف ستھری عمارت کھڑی کر لی۔ وہاں بیٹھا کرتے۔ مراقبہ فرماتے۔ دوسرے صوفیہ بھی وہاں ذکر کرتے۔ حضرت نے اس عمارت کو مشہد کا نام دیا۔ تو خواجہ امام ابوالبدر مشرقی نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ شعر پیش کیا۔

نبی شیخ الزمان لنا بنا — تقاعز فیہ ما قد کان قبلہ

فکعبہ قبلۃ للناس طرا — وھذا البیت للعشاق قبلہ

حضرت نے وفات سے پہلے ہی فرمایا تھا۔ کہ مجھے فلاں جگہ دفن کرنا۔ اس عورت نے مزار دیکھ کر کہا۔ یہ ہے اُس خواب کی تعبیر! میں نے وفات کے وقت دیکھا۔ کہ جس جگہ حضرت کا مزار بنا تھا۔ وہاں ہی حضرات انبیاء علیہم السلام کو کھڑے دیکھا تھا۔

نازنینانِ حق:- میں نے حضرت ابوالیمان سے سنا۔ انہوں نے حسن جانا روی سے سنا۔ انہوں نے خواجہ ابوالفتح کی زبانی سنا تھا۔ کہ میرے والد بوطاہر شیخ قدس سرہٗ اپنے سکول جا رہے تھے۔ ایک دن استاد نے کسی بات پر انہیں مارا پیٹا۔ زخم کے نشانات بدن پر نمایاں تھے۔ خواجہ ابوطاہر روتے روتے سکول سے گھر آگئے۔ اور زخم کے نشان حضرت شیخ کو دکھائے۔ حضرت شیخ نے استاد کو پیغام بھیجا کہ ہم اس بچے کو مقرب اور امام نہیں بنانا چاہتے۔ خیال رہے۔ یہ بچے۔ اللہ کے نازنین ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنے لطف وکرم سے پالا ہے۔ اپنے لطف وکرم میں رکھا ہے کان کھول کر سن لو۔ آئیندہ کے لئے انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

ابوطاہر سکول سے بہت گھبراتے تھے۔ بلکہ اس دن کے بعد آپ کو سکول سے نفرت ہو گئی اور سکول کی تعلیم سے کنارہ کش رہنے لگے۔ ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو شخص ہمیں یہ خبر پہنچائے گا کہ

درویش آرہے ہیں۔ ہم اسے منہ مانگی مراد دیں گے چند دن کے لئے حضرت کے پاس کوئی مسافر نہ آیا۔ آپ کی دلی خواہش تھی۔ کاش کوئی درویش آتے اور میں اس کی خدمت بجالاؤں۔ خواجہ ابوطاہر نے یہ بات سنی۔ تو مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور ہر طرف نظر دوڑا کر دیکھنے لگے۔ شاید کوئی مسافر آتا دکھائی دے اور آپ خوشخبری لے کر حضرت کے پاس جائیں۔ اتفاقاً طوس کے راستہ پر چند درویش صورت بزرگ آتے دکھائی دیئے۔ ابوطاہر چھت سے اترے اور جلدی جلدی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے بابا! چند مسافر درویش آنے والے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اب بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ عرض کی۔ آج سکول نہیں جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے! عرض کی۔ کل بھی نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا! پھر کہا یہ پورا ہفتہ نہیں جاؤں گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ نہ جانا۔ پھر کہنے لگے۔ میں بالکل ہی سکول نہیں جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ نہ جانا۔ مگر گھر میں بیٹھ کر اِنَّا فتحنا تو یاد کرلینا۔ اور یہ ساری سورت یاد رکھنا اور سکول نہ جانا۔ حضرت خواجہ ابوطاہر خوش ہو گئے۔ مگر حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھا کر توت کے ایک درخت سے شاخ کاٹی۔ اور ابوطاہر کی میان میں باندھ دی۔ اور ایک جھاڑو ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور فرمایا۔ لو۔ مسجد کی صفائی کرو۔ ابوطاہر نے جھاڑو دینا شروع کر دیا۔ ادھر درویش آپہنچے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں آبیٹھے۔ حضرت نے پوچھا۔ آپ لوگوں کو میرا بیٹا ابوطاہر کیسا دکھائی دیتا ہے انہوں نے کہا بہت اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اب ہم نے اسے اور اپنے دوسرے بیٹوں کو درویشوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے البتہ سورہ اِنَّا فتحنا زبانی یاد کرالی ہے۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد ابوطاہر قدس سرہٗ نے۔ یہ واقعہ بیان کیا تھا اور ساری زندگی مہر بہ لب رہے۔

نظام الملک طوسی:۔ نظام الملک طوسی ملک شاہ سلجوقی کا وزیر مملکت تھا۔ ان دنوں اصفہان سلجوقیوں کا دارالخلافہ تھا۔ نظام الملک طوسی حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ کا مُرید تھا۔ اور شیخ کی وجہ سے دوسرے صوفیاء کا بھی مرّبی تھا۔ خواجہ ابوطاہر صوفیاء کی وجہ سے قرض میں زیر بار تھے۔ چنانچہ خواجہ ابوطاہر چند صوفیہ کو لے کر اصفہان گئے۔ نظام الملک نے

ان حضرات کی بڑی عزت و تکریم کی۔ انہی دنوں سلطان غزنین کی طرف سے ایک سفیر آیا ہوا تھا۔ جو علوی سید تھا۔ بڑا فاضل صاحب الدای متعصب شیعہ۔ اور بزرگان دین او رصوفیاء کا منکر تھا۔ وہ اپنے قیام کے دوران نظام الملک کو ملامت کرتا رہا۔ کہ تم ایسے لوگوں پر اپنی دولت نچھاور کرتے رہتے ہو۔ جو سنت کے مطابق وضو کرنا بھی نہیں جانتے۔ دو رکعت نماز صحیح ادا نہیں کر سکتے۔ فرض اور سنت میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ علوم شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ جاہل اور شیطان کے بہکائے ہوئے لوگ تمہارے مال پر پلتے ہیں۔ نظام الملک نے کہا تم نہیں جانتے۔ یہ بڑے باہوش و خرد لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہوتا جو علم دین کو ضرورت کے مطابق نہ جانتا ہو ان کے مقتدی علماء شریعت اور اولیاء طریقت ہوتے ہیں۔ علم کا مقصد عمل ہوتا ہے۔ یہ لوگ شریعت پر عمل پیرا ہوتے نہیں۔ یہ باتیں ان دونوں میں دیر تک ہوتی رہیں۔

غزنین کے سفیر کو یہ معلوم تھا۔ کہ ابوطاہر کو تو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا۔ مگر نظام الملک کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ سفیر نے اسے کہا۔ یہ کیا یہ بات درست ہے کہ ابوسعید ابوالخیر اس زمانے کے تمام صوفیہ سے بہتر ہیں۔ نظام الملک نے کہا۔ بالکل درست ہے سفیر نے کہا۔ خواجہ ابوطاہر تو قرآن تک نہیں پڑھ سکتا۔ نظام الملک نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیخ کے بعد ابوطاہر تو قطب وقت ہیں نظام الملک نے فرمایا۔ ہم انہیں بلاتے ہیں تم قرآن کی کوئی سی صورت سوچ رکھو۔ جو انہیں سنانے کا کہنا۔ نظام الملک نے خواجہ ابوطاہر کو بلایا۔ آپ تمام صوفیاء اور بیٹوں کو لئے اندر آ گئے۔ جب سب کے سب بیٹھ گئے۔ تو نظام الملک نے سفیر کو کہا۔ کون سی سورت سننا چاہتے ہو۔ اس نے کہا انہیں کہیں انا فتحنا پڑھیں۔ نظام الملک نے اشارہ کیا تو خواجہ ابوطاہر نے ساری سورت سنا دی۔ تمام حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ نظام الملک بہت خوش ہوا۔ ادھر سفیر غزنین بڑا شرمسار ہوا کہ اس نے اتنے بڑے مجمع میں اتنا بڑا جھوٹ بولا تھا۔ اٹھا۔ اور مجلس سے باہر چلا گیا۔ نظام الملک نے پوچھا۔ حضرت آپ اتنے خوش کیوں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جناب صدر بزرگوار۔ میں قرآن کا حافظ نہیں ہوں۔ اور اپنے بچپن کا تمام واقعہ اول سے آخر تک سنا دیا۔ نظام الملک

کا اعتقاد پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔

یہ واقعہ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کے کشف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ نے ستر سال پہلے معلوم کر لیا تھا۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ کہ ان کے بیٹوں سے امتحان لیا جائے گا۔ اسی لئے آپ نے بیٹے کو حکم دیا تھا۔ کہ کم از کم اِنّا فتحنا تو یاد کر لو۔ حضرت شیخ کی وفات کو چالیس سال ہو چکے تھے۔ حضرت ابو طاہر نے ۴۸۰ھ میں وفات پائی۔

خواجہ ابو طاہر کی شیخ سے محبت: حضرت جن دنوں مجاہدہ اور ریاضت کے مراحل طے کر رہے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ دُو دُو ماہ گھر سے غائب رہتے۔ اور کسی کو بھی نہ ملتے۔ خواجہ ابو طاہر ابھی بچے ہی تھے۔ اپنے والد حضرت شیخ سے بڑی محبت تھی۔ شیخ کی عدم موجودگی میں آپ کو بڑی بے چینی اور اداسی ہوتی ایک بار ایسا ہوا۔ کہ شیخ پورا ایک مہینہ گھر سے غائب رہے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ ابو طاہر بڑے اداس اور مضطرب دکھائی دیتے تھے۔ ایک دن علی الصباح اٹھے۔ اور جہاں جہاں حضرت شیخ عبادت کیا کرتے تھے۔ گھومتے رہے۔ صحرا و بیابان۔ مسجد۔ سرائے۔ قبرستان غرضیکہ جگہ جگہ والد مکرم کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر حضرت کا کہیں پتہ نہ چلا۔ سارا گرم دن پھرتے رہے۔ آخر کار نماز ظہر کے وقت ایک پرانی سرائے کے سامنے آکر رک گئے۔ یہ ایسی سرائے تھی جہاں حضرت شیخ عام طور پر عبادت کو آتے تھے۔ سرائے کا دروازہ بند تھا۔ ابو طاہر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اتفاقاً حضرت وہاں ہی تھے۔ دروازہ کھولا۔ ابو طاہر کو کھڑے پایا۔ پسینے میں شرابور۔ گرمی سے چہرہ سُرخ۔ ہوش و حواس اڑے ہوئے۔ حضرت شیخ کو دیکھتے ہی زمین پر گر گئے۔ حضرت شیخ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے۔ ابو طاہر! تمہیں کیا ہو گیا۔ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ ابو طاہر نے کہا۔ بابا۔ میں تو آپ کو لینے آیا ہوں۔ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ تم دنیا میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ قبر میں ہمارے ساتھ رہو گے بہشت میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ ہاتھ بڑھائیے۔ ابو طاہر کو گود میں اٹھا لیا۔ اور اندر لے گئے۔ آپ ساری زندگی حضرت شیخ کے ساتھ رہے۔ ابو طاہر مرتے دم تک شیخ سے جدا نہ ہوئے۔

خواجہ ابوطاہر فوت ہوئے۔ تو لوگوں کو ان تعلقات کا خیال نہ رہا جنازہ تیار ہوا۔ تو باہر قبرستان میں لے جانے کی تیاری ہوئی۔ آسمان پہ بادل اٹھے اور زبردست طوفانی بارش شروع ہوگئی۔ لوگوں کو انتظار تھا کہ ابھی بارش تھم جائے گی اور جنازہ اٹھا کرلے جائیں گے۔ مگر متواتر تین دن رات بارش ہوتی رہی۔ اور کسی کو جنازے اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخرکار ایک مرید صادق نے گذارش کی۔ خواجہ ابوطاہر کا عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ آپ کو حضرت شیخ کے مزار کے پہلو میں دفن کیا جائے حضرت شیخ بھی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم دونوں زندگی اور بعد از زندگی اکٹھے ہی رہیں گے۔ یہ طوفان باد و باراں حضرت شیخ کی کرامت سے ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جنازہ قبرستان میں لے جانے کی بجائے یہاں ہی دفن کیا جائے۔

شیخ کا گورکن:- ان دنوں ایک گورکن جس کا نام قتیبہ تھا حضرت شیخ کے مزار کے پاس ہی کوچۂ صوفیاں میں رہتا تھا حضرت کی وفات کے وقت اسی نے قبر کھودی تھی اسے بلایا گیا کہ وہ حضرت کے پہلو میں ایک اور قبر بنائے۔ اس نے قبر تیار کی قبر کو صاف کرتے ہوئے اس کی کدال ایک پتھر پر لگی جس سے حضرت کی قبر سے ایک سوراخ ہوگیا۔ قتیبہ نے زور سے چیخ ماری اور پتھر کو وہیں رکھ دیا۔ اور خود بے ہوش ہوکر قبر میں ہی گر پڑا۔ اسے نکالا گیا۔ اور اس کے گھر پہنچا دیا گیا۔ حضرت خواجہ ابوطاہر کو دفن کر دیا گیا۔ ابھی لوگوں نے مٹی سے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے۔ کہ بارش رک گئی۔ اور دھوپ نکل آئی۔ تمام لوگوں کو یقین ہوگیا۔ کہ یہ بارش حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کی کرامت تھی۔ قتیبہ بے ہوش پڑا رہا۔ چالیس دن تک آنکھ نہ کھولی۔ اور نہ زبان نہ ہلا سکا۔ کسی کو یہ پتہ نہ چل سکا۔ کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔ چالیس دن بعد وہ فوت ہوگیا۔ اور یہ راز سربستہ ہی اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اگرچہ لوگ اس واقعہ کو بھی حضرت شیخ کی کرامت بتا کر مختلف قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ مگر اس واقعہ کا عینی شاہد قتیبہ بات کئے بغیر دنیا سے چل بسا۔

شیخ ابوالفضل شامی:- شیخ ابوالفضل شامی بڑے ہی پیارے اور بزرگ انسان تھے مشاہیر صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جوانی میں بڑے سفر کئے۔ آخر عمر میں

بیت المقدس قیام کیا۔ اور بیت المقدس کے مجاور بن گئے۔ بیت المقدس میں ایک دن صوفیوں کی ایک خانقاہ میں سو رہے تھے۔ کہ خواب میں دیکھا حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ خانقاہ کے دروازے سے اندر تشریف لا رہے ہیں۔ ہاتھ میں مٹھائی کا ایک طباق اٹھائے ہوئے مجمع میں آ گئے۔ ایک ایک کو مٹھائی کا ایک حصہ دیتے جاتے۔ جب شیخ ابوالفضل شامی کے پاس آئے تو طباق کی ساری بچی ہوئی مٹھائی آپ کی جھولی میں ڈال دی۔ اور کچھ مٹھائی آپ کے منہ میں ڈالی جس سے منہ بھر گیا۔ حضرت شامی بیدار ہوئے تو آپ کا منہ ابھی تک مٹھائی سے بھرا ہوا تھا۔ خادم کو آواز دی۔ روشنی کا انتظام کر دیا۔ پاس سوئے ہوئے صوفیا کو اٹھایا۔ اور تمام کو خواب کا واقعہ سنایا۔ پھر اٹھے۔ غسل کیا۔ اور دوگانہ ادا کیا اُٹھ کر، اعلان کیا۔ شیخ بوسعید کی زیارت کرنے والے اٹھیں۔ صوفیہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تیار ہوگئی۔ اور پیادہ بیت المقدس سے روانہ ہو کر میہنہ میں آ گئے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے تجاوز تھی۔ مگر آپ راستے میں کہیں نہ رکے۔ میہنہ میں چند روز قیام کیا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے تمام بیٹوں کو بلایا۔ اور کہا۔ میں آپ لوگوں کو حضرت شیخ کے مزار پرانوار کی خدمت اور حفاظت کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس مقام کی عزت و حرمت کو برقرار رکھیں۔ سب کو الوداع کہا۔ اور بیت المقدس کو واپس آ گئے۔

مَن ثبت نبت: حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ "مَنْ ثَبتَ نَبتَ" جو شخص ثابت قدمی سے راہ راست پر چلے گا۔ نجات پائے گا" ایک اور بزرگ نے حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا۔ تو فرما رہے تھے: درویشوں کی روٹیاں کھاتے ہو اور ان کی خدمت نہیں کرتے!"

میرے دادا کی زبانی حضرت شیخ الاسلام ابوسعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ ایک دن درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ میں سفر کر رہا تھا۔ سخت بارش نے آلیا ہم ایک پناہ گاہ میں چلے گئے۔ بارش لگاتار کئی دن تک رہی۔ مویشی چارے کے بغیر بھوکے مرنے لگے اچانک میری زبان سے

نکلا:- یہ کیا ہو رہا ہے ؟ ہم کیا کریں ؟" اس رات خواب میں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی۔ فرمانے لگے۔ ابوسعد! ایسی باتیں کس کام کی ہیں۔ ایسی بات کرو جو ہم کرا سکیں" میں اٹھا۔ توبہ کی۔ اور کئی دن تک روتا رہا۔

شیخ مہد باروردی بڑے پیارے بزرگ تھے حضرت شیخ ابوسعید کے معتقد خاص تھے سلطان سنجر اپنے لشکر سمیت آپ کا مرید ہو گیا تھا۔ آپ بھی سلطان پر بڑی محبت کی نظر رکھتے تھے میرے والد نورالدین منور رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں (آپ شیخ کے مزار کے خادم تھے) اور حضرت کی ساری اولاد کے پیرو پیشوا تھے۔ شیخ مہد بارردری میہنہ میں حضرت کے مزار پرانوار کی زیارت کو حاضر ہوئے مزار کے درویشوں کی خدمت کی۔ اور مزار کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ زیارت کی صبح سے شام ہو گئی۔ تمام لوگ کھانا کھا کر نماز عشاء سے فارغ ہو گئے۔ البتہ مزار پر قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ صوفیہ کی ایک جماعت اور چند دوسرے عقیدت مند بھی زیارت کو جمع تھے۔ حضرت شیخ مہد نے کہا میرا دل چاہتا ہے۔ کہ آج حضرت شیخ کے مزار پر ہی رات گزاروں۔ اور ساری رات عبادت میں رہوں۔ حضرت شیخ ابوسعید کے بیٹوں نے کہا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ایسا کسی بزرگ نے نہیں کیا وفات کے بعد کبھی کسی نے بھی حضرت کے مزار پر شب بسر نہیں کی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ دن تمہارا ہوگا۔ اور رات میرے جن عقیدت مندوں کی ہو گی۔ مگر بایں ہمہ حضرت مہد نے کہا۔ یہ سب عام باتیں ہیں۔ میں رات حضرت کے مزار پر گزاروں گا۔ لوگ گھر آ گئے۔ شیخ مہد وہاں ہی رہے باہر سے قفل لگا دیئے گئے۔ رات کو صوفیا اور درویش چھتوں پر آرام کرنے چلے گئے۔ یہ گرمیوں کا موسم تھا۔ ابھی سوئے نہ تھے کہ شیخ مہد کی چیخیں سنائی دیں۔ صوفی چھت سے نیچے اترے۔ اور دیکھا کہ شیخ مہد صوفیوں کے کوچہ میں ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہیں۔ دونوں پاؤں پانی میں لٹکائے ہوئے ہیں۔ اٹھا کر مزار کے بیرونی دروازے پر لے آئے۔ قفل ابھی تک لگا ہوا تھا۔ اسے چھت پر لے جا کر پوچھا گیا۔ کہ کیا معاملہ ہوا۔ شیخ مہد نے بتایا۔ جب شمعیں بجھ گئیں۔ دروازوں پر قفل لگ گئے۔ تو میں نماز میں مشغول ہو گیا۔ چند رکعت نوافل پڑھے۔ پھر بیٹھ کر مراقبہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک تفکر کیا

مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میں تری ہے۔ آنکھیں کھولیں تو خود کو پانی میں پاؤں لٹکائے پایا۔ آپ لوگوں نے مجھے وہاں سے اٹھا لیا۔

اس رات حضرت شیخ مہد چھت پر سو رہے۔ سحری کے وقت ایک خادم نے دروازہ کھولا۔ تو حضرت شیخ مہد کی جوتیاں اٹھا کر باہر لایا۔ اور آپ کی خدمت میں لا رکھیں۔ شیخ مہد چند روز مدینہ میں رہے۔ اور پھر چلے گئے۔ نساء میں پہنچے تو وہاں کے صوفیا اور مشائخ نے پوچھا کہ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کے بیٹوں کا کیا حال تھا۔ فرمایا۔ منوّر کو منوّر پایا۔ (یہ بات میرے والد کے متعلق تھی)

میں نے یہ واقعہ تاج الاسلام ابوسعد بن محمد اسمعانی سے سنا تھا۔

حج اور زیارت شیخ:- جو آپ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کے مزار کے دروازے کے سامنے ایک مجلس میں بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنے باپ کے ساتھ حج کو گیا۔ مناسک حج سے فارغ ہوئے۔ میرے باپ نے کہا۔ چلو شیخ عبدالمالک طبری کی زیارت کر آئیں۔ وہ دَورِ حاضر کے بزرگانِ دین میں سے ہیں۔ اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

ان بزرگوں کے بارے میں خواجہ ابوالفتوح عضامیری نے حکایت بیان کی ہے کہ میں نے صوفیاء میں سے ایک آدمی سے سنا تھا کہ ایک دن میں مسجد حرام کے سامنے شیخ ابوالفتوح طبری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے مسجد سے ایک شخص آتا دکھائی دیا مگر اس کی شکل وصورت عام آدمیوں کی طرح نہیں تھی۔ شیخ عبدالمالک کو کہنے لگا اَلْفَذُ انموا اِلٰی مَسَاۤاَوَنّ شیخ عبدالمالک نے کہا۔ ہاں۔ وہ شخص چلا گیا۔ ایک درویش وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مجھے یہ بتائیں کہ یہ کون شخص تھا۔ اور اس نے کیا کہا۔ شیخ عبدالمالک نے کہا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ فرمایا۔ کل آنا۔ ہم مدینہ چلیں گے انہوں نے کہا میں آؤں گا۔ اس قسم کی کرامات آپ سے بہت منسوب ہیں۔

تاج الاسلام نے کہا۔ ہم شیخ عبدالمالک طبری کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ نماز ادا کر کے مسجد عائشہ میں چلے گئے ہیں۔ وہاں سے عمرہ کریں گے۔ میقات میں پتھر اور نوکدار سنگریزے پڑے

تھے۔ وہ انہیں ہموار کر دیئے تھے۔ تاکہ حاجیوں کو راستہ گزرنے میں تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہم وہاں پہنچے دُور سے دیکھا کہ آپ نے گودڑی پہنی ہوئی ہے۔ کمر باندھی ہوئی۔ اور ایک پتھر پر بیٹھے ایک پتھر سامنے رکھے ہوئے ہیں اور ایک ہتھوڑے سے توڑ رہے ہیں جب سارا پتھر توڑ دیا۔ ہماری طرف منہ کر کے دیکھنے لگے میرے والد نے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا میرے نزدیک آجاؤ۔ ہم آگے آئے میرے والد نے خود ہی کہا۔ ہم خراسان کے شہر مرو سے آئے ہیں۔ میں مظفر سمعانی کا بیٹا ہوں۔ فرمانے لگے میں جانتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ حج کرنے آئے ہو۔ میرے والد نے کہا۔ ہاں۔ فرمانے لگے میہنہ میں نہیں گئے۔ کہا۔ گیا ہوں۔ فرمایا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر سے ملے ہو؟ میرے والد نے کہا ملا ہوں۔ فرمانے لگے۔ پھر یہاں کیا لینے آئے ہو۔ اتنا لمبا سفر کر کے کیوں آئے ہو۔ یہ کہہ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ ہم نے سلام کیا۔ اور واپس آ گئے تاج الاسلام فرماتے ہیں کہ اس دن سے لے کر آج تک میں نے اپنا فرض بنا لیا ہے۔ کہ ہر سال جب لوگ حج کو روانہ ہوں میں حضرت خواجہ ابوسعید کی زیارت کو جایا کروں گا۔

میں نے یہی واقعہ ایک اور واسطے سے سنا ہے۔ ناصح الدین بومحمد سے جو میرے چچازاد بھائی تھے سنا تھا۔ کہ میں میہنہ کے گورنر کے ساتھ سرخس گیا۔ وہ فرمانے لگے۔ آؤ! خواجہ امام بخاری قدس سرہٗ کی زیارت کو آئیں۔ وہ امام وقت تھے۔ انہیں امیر اجل نے بخارا سے اپنے مدرسہ میں تدریس علوم اسلامیہ کے لئے سرخس میں بلایا تھا۔ ہم اندر آئے۔ تو انہوں نے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ شیخ بوسعید ابوالخیر کے بیٹے ہیں۔ وہ اٹھے مجھ سے دوبارہ بغل گیر ہوئے۔ مزید عزت افزائی کی۔ اور فرمایا۔ جوانی کے زمانہ میں مجھے مرو جانے کا اتفاق ہوا۔ اور حضرت خواجہ امام محمد سمعانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور علوم فقہ پڑھنے شروع کئے۔ آپ ایک بار کعبۃ اللہ کے سفر کو روانہ ہوئے مجھے ایک اور عالم دین کے حوالے کیا۔ واپسی پر انہوں نے اپنی عدم موجودگی میں پڑھی ہوئی کتابیں سنی۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ مرو کے دو بزرگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ اور فرمایا میں مکہ مکرمہ میں عبدالملک

طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تو انہوں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا تھا۔

حکیم محمد الابیوردی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ایسا مرد کامل تھا۔ جو اکثر زہد و ریاضت میں مشغول رہتا۔ اس نے بتایا۔ میں لگاتار سارا سال عبادت کرتا رہا۔ میں اکثر اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کیا کرتا تھا۔ کہ اے اللہ مجھے کوئی ایسا نیک کام کرنے کی توفیق دے کہ میں بھی حضرت شیخ ابوالخیر ابوسعید قدس سرہٗ کے مقام کو حاصل کر سکوں۔ سارا سال ایسے ہی گذرا۔ دعائیں کرتا رہا۔ عبادت کرتا رہا۔ ایک رات سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ہاتف نے آواز دی کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے ایک حدیث پر عمل کیا تھا۔ پھر اس مقام پر پہنچے تھے۔ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو پورا ایک سال مزید عبادت و ریاضت میں صرف کر دیئے۔ سنا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے تضرع وزاری سے التجا کرتا رہا۔ یا اللہ مجھے وہ حدیث دیکھا جس پر حضرت شیخ عمل کر کے اس درجہ مقام کو پہنچے۔ پورا ایک سال گذرا تھا۔ کہ مجھے پھر خواب آیا ہاتف نے کہا۔ حضرت شیخ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو زندگی بھر اپنایا۔

صُلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ

ترجمہ :۔ جو تم سے قطع تعلق کرے۔ اس سے ملو۔ جو تمہیں محروم کرے اسے کچھ دو۔ جو تم پر ظلم اور زیادتی کرے۔ اسے معاف کر دو۔

میں اٹھا۔ اور جان لیا کہ حضرت شیخ ابوسعید کے مرتبہ کو پہنچنا میرا کام نہیں ہے مجھے دو سال ریاضت کرنے کے بعد صرف یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ فلاں حدیث پر عمل کرتے تھے۔ مگر جن امور حدیث پر وہ عمل کرتے تھے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔

بانو فلہ رحمۃ اللہ علیہ :۔ ابوالفتح محمد علی بن علی الحداد نے بیان کیا تھا۔ کہ میرے والد کئی سال حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں رہے۔ وفات کے وقت وہ موجود نہ تھے جب واپس آئے۔ تو گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر ہر سال دوبار حضرت کے مزار کی زیارت کو جاتے میں حضرت شیخ کے بیٹوں کے لئے اپنے والد کے ہاتھ کچھ نہ کچھ ہدیہ بھیج

دیا کرتا تھا تاکہ مجھے بھی حضرت شیخ سے قربت نصیب ہو۔ میرے والد ہر بار جاتے۔ اور حضرت کی زندگی کے واقعات سناتے۔ ان کے چہرہ انور۔ موئے مبارک کی تعریفیں فرماتے۔ میرے والد کا انتقال ہوا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ اب میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت کروں۔ میں میہنہ کے نزدیک پہنچا تو رُک گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ شام کے بعد شہر میں داخل ہوں۔ اندھیرا ہوا تو میں شہر میں داخل ہوا۔ غسل کیا۔ رات کو مزار مبارک پر گیا۔ دوگانہ پڑھا۔ مراقبے میں بیٹھا رہا۔ اسی حالت میں مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں حضرت شیخ کو اسی شکل وصورت میں دیکھا جس طرح میرے والد بیان کیا کرتے تھے۔ فرمانے لگے۔ میرے بیٹوں کے پاس رہنے کی بجائے سرخس میں بانوفلہ کے پاس چلے جاؤ۔ اور اس کی تربیت میں راہ سلوک حاصل کرو۔ میں بیدار ہوا۔ رخت سفر کیا اور سرخس کو روانہ ہو گیا۔ بانوفلہ کی خدمت میں جا پہنچا۔ یہ بزرگ حضرت شیخ کے عقیدت مند درویشوں میں سے تھے۔ آپ نے وفات کے وقت بانوفلہ کو حکم دیا تھا۔ کہ سرخس میں ابو الفضل حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر چلے جائیں۔ وہ وہاں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے روحانی تربیت کا کام شروع کیا۔ ہزاروں لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ مخلوق خدا کو آپ سے نورانی تعلیمات حاصل ہوئیں۔ اب آپ کی خانقاہ کو خانقاہ بانوفلہ کہتے ہیں۔ میں بھی آپ کی خدمت میں رہ کر بڑی روشنی حاصل کی۔

آپ کی وفات کے بعد مجھے امام ابو القاسم قشیری قدس سرہٗ کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا۔ آپ نے مجھے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے بتایا۔ کہ مجھے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے مزار پر خواب آیا تھا۔ تو میں بانوفلہ کی خانقاہ میں آگیا۔ آپ بڑے روئے۔ فرمانے لگے۔ مجھے بانوفلہ کے ساتھ بڑا حادثہ پیش آیا تھا۔ میں سرخس میں ایک مہم پر نکلا۔ جب میں سرخس میں پہنچا تو وہاں کے علماء مشائخ اور بزرگانِ دین میرے استقبال کو آگے بڑھے۔ مگر بانوفلہ نہ آئے۔ مجھے امید تھی کہ وہ بھی میرے سلام کے لئے آئیں گے۔ مگر وہ نہ آئے۔ میں ان کی اس سرکشی سے آزردہ خاطر تھا۔ رات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ بانوفلہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ تم یہاں بیٹھے ہو۔ تمہیں چاہیئے کہ انہیں سلام کرنے جاؤ۔

میں خواب سے بیدار ہوا۔ صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بانو فلہ کی زیارت کو حاضر ہوا۔

برکاتِ نگاہِ شیخ میں نے حضرت خواجہ امام ظہیرالدین اسعد قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ (آپ حضرت امام استاد ابوالقاسم منیرہ تھے) کہ وہ ایک عرصہ تک نیشاپور کے صوفیاء کی خدمت کرتے رہے۔ اس طرح ان پر سات سو نیشاپوری دینار قرضہ ہو گیا۔ میں نے بادشاہ کے لشکرگاہ جانے کا ارادہ کیا۔ میں گیا۔ ان دنوں لشکر شاہی مرو میں خیمہ زن تھا۔ میں مینہہ میں پہنچا تو حضرت شیخ کے بیٹوں نے مجھے چند دنوں کے لئے روک لیا۔ بڑی خاطر و مدارات کی۔ چند دنوں بعد میں نے تیاری کی۔ تاکہ مرو کی طرف روانہ ہوں۔ سامان سفر تیار کیا۔ اور حضرت کے مزار کی زیارت کو نکلا۔ میری نگاہیں حضرت شیخ کی قبر پر پڑیں تو میرا سر جھک گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ گویا تمام حجابات میری آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گئے ہیں۔ میں نے حضرت شیخ کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو تمہارے باپ نے کیا ہے یا تمہارے دادا نے کیا ہے؟ جاؤ آرام کرو گھر بیٹھو۔ تمہارا مقصد یہاں ہی حاصل ہو جائے گا۔

میں باہر آ گیا۔ دوستوں کو کہا۔ سواری کا گھوڑا واپس کر دو۔ ساز و سامان لوٹا دو۔ میں نیشاپور آیا۔ اور خانقاہ میں آ بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کئے۔ کہ اسی مہینے میں سات سو دینار نیشاپوری قرضہ بیباق ہو گیا۔ اس سال اتنی فتوحات اور نذرانے آئے۔ کہ خانقاہ کے تمام اخراجات پورے ہو گئے مجھے کسی سال بھی اتنی آسودگی اور فراخی نہ آئی تھی۔ جس قدر اس سال آئی۔ یہ سب کچھ حضرت شیخ کی برکت اور دعا کا نتیجہ تھا۔

متکبر کو سزا:- خواجہ امام ابوالمعالی قشیری قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کی وفات کے چند سال بعد حضرت کی خانقاہ واقع نیشاپور میں ایک دعوت تھی۔ میں بھی اپنے والد اور دونوں چچوں امام ابونصر۔ امام ابوسعید کے ساتھ دعوت میں موجود تھا۔ اس دعوت میں شہر کے تمام اکابر۔ ائمہ۔ اور صوفیاء موجود تھے۔ امام الحرمین ابوالمعالی

قدس سرہ کے بیٹے فخر الاسلام ابو القاسم بھی اسی محفل میں تھے۔ یہ نوجوان عالم دین بڑا متکبر اور خود سر تھا۔ میرے والد کے ساتھ بڑی باتیں کرتا تھا۔ میرے والد نے کہا۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ کہیں صوفیہ ہمیں باہر نہ نکال دیں۔ کہنے لگا میں تو صوفیوں کی مونچھوں پر اس وقت تک ہنستا رہوں گا جب تک یہ بایزید بسطامی کے رتبہ کو نہ پہنچ جائیں۔ یہ بات کہہ کر پھر تیز تیز باتوں میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثنا میں خانقاہ سے ایک بلی ادھر آئی۔ اور ایک ایک صوفی کو سونگھنے لگی۔ ہر ایک کو سونگھ کر آگے نکل جاتی۔ فخر الاسلام کے پاس پہنچی تو اسے سونگھا اور اس پر پیشاب کر کے بھاگ گئی۔ فخر اسلام نہایت شرمندہ ہوا اور سمجھ گیا کہ یہ سزا کس طرف سے آئی ہے۔ اٹھا۔ استغفار پڑھی۔ لوگوں نے خواجہ امام بوسعید قشیری کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ آپ ہی تمام لوگوں میں سے بزرگ تھے۔ جب آپ کو بتایا گیا۔ کہ کیا ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ فخر الاسلام کو حضرت ابو سعید ابوالخیر سے معافی مانگنی چاہیئے۔ یہ انہیں کی کرامت ہے اور انہی کی خانقاہ ہے۔ وہ وفات کے اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی جانتے ہیں کہ سارے مجمع میں کس نے حرکت کی ہے۔ اور کس طرح گوشمالی کی جایا کرتی ہے۔ تمام صوفیا اس بات پر متفق تھے۔ فخر الاسلام نے نیشاپور سے ہی میہنہ کی طرف منہ کر کے معافی مانگی۔ اس واقعہ سے تمام حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ خرقے پھاڑ دیئے۔ اور سرنگوں کر لئے۔

خواجہ ناصر قدس سرہٗ:۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے بیٹے خواجہ ناصر رحمۃ اللہ علیہ میہنہ میں بیمار ہو گئے۔ ایک عرصہ تک طوس میں ایک طبیب کے زیر علاج رہے چند دن وہاں ہی رہے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو سفانتان کے قبرستان میں گئے تاکہ بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کریں۔ واپس آئے۔ رات خواب میں حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ناصر!

مشک تبتی داری با عنبر تر   اے دوست بیوی یائے دیگر منگر

جب تم تبت کی کستوری اور عنبر خاص اپنے پاس رکھتے ہو۔ پھر دوسری خوشبوؤں کی تلاش میں کیوں پھرتے رہتے ہو۔

خواجہ ناصر بیدار ہوئے۔ اسی وقت مینہہ کو روانہ ہوئے۔ گھر پہنچے تو ایک ماہ کے بعد فوت ہو گئے۔

آوازِ دوست:- امام ابو بکر محمد بن احمد ابو اعظ السرنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواجہ احمد صوفی قدس سرہٗ سے سنا تھا۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خانقاہ کے ایک درویش نے حضرت کو بعد از وصال خواب میں دیکھا۔ اور عرض کی حضرت دنیا میں آپ سماع سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اب آپ کیا کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔!

از لحنائے موصلی وطنِ ارغنوں - آواز آں نگار مرا بے نیاز کرد

بانسری کی خوش آوازی ارغنوں کی دلنوازی اگرچہ بڑی اچھی چیزیں ہیں۔ مگر میرے محبوب کی دلنواز آواز نے ان سے سب سے بے نیاز کر دیا ہے۔

یہ بات سنتے ہی شیخ نے نعرہ مارا۔ نیند سے اٹھا۔ اور ایک خاص حالت طاری رہی ہوش آیا۔ تو اس نے خواب کا واقعہ بیان کیا۔

خوارزم شاہ کا گھوڑا اڑک گیا:- جس وقت خطار کے تاتاری کافروں نے سلطان سنجر کو سمرقند میں شکست دی اور قتل کر دیا تو یہ دنیائے اسلام کا ایک عظیم حادثہ تھا۔ ان دنوں خوارزم شاہ اتسیز میں آیا۔ جب وہ باورد پہنچا تو وہاں سے خاوراں کا ارادہ کیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ خاوراں کو تہس نہس کر دے مینہہ سے ایک میل کے فاصلہ پر موضع رباط سربالا میں پہنچا تو اس کا گھوڑا اڑک گیا۔ اس کے قدم جم گئے بادشاہ نے بڑے چابک مارے لیکن وہ ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ سائیں کو بلایا۔ اس نے پورا زور لگایا۔ مگر گھوڑا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ بادشاہ کا وزیر بھی ساتھ ہی تھا۔ خواجہ عراق الصابندی نے کہا حضور اس موضع کو متبرک اور محترم جگہ جانا جاتا ہے اس علاقہ میں ایسے بزرگ کی قبر ہے جو یکتائے عالم ہوا ہے آپ نے دل میں جو ارادہ کیا ہے اسے بدل دیں۔ اس نے کہا۔ تم نے سچ کہا ہے یہ کہہ کر گھوڑے کی طرف بڑھا۔ گھوڑا فوراً چل پڑا

اس واقعہ کے بعد خوارزم شاہ کی عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور وہ حضرت شیخ کے تصرف اور کمالات کا قائل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاص آدمی کو مینہہ بھیجا۔ اور اسے یہاں کا کوتوال مقرر کر دیا اور فرمایا کہ اس علاقہ کے لوگوں کو یقین دلا دیں۔ کہ ہم نے جو ارادہ کیا تھا۔ اسے تبدیل کر دیا ہے۔ اب یاد رکھو۔ ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہ علاقہ ہمارا اپنا خطۂ خاص ہے۔ پھر سلطان نے تین دن تک مینہہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ کے بیٹے اور صوفیا۔ باہر نکل آئے۔ بڑے اعزاز و اکرام روا رکھے گئے۔

جمال الدین بو روح جو راقم موتف کے عم زاد بھائی تھے۔ بڑے علوم و فنون میں ماہر تھے۔ ان کی دعا اکثر قبول ہوتی تھی۔ وہ حضرت شیخ کے حالات کرامات اور ریاضات پر تفصیل سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ کے علاوہ تمام لوگوں کو واپس کر دیا صرف جمال الدین کو اپنے پاس رکھا۔ نماز عشاء کے بعد پھر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اور حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کی۔ جمال الدین کو پھر بلایا۔ اور کہا علی الصباح میرے پاس آنا۔ اور ان تین دنوں میں ہر روز میرے پاس آتے رہنا۔ جب لشکر گاہ میں واپس آئے تو لوگوں کو آرام آیا۔ اسی اثنا میں مغرب کی طرف سے آگ کی سی سرخی نمودار ہونے لگی۔ لمحہ بہ لمحہ یہ سرخی زیادہ ہوتی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سارا آسمان آتش فشاں ہو گیا ہے موضع مینہہ کے ارد گرد سرخی ہی سرخی دکھائی دیتی تھی۔ اس صورتِ حال سے تمام لشکر بھی متفکر تھا۔ خوارزم شاہ بیدار ہوئے۔ صورت حال کو دیکھا۔ لشکر میں بد دلی پائی۔ وہاں سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اور کہا حضرت شیخ نے لشکر پر آگ برسا دی ہے۔ مینہہ کے لوگ لشکر گاہ میں گئے۔ تو تمام لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ دوسری صبح ہوئی۔ لشکر کے تمام چارپائے۔ مویشی اور گھوڑے۔ روانہ ہو چکے تھے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ کہ یہ سارا لشکر کدھر گیا۔ کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوئی۔ اور کسی نے حرکت تک نہیں کی۔ مینہہ کے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آخر یہ آگ کیسی تھی؟ معلوم ہوا۔ کہ بزرگوں کی ایک جماعت نے مینہہ کے نزدیک پہاڑ پر غلہ بویا تھا۔ ان دنوں انہوں نے خرد دارے جمع کئے تھے۔ اور بھوسے کے ڈھیر لگا دیئے تھے رات گئے آگ بھڑک اٹھی۔ بڑھتے بڑھتے جنگل اور صحرا میں پھیل گئی۔ ہوا کی تیزی نے اسے ساری

وادی میں پھیلا دیا۔ اور جلائی گئی۔ آگ کے شعلے آسمان تک باتیں کرنے لگے۔

یہ بھی ہمارے شیخ قدس سرہٗ کی ایک کرامت تھی۔ کہ اس نے خوارزم کے حملے کو رد کر دیا اور اس آگ کے دوران کسی مقامی آدمی کا نقصان نہ ہوا نہ فصلیں تباہ ہوئیں۔ اور نہ ہی غلے کے خروارے لوٹے گئے۔

اوحد الطائفہ محمد بن عبد السلام راقم (موتف کتاب) کے جدّ امجد کے غلام زادہ تھے۔ غزوں کے حملہ کے وقت حضرت شیخ کی اولاد کے بہت سے افراد شہید ہو گئے۔ میہنہ میں حضرت کی اولاد میں سے ایک سو پندراں آدمی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ اُس کے بعد مختلف بیماریوں نے لوگوں کو لقمۂ اجل بنا لیا۔ پھر قحط اور دوسرے حوادث آتے رہے۔ ان حالات میں میہنہ خالی ہو گیا۔ لوگ ادھر اُدھر چلے گئے۔ سال بھر میں کبھی دو تین درویش آجاتے۔ اور میہنہ کے قریب ایک قلعے کے کھنڈرات میں قیام کرتے۔ قلعہ سے حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ کے مزار تک خاص فاصلہ تھا۔ محمد عبد السلام اسی زمانے میں حضرت شیخ کے مزار پر مجاور رہے۔ وہ معذور تھے۔ ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ اِدھر اُدھر جانا دشوار تھا۔ غزوں کے حملے کے وقت انہیں ایسی کوئی سواری نہ مل سکی جس پر بیٹھ کر کہیں نکل جاتے۔ حالانکہ دوسرے لوگ بال بچوں کو لے کر جدھر سمایا چل پڑے تھے۔ وہ مجبوری کی بنا پر یہاں ہی پڑا رہا۔ حضرت کے مزار کے دروازے کے سامنے پڑا رہا۔ اس کی طرح چند اور معذور انسان نابینے ضعیف بھی پڑے رہے۔

جب قصبہ کے تمام لوگ چلے گئے تو یہ چند معذور بے یار و مددگار رہ گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان پر اپنی روزی کے دروازے کھول دیئے خیرات اور انعامات وہاں پہنچنے لگے۔ فسادی اور شرپسند لوگ علاقہ خالی کر گئے۔ مختلف اطراف سے نذرانے آنے لگے۔ وہ خود بیاں کرتا ہے کہ اس قدر خوشحالی میں نے ساری عمر نہیں دیکھی تھی۔ جب کچھ کچھ لوگ واپس آئے تو قلعہ میں ٹھہر گئے۔ مگر وہ حسب سابق حضرت کے مزار پر پڑا رہتا۔ مگر کوئی درویش آتا۔ تو وہ اس کی بڑی خدمت کرتا۔ اور مستورات کو قلعہ تک پہنچاتا۔ مگر خود مزار پُر انوار کے دروازے پر پڑا رہتا۔

راقم الحروف (مولف کتاب) ایک عرصہ کے بعد وہاں پہنچا تو اس سے دریافت کیا کہ اس عرصہ میں کوئی کرامت دیکھنے میں آئی ہو تو بیان کریں۔ اس نے بتایا۔ اتنے طویل عرصہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا۔ جب میں کوئی نہ کوئی کرامت نہ دیکھی ہو۔ یہ کرامتیں حدو شمار سے باہر ہیں لیکن اس وقت میں صرف دو واقعات سنانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ واقعات میں دل میں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے واقعات میں نے کہیں نہیں دیکھے۔

قبر سے قرآن کی آواز:- ایک بار گرمیوں کا موسم تھا۔ گرمی کی شدت سے میں قلعہ میں نہیں جا سکتا تھا۔ اپنے بال بچے کو ملنے سے محروم رہا ساری گرمیاں حضرت شیخ کے مزار کے دروازے کے سامنے گذار دیں۔ ایک رات سویا ہوا تھا یہ رات چاندنی تھی۔ چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا ہمیشہ کی طرح مزار کے تمام دروازے بند تھے۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مینہہ کے صحراؤں میں سے آیا۔ اور میرے نزدیک ہی سو گیا۔ آدھی رات گذری ہوگی۔ تو میری آنکھ کھلی۔ مزار کے اندر سے مجھے قرآن پاک پڑھنے کی آواز آئی۔ میں نے غور سے سنا تو کوئی اِنَّا فَتَحْنَا والی سورت تلاوت کر رہا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ مزار کے دروازے پوری طرح مقفل تھے۔ کون یہ دروازے کھول کر مزار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں اٹھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ تمام کے تمام دروازے بند تھے۔ اس وقت چاند نصف آسمان پوری تابناکی سے چمک رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ آواز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ مجھ پر ایک رقت طاری ہو گئی میں ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔ مگر میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ آخر کار میں نے پاس ہی سوئے ہوئے آدمی کو جگایا اور کہا اٹھو اور سنو۔ کہ اتنے برسوں بعد بھی حضرت کی تلاوت قرآن کی آواز کیسے سنائی دے رہی ہے وہ اٹھا تو آواز مدہم پڑ گئی۔ حتیٰ کہ بالکل خاموشی چھا گئی۔ نہ میں سن سکا۔ اور نہ وہ شخص!

میرا دستور تھا کہ سردیوں کے دنوں میں قلعہ سے آتا۔ تو اپنا کھانا ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ کیونکہ مزار سے قلعہ تک خاصا فاصلہ تھا۔ اور مجھے اس فاصلہ کو دوبارہ طے کرنا مشکل تھا۔ ایک دن میں

نے کچھ نہ کھایا تھا۔طبیعت خراب تھی۔بخار ہونے لگا۔دوسرے دن بھی کچھ نہ کھایا۔مجھے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔میں نے ایک روٹی کا ٹکڑا اور ایک انڈا لیا۔اور مزار کے دروازے پر جا پہنچا میرا ارادہ تھا۔کہ اسے کھا کر بھوک کی شدت کم کر لوں گا۔مزار کے دروازے پر ایک گدڑی پوش فقیر کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔وہ مراقبہ میں گردن جھکائے تھا۔اس کے پاس ہی ایک عصا اور لوٹا پڑا ہوا تھا۔میری نگاہیں پڑھیں تو مجھے ایک آدمی کا احساس ہوا تو مجھے،یک گونا اطمینان ہوا۔میں نے آہستہ دروازہ کھولا۔اس نے دروازے کی آواز سنی تو سر اٹھایا۔میں نے سلام عرض کیا۔وہ اٹھا۔اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ہم دونوں بیٹھ گئے۔میں نے حال احوال دریافت کیا۔تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کل شام سے یہاں ہی ہے۔اور کسی نے اس کی خاطر و مدارات نہیں کی تھی۔اس کے پاس کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ساری رات جاگتا رہا تھا۔میں نے روٹی اور انڈے سامنے رکھا یہ میرا ایثار تھا۔پھر بھی میں نے ہم نوالگی کے طور پر اس کے ساتھ ایک دو لقمے لئے۔میں نے اس کی بڑی خدمت کی وہ اٹھا۔وضو کیا۔دو نفل ادا کئے۔اور تیار ہو کر مجھے الوداع کہہ کر چلا گیا۔میں اس دن بھی بھوکا رہا۔مگر اس درویش کی موجودگی کی برکت سے مجھے بھوک کا احساس نہ رہا۔نماز شام کو گھر گیا۔تو گھر میں ایسی چیز پکی ہوئی تھی۔جسے کھانے کو میرا دل نہ چاہا۔میں نہ کھا سکا۔گھر والوں نے سمجھا میں نے کچھ کھا لیا ہے۔اس لئے کچھ نہیں کھا رہا۔اس رات بھی مجھے بھوکا سونا پڑا۔دوسرے دن علی الصباح نماز صبح ادا کرنے کے بعد مزار شریف پر آگیا دروازہ کھولا۔اور مزار کے اندر گیا مزار کے باہر جوتے اتارنے کی جگہ پر مجھے ایک نیلگوں کوزہ پڑا دکھائی دیا۔پانی سے بھرا ہوا تھا۔دو سفید روٹیاں گرم گرم ساتھ ہی پڑی ہوئی تھیں۔میں نے انہیں اٹھانا چاہا تو نہایت گرم تھیں میں نے اٹھا تو لیں مگر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔میں نے محسوس کیا۔کہ حضرت شیخ نے میری بھوک دیکھ کر یہ دونوں چیزیں عطا کی ہیں یہ حضرت کی کرامت تھی۔ورنہ یہاں گرم روٹیوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔میں بیٹھ گیا۔روٹی کھانے لگا۔میں نے عمر بھر اتنا لذیذ کھانا آج نہیں کھایا تھا اور اس پانی سے زیادہ خوش کن پانی نہیں پیا تھا۔

تازہ روٹی:- یہ حضرت کی کرامت تھی۔ میں دو روز کا بھوکا تھا۔ یہ کھانا کھا لینے کے بعد میں تین دن تک سیر رہا۔ شام کے وقت گھر قلعہ میں آیا۔ لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے۔ رات کی بات میں چھپا نہ سکا۔ میں نے کوشش کی کہ رات کی بات کسی کو نہ سناؤں مگر میرے اندر ایک ولولہ تھا۔ میں نے کہا۔ لوگو! تمہیں احساس تک نہیں کہ تمہارے پاس یہ مزار کتنا بڑا خزانہ ہے۔ صاحب مزار کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔ آج تم پر ساری مصیبتیں اور پریشانیاں اس بے اعتنائی کا نتیجہ ہیں۔ میں یہ واقعہ سنا رہا تھا۔ کہ تمام حاضرین رو رہے تھے۔ لیکن اس دن سے میں نے دل میں محسوس کیا کہ یہ میری غلطی تھی۔ اگر میں حضرت کی اس کرامت کو نہ بتاتا۔ تو شاید کئی قسم کے انعامات سے نوازا جاتا۔ میں بڑا پشیمان تھا۔ کہ میں نے مخصوص مہربانی کو آشکارا کر دیا۔ بایں ہمہ مجھ پر بے پناہ کرامات کا اظہار ہوا جسے میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ مبارک ہے وہ شخص جس نے ہمیں دیکھا مبارک ہے وہ شخص جس نے اسے دیکھا جس نے ہمیں دیکھا۔ اس طرح آپ نے سات آدمیوں تک کو گنا اور انہیں مبارک کہا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی وہ کرامات جو آپ کی ظاہری زندگی کے اختتام کے بعد دیکھنے میں آئیں۔ بیان و تحریر سے کہیں زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہمارے خالو کے بیٹے ابوالفتوح بن المفضل اور میرے بھتیجے المنور بن ابی سعید بیان کرتے ہیں کہ غزوں کی بغاوت اور شورش کے زمانے میں میہنہ تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ قصبہ میں کوئی شخص نہ ٹھہر سکا۔ میہنہ کے چند لوگ بچ بچا کر قلعہ میں پناہ گیر ہوئے۔ وہ کبھی کبھی قصبہ میں آتے۔ اور ایندھن کے لئے توت کی لکڑیاں کاٹ کر لے جاتے اور اپنے اپنے گھروں کے سامنے جمع کر لیتے۔ ہم دونوں اپنے شاگردوں کو لے کر محلہ صوفیاں میں آئے۔ اور مزار کے پاس ہی ایک درخت کو کاٹنے لگے۔ یہ دن بہت گرم تھا۔ ہمارے بغیر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ ہم عام لڑکوں کی طرح ادھر اُدھر شرارتیں کر رہے تھے۔ شاگرد کلہاڑا لئے درختوں کو کاٹ رہے تھے۔ ہمارا شور سارے محلے میں گونج رہا تھا۔ مزار پر انوار سے آواز آئی: "تم کیا کر رہے ہو؟" ہم نے مڑ کر دیکھا تو

ایک بوڑھا آدمی مزار کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ہمارے شیخ کی طرح سرخ و سفید رنگ اسی طرح کا لباس۔ فرمایا۔ کیا ابھی تم پر وقت نہیں آیا۔ کہ اس بے ادبی سے باز آؤ۔ ہماری نگاہیں اس شخص پر پڑیں تو ہم رونے لگے۔ تمام ہتھیار وہاں ہی ڈالے نماز عصر کے بعد ایک شخص وہاں آیا کلہاڑیاں۔ اور کپڑے اٹھا کرلے آیا۔ اُس دن کے بعد ہم نے اس جگہ کبھی شور نہ مچایا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنہیں بیان کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہو گی۔ یہ ساری کرامات حضرت شیخ کے بحر کرامات سے ایک قطرہ ہیں۔

خاجہ امام ابوالحسن مالکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے چند مشائخ سے سنا تھا۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ کی کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ہم صرف ان حالات کو بیان کریں جو آپ نے مخلوق خدا پر احسانات کئے ہیں۔ تو ایک مدت درکار ہے۔ حضرت ابوسعید فرمایا کرتے تھے اللہ کی درگاہ میں صاحب کرامات بزرگوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دراصل جاسوس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ ایک جاسوس بادشاہ کے دربار میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ صاحب اشراف و کرامات کو ولائیت میں بڑے خطرات کا سامنا ہوتا ہے۔ انہیں صرف اتنا ہی مقام حاصل ہوتا ہے جس طرح ایک دینار کے مقابلہ میں ایک پیسہ! تم کوشش کرو۔ کہ صاحب ولائیت بنو۔ مگر صاحب کرامت ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ہاں کرامات کی کوئی قدر نہیں تھی۔ حضرت شیخ کا مقام خلق خدا کی خدمت میں ہی تھا۔ وہ اسی کام کو عظیم کام جانتے تھے۔ خدمت خلق سے بڑھ کر ان کے ہاں کوئی مقام کوئی کرامت نہیں تھی۔

خاتمۃ الکتاب

یہ دعا گو (مؤلف کتاب) دلی طور پر چاہتا ہے کہ وہ قارئین کرام جو ان اوراق کا مطالعہ کریں اتنا کرم فرمائیں۔ کہ جب انہیں حضرت شیخ قدس سرہٗ کے حالات و مقالات پر واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ان پر رقت یا لذت کی کیفیت طاری ہو۔ تو میرے لئے دعا خیر فرمائیں۔ اگر کسی شخص

کو ان مبارک باتوں یا مفید واقعات سے ہدائیت نصیب ہو۔ یا سالک راہ طریقت کو طریقت و حقیقت کا کوئی نکتہ حاصل ہو۔ تو راقم الحروف کے حق میں دعا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ خلوت وجلوت میں جب بھی اس مسکین کی یاد آئے تو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بادشاہ دین۔ سلطان اہل یقین۔ پیشوائے اہل طریقت اور مقتدائے اہل حقیقت کی انفاس و برکات سے کسی حالت میں بھی علیحدہ نہ فرمائے۔ ہمیں دنیا و آخرت میں حضرت کے غلاموں اور نیازمندوں میں رکھے۔ ہم قیامت میں میدان حشر میں بھی آپ کی خدمت میں مستعد رہیں۔ بزرگان دین نے کہا ہے کہ کمترین کا جواب بہترین ہی دیا کرتے ہیں۔ حضرت ہی ہمارے گناہوں کے شفیع اور وسیلہ نہیں ہمارے دل آپ کی محبت سے لبریز رہیں اور ہمارے جسم آپ کے غلاموں کی خدمات میں وقف رہیں۔ ہم زندگی کا ایک لمحہ بھی خدمت خلق سے محروم نہ رہیں۔ دین و دنیا اور آخرت کے تمام امور یا آپ کی محبت۔ دوستی۔ اور خدمت خلق کے تمام مدارج کو ہمارے لئے اکرام فرمائے۔ بحق محمد و آلہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ط
